WWW.PAKSOCIETY.COM
ماہنامہ
حنا
اگست 2015
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
عید نمبر 2
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ماهنامه

جلد 37 شمارہ 8
اگست 2015ء
قیمت-/60 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

افسانے

سلسلے وار ناول

عید سروے

مکمل ناول

ناولٹ

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور۔ فون: 042-37321690 ,042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

مستقل سلسلے

قارئین کرام! اگست 2015ء کا شمارہ عید نمبر 2 پیش خدمت ہے۔

اگست ماہ آزادی ہے کہ اسی ماہ کی 14 تاریخ کو دنیا کے نقشے پر ایک آزاد اسلامی مملکت ابھری تھی، جس کے قیام کی خاطر لاکھوں مسلمانوں نے جان و مال کی قربانی دی تھی اور آگ اور خون کے دریا عبور کر کے اپنی خوابوں کی سرزمین پر پہنچے تھا۔ ان کا مقصد کیا تھا؟ ایک ایسی مملکت کا قیام جہاں وہ کسی بھی خوف کے بغیر اپنے مذہب کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ جہاں عدل و انصاف کا بول بالا ہو اور معاشی ترقی کا ثمر ہر ایک کو ملے۔ مگر آج اڑسٹھ سال بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے خواب ریزہ ریزہ ہو گئے۔ حکمرانوں نے ہمارے ملک کا وہ حال کیا ہے کہ الامان الحفیظ۔ کرپشن کے معاملے میں شاید ہمارا ملک دنیا میں پہلے چند نمبروں میں ہو گا۔ جہاں بھی کرپشن کی بات ہوتی ہے موجودہ یا سابقہ حکمرانوں کا نام سرفہرست ہوتا ہے۔ حال ہی میں نیب نے عدالت عظمیٰ کے حکم پر کرپٹ افراد کی ایک فہرست عدالت میں جمع کروائی ہے۔ جس میں حکمران طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کا بھی نام ہے۔ شاید یہ بات حکمرانوں کو ناگوار گزر رہی ہے۔ وزیر اطلاعات اس قدر غصے میں ہیں کہ انہوں نے نیب کے خلاف پریس کانفرنس کر ڈالی ہے۔ کہتے ہیں نیب کا ادارہ کیسا ہو، فیصلہ پارلیمنٹ نے کرنا ہے۔ کیا پارلیمنٹ سیاست دانوں کو کرپشن پہ استثنیٰ دینا چاہتی ہے، سپیکر قومی اسمبلی نے بھی چیرمین نیب کے خلاف ریفرنس کی بات کر دی ہے۔ ملک میں کرپشن کے خاتمے کے لئے جب تک نیب کو مضبوط بنا کر سب کا احتساب نہیں کیا جائے گا ملک سے کرپشن ختم نہ ہو گی۔ لہٰذا حکومتی عہدے داروں کو چاہیے کہ نیب کے چیرمین کو بلیک میل کرنے کی بجائے اس کے اچھے اقدامات میں اس کا ساتھ دے کر ملک کو کرپشن سے پاک کریں۔ تبھی یہ ملک ترقی کرے گا اور ہمارے بزرگوں کے دیکھے ہوئے خوابوں کی تعبیر رونما ہو گی۔

اس شمارے میں: عید سروے کا بقیہ حصہ، نایاب جیلانی کا سلسلے وار ناول، صبا جاوید اور ثروت انمول کے مکمل ناول، تحسین اختر اور مبشرہ انصاری کے ناولٹ، قرۃ العین خرم ہاشمی، سعدیہ عابد، شگفتہ شاہ، مصباح نوشین، حمیرا نوشین اور نورین شاہد کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

حلقۂ مہر میں بھی پردۂ مہتاب میں بھی
کیا عجب حسن ہے جو گم ہے میرے خواب میں بھی

جب سفینہ کوئی ہوتا ہے رواں اس کی طرف
لہر اٹھتی ہے اچانک مرے اعصاب میں بھی

وہ کہ رکھتا ہی نہیں کوئی خدوخال اپنے
میں نے اوروں میں دیکھا اسے احباب میں بھی

میں خریدار ہوا بھی تو بھلا کس کا ہوا
وہ جو ارزاں میں بھی موجود ہے نایاب میں بھی

رنگ افسردہ، کشکول بھی وہ دست بدست
طوق در طوق دمکتا ہے زرِ ناب میں بھی

سننے والوں سے سنا ہے اسے عاصم اکثر
شورِ منبر میں بھی خاموشیٔ محراب میں بھی

نعت رسول مقبول ﷺ

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

اک بار اور بھی طیبہ سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجدِ اقصیٰ تیرا

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

یتیم لڑکیوں سے حسن سلوک

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص دو لڑکیوں کو پالے ان کے جوان ہونے تک، تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح سے آئیں گے۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملایا (یعنی قیامت کے دن میرا اس کا ساتھ ہوگا، مسلمان کو چاہیے کہ اگر خود اس کی لڑکیاں ہوں تو خیر ورنہ وہ یتیم لڑکیوں کو پالے اور جوان ہونے پر ان کا نکاح کردے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ اس کو نصیب ہو۔) (مسلم)

جہاد

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا۔

''میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں اور اللہ سے اس کا ثواب چاہتا ہوں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟''

وہ بولا کہ۔

''دونوں زندہ ہیں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''تو اللہ سے ثواب چاہتا ہے؟''

وہ بولا۔

''ہاں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تو اپنے والدین کے پاس لوٹ جا اور ان سے نیک سلوک کر۔'' (مسلم)

باپ کے دوستوں سے اچھا سلوک

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ مکہ کو جاتے تو اپنے ساتھ ایک گدھا تفریح کے لیے رکھتے اور جب اونٹ کی سواری سے تھک جاتے تو اس پر چڑھتے اور ایک عمامہ رکھتے جو سر میں باندھتے، ایک دن وہ گدھے پر جارہے تھے کہ اتنے میں ایک اعرابی نکلا، سیدنا عبداللہ نے کہا۔

''تو فلاں کا بیٹا ہے فلاں کا پوتا؟'' وہ بولا۔

''ہاں۔''

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کو گدھا دے دیا اور کہا کہ۔

''اس پر چڑھ'' اور عمامہ بھی دے دیا اور کہا کہ ''اپنے سر پر باندھ'' سیدنا عبداللہ کے بعض ساتھی بولے۔

''تم نے اپنی تفریح کا گدھا دے دیا اور عمامہ بھی دے دیا جو اپنے سر پر باندھتے تھے اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے۔''

انہوں نے کہا۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم فرماتے تھے کہ بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے مرجانے کے بعد اس کے دوستوں سے (اچھا) سلوک کرے۔'' اور اس دیہاتی کا باپ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوست تھا۔ (مسلم)

کالے رنگ کا کمبل پہننا

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صبح کو نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کالے بالوں کا ایک کمبل اوڑھے ہوئے تھے جس پر پالان کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ (صحیح مسلم)

ضروری بستر بنا کر رکھنے کے متعلق

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

''ایک بستر آدمی کے لئے چاہیے اور ایک اس کی بیوی کے لئے اور ایک بستر مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کا ہوگا۔'' (یعنی جو لوگوں کو دکھانے اور اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے بنایا جائے) (صحیح مسلم)

اچھا گمان رکھنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث قدسی میں اپنے رب کا یہ ارشاد مبارک نقل فرماتے ہیں۔

''میں اپنے بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں، جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جس وقت وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔'' (مسلم)

بلند مرتبہ کی چیز

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی چیز نہیں ہے۔'' (ترمذی)

خوشحالی میں دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جو شخص یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ سختیوں اور بے چینیوں کے وقت اس کی دعا قبول فرمائے، اسے چاہیے کہ وہ خوشحالی کے زمانے میں زیادہ دعا کیا کرے۔'' (ترمذی)

جلد بازی کی ممانعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بندہ جب تک گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہ کرے، اس کی دعا قبول ہوتی رہتی ہے بشرطیکہ وہ جلد بازی نہ کرے۔'' پوچھا گیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جلد بازی کا کیا مطلب ہے؟'' ارشاد فرمایا۔

''بندہ کہتا ہے میں نے دعا کی پھر دعا کی لیکن مجھے تو قبول ہوتی نظر نہیں آتی، پھر اکتا کر دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔'' (مسلم)

دعا میں نگاہ اٹھانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
''لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آجائیں ورنہ ان کی بینائی اچک لی جائے گی۔'' (مسلم)
نماز میں دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے خاص طور پر اس وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ دعا کے وقت نگاہ آسمان کی طرف اٹھ ہی جاتی ہے۔ (فتح الملہم)

غیر ضروری تفصیل سے بچنا

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں دعا میں یوں کہہ رہا تھا۔
''اے اللہ! میں تجھ سے جنت اور اس کی نعمتوں اور اس کی بہاروں اور فلاں فلاں چیزوں کا سوال کرتا ہوں اور میں جہنم سے اور اس کی زنجیروں، ہتھکڑیوں اور فلاں فلاں قسم کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔'' میرے والد سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سنا تو ارشاد فرمایا۔
''میرے پیارے بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔
''عنقریب ایسے لوگ ہوں گے جو دعا میں مبالغہ سے کام لیا کریں گے۔'' تم ان لوگوں میں شامل ہونے سے بچو، اگر تمہیں جنت مل گئی تو جنت کی ساری نعمتیں مل جائیں گی اور اگر تمہیں جہنم سے نجات مل گئی تو جہنم کی تمام تکلیفوں سے نجات مل جائے گی۔'' (لہٰذا دعا میں اس تفصیل کی ضرورت نہیں بلکہ جنت کی طلب اور دوزخ سے پناہ مانگنا کافی ہے۔) (ابوداؤد)

قبولیت کی گھڑی

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔
''ہر رات میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ مسلمان بندہ اس میں دنیا و آخرت کی جو خیر مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔'' (مسلم)

رات کا آخری حصہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
''جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے ''کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں اس کی مغفرت کروں؟'' (بخاری)

بار بار کہو

حضرت ربیعہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔
''دعا میں یا ذالجلال والاکرام کے ذریعہ اصرار کرو یعنی اس لفظ کو دعا میں بار بار کہو۔'' (مستدرک حاکم)

دعا کا آغاز

حضرت سلمہ بن اکوع اسلمی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی ایسی دعا کرتے ہوئے نہیں سنا، جس دعا کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کلمات سے شروع نہ فرماتے ہوں یعنی ہر دعا کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کلمات فرماتے سبحان ربی العلی الاعلی الوہاب ''میرا رب سب عیبوں سے پاک سب سے بلند سب سے زیادہ دینے والا ہے۔'' (مسند احمد، طبرانی، مجمع الزوائد)

آیت کریمہ کی فضیلت

یہ وہ دعا ہے جس کے ذریعہ حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو تین اندھیروں میں پکارا تھا۔

لاالہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین، ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو تمام عیبوں سے پاک ہے، بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔'' (تین اندھیریوں سے مراد رات، سمندر اور مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے ہیں) ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے یا تمام ایمان والوں کے لئے عام ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک نہیں سنا، کہ ہم نے یونس علیہ السلام کو مصیبتوں سے نجات دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔''

پانچ لوگوں کی دعا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''پانچ لوگوں کی دعائیں قبول خاص طور پر قبول کی جاتی ہیں، مظلوم کی دعا، جب تک وہ بدلہ نہ لے لے، حج کرنے والے کی دعا، جب تک وہ لوٹ نہ آئے، مجاہد کی دعا، جب تک وہ واپس نہ آئے، بیمار کی دعا، جب تک وہ صحت یاب نہ ہو اور ایک بھائی کی دوسرے بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے دعا۔'' پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''اور ان دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی وہ دعا ہے جو اپنے کسی بھائی کے لئے اس کی پیٹھ پیچھے کی جائے۔'' (بیہقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''تین دعائیں خاص طور پر قبول کی جاتی ہیں جن کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں، (اولاد کے حق میں باپ کی دعا، مسافر کی دعا اور مظلوم کی دعا۔'' (ابوداؤد)

ذکر

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''میں فجر کی نماز سے سورج نکلنے سے اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی بڑائی، اس کی تعریف، اس کی پاکی بیان کرنے اور لاالہ الااللہ کہنے میں مشغول رہوں یہ مجھے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے دو یا اس سے زیادہ غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے، اسی طرح عصر کی نماز کے بعد سے سورج غروب ہونے تک ان اعمال میں مشغول رہوں یہ مجھے حضرت اسماعیل

کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔'' (مسند احمد)

باوضو ہونا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جو شخص باوضو رات کو سوتا ہے تو فرشتہ اس کے جسم کے ساتھ لگ کر رات گزارتا ہے، جب بھی وہ نیند سے بیدار ہوتا ہے فرشتہ اسے دعا دیتا ہے۔

''یا اللہ اپنے اس بندے کی مغفرت فرما دیجئے اس لئے کہ یہ باوضو سویا ہے۔'' (ابن حبان)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جو مسلمان بھی رات باوضو ذکر کرتے ہوئے سوتا ہے، پھر جب کسی وقت رات میں اس کی آنکھ کھلتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی کسی بھی خیر کا سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز ضرور عطا فرماتا ہے۔'' (ابوداؤد)

ذکر کی فضیلت

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جو شخص صبح دس مرتبہ لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد، وھو علی کل شئی قدیر پڑھے تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی، اس کی دس برائیاں مٹا دی جائیں گی، اس کے لئے دس درجے بلند کر دیئے جائیں گے، اس کو چار غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا اور شام ہونے تک شیطان سے اس کی حفاظت ہوگی اور جو شخص مغرب کی نماز کے بعد یہ کلمات پڑھے تو صبح تک یہی سب انعامات ملیں گے۔'' (ابن حبان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جس شخص نے صبح اور شام ''سبحان اللہ وبحمدہ'' سو مرتبہ پڑھا تو کوئی شخص قیامت کے دن اس سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا، سوائے اس شخص کے جو اس کے برابر یا اس سے زیادہ پڑھے۔'' ایک روایت میں یہ فضیلت سبحان اللہ العظیم وبحمدہ کے بارے میں آئی ہے۔ (مسلم ابوداؤد)

حضرت ابو عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، وہ ساری رات دو صاع (سات سیر) کھجوروں کے عوض اپنی کمر پر رسی باندھ کر کنویں میں سے پانی نکالتے رہے پھر ایک صاع کھجور لا کر اپنے گھر والوں کو دی تاکہ وہ اسے اپنے کام میں لائیں اور دوسرا صاع قرب خداوندی حاصل کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا کہ یہ صاع محنت کر کے حاصل کیا ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''اسے صدقہ کے مال میں رکھ دو۔''

☆☆☆

ابن انشاء

دیکھ ہماری دید کے کارن کیسا قابل دید ہوا
ایک ستارہ بیٹھے بیٹھے تابش میں خورشید ہوا

آج تو جانی ، رستہ تکتے ، شام کا چاند پدید ہوا
تو نے تو انکار کیا تھا ، دل کب نا امید ہوا

آن کے اس بیمار کو دیکھے ، تجھ کو بھی توفیق ہوئی؟
لب پر اس کے نام تھا تیرا ، جب بھی درد شدید ہوا

ہاں اس نے جھلکی دکھلائی ، ایک ہی پل کو دریچے میں
جانواک بجلی لہرائی ، عالم ایک شہید ہوا

تو نے ہم سے کلام بھی چھوڑا ، عرض وفا کے سنتے ہی
پہلے کون قریب تھا ہم سے ، اب تو اور بعید ہوا

دنیا کے سب کارج چھوڑے ، نام پہ تیرے انشا نے
اور اسے کیا تھوڑے غم تھے ؟ تیرا عشق مزید ہوا

☆☆☆

عید سروے ۔ عید کنگنانے لگی

فوزیہ شفیق

عید رنگوں، خوشیوں اور مسرتوں بھرا تہوار، ایک خوشگوار مہکتا احساس، لفظ ''عید'' سے ہزاروں خوشیاں وابستہ ہوتی ہیں، عید کی آمد سے پہلے ہی عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں اور چاند رات کو تو یہ تیاریاں عروج پر ہوتی ہیں، صبح عید کا تصور ہی جان افزا ہوتا ہے۔

عید مبارک کی صداؤں میں عید کا دن طلوع ہوتا ہے، آرائش، زیبائش، رنگ، خوشبو، خوشیاں اور میل ملاقات یہ ہی حسن ہے عید کے تہوار کا۔

عید کی ان سچی خوشیوں کو ہماری پیاری اور قابل فخر مصنفین نے ہمیشہ کی طرح ''عید سروے'' میں شرکت کر کے قارئین کی عید کی خوشیوں کو دوبالا کر دیا ہے، ہم نے عید سروے کے سوالات کچھ یوں ترتیب دیئے تھے۔

۱۔ عید کی خوشیاں منانے کا اہتمام آپ کس طرح سے کرتی ہیں؟ روایتی انداز میں یا کچھ ہٹ کر؟

۲۔ تحفہ دینے یا لینے کے متعلق کوئی خوشگوار واقعہ، جسے یاد کر کے آپ آج بھی مسکراتی ہوں؟

۳۔ عید کے حوالے سے کوئی خاص ڈش جو آپ بناتی ہیں اور کھانے والوں سے داد وصول کرتی ہیں، ترکیب بھی بتائیں؟

۴۔ کوئی ایسا شعر، نظم یا غزل جو اپنے کسی خاص پس منظر کی وجہ سے یاد رہتا ہو؟

۵۔ بطور عیدی کوئی ایک جملہ ''حنا'' کے لئے؟

آیئے دیکھئے ہیں ہماری مصنفین نے اپنی چاہتوں کے پھول لفظوں کی صورت بکھیر کر اپنے قارئین کو کتنی انمول عیدی سے نوازا ہے۔

سعدیہ عابد

مصنفین بہنوں اور تمام قارئین حنا کو سعدیہ عابد کا پر خلوص سلام!

۱۔ رمضان کی آمد کے ساتھ ہی معمولات زندگی یکسر بدل جاتے ہیں، یوں تو صبح شام کے وہی سلسلے ہوتے ہیں لیکن رمضان ایسا مہینہ ہے کہ اللہ کا نور خصوصی طور پر ہر ایک چیز پر چھا جاتا ہے اور اس نور میں تمام مسلمان پوری طرح بھیگ جاتے ہیں اور یہ روایتی طور طریقے بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں اس لئے عید کا اہتمام روایتی انداز میں ہی ہوتا ہے، سحری و افطاری میں سجے دستر خوان، ٹرے میں سجا کر پڑوس میں بھیجی جانے والی افطاری، فرض عبادات کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات کا اہتمام، کپڑوں کے لئے لگتے بازاروں کے چکر، چاند رات کو چوڑیاں اور مہندی کے لئے پارلر کا رخ کرنا، عید کے دن

کسی عزیز کے گھر جانا یا کسی عزیز کا عید ملنے آ جانا یہ تمام روایات سے جڑے سلسلے ہیں گو پرانے ہوگئے ہیں، دم خم پہلے سا بھی نہیں رہا مگر روایتیں اب بھی باقی ہیں اور جو تا دم حیات باقی رہیں گی جیسے پاکستانیوں کی روایت ارے نہیں سمجھے آپ لوگ، میں بات کر رہی ہوں عید کے دن سونے کی اور میں اپنے پاکستانیوں کی اس روایت پر ہمیشہ قائم رہتی ہوں، ہاہاہا۔

۲۔ وقت کی دھول میں جہاں کچھ روایتیں گرد آلود ہوگئی ہیں ان میں سے ایک تحائف کے تبادلے کی روایت سرفہرست ہے، رہ گئی یاد تو اسکول کی ایک دوست زینت جو ہر زمانے میں میری واحد سہیلی ہوا کرتی تھی (لیکن فیس بک نے جہاں اپنے اچھے برے کمالات دکھائے ہیں ان میں ایک یہ بھی کمال ہے کہ چند نئے دوست خاص ایک سہیلی لبنیٰ میرے حلقہ احباب میں شامل ہو گئی ہے)، ہاں تو بات ہو رہی تھی زینت کی کہ ہر عید اور سالگرہ کے موقع پر ہم دونوں دوستیں تحائف کا تبادلہ ضرور کیا کرتی تھیں اور ایک عید پر کچھ یوں ہوا کہ میں عید کارڈ دینے پہنچی زینت کے گھر اور وہ محترمہ میرے لئے عید کارڈ لئے میرے گھر پہنچی ہوئی تھیں یہ واقعہ آج بھی لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے اور یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

۳۔ گزشتہ سال بڑی بہن کی شادی کے بعد سے گھر کی ذمہ داری میرے ناتواں کاندھوں پر آن پڑی ہے اس لئے گزشتہ سال سے کھانا میں ہی بنا رہی ہوں اس لئے گزشتہ عید پر تمام اہتمام میں نے ہی کیے تھے، ہمارے ہاں عید کے دن ناشتہ پر خصوصی اہتمام کرتے ہوئے شیر خورمہ اور قورمہ بنایا جاتا ہے چونکہ بہن پیا دیس سدھار گئی تھی لہٰذا عید کی صبح مابدولت نے کچن میں قدم رنجہ فرما کر شیر خورمہ اور قورمہ بنایا تھا پراٹھے امی نے بنائے تھے (ہمیشہ کی طرح) شیر خورمہ اور قورمہ اتنی مقبول ڈشز ہیں کہ ریسپی کی ضرورت نہیں ہے مگر آپس کی بات ہے کہ 2014ء کی عید کی صبح بننے والا قورمہ بے حد لذیذ تھا ویسا قورمہ پورے سال نہیں بنا اور گھر والے 2015ء کی صبح عید کے منتظر ہیں کہ شاید پھر کچھ چمتکار ہو جائے اور انہیں مزیدار قورمہ کھانے کو ملے، ہاہاہا، ویسے میں کھانا اتنا برا نہیں بناتی، نہیں یقین تو آ جایئے کسی دن دعوت پر، خوشی خوشی خوش آمدید کہا جائے گا۔

۴۔
اور بڑھ جاتی ہے بھولی ہوئی یادوں کی کسک
عید کا دن تو فقط زخم ہرے کرتا ہے
گزرے سالوں میں ایک عید ایسی بھی تھی جو بہت خوشگوار بہت مکمل گزری تھی بالکل ایسے ہی جیسے خوشی کی صبح اپنے اندر بہت سی مسرتیں لے کر طلوع ہوتی ہے اور خوشیاں بکھیر کر رات کی حسین قبا اوڑھ لیتی ہے لیکن ان ہی مسرت کے لمحات میں ایک لمحہ ایسا بھی تھا جس نے آگاہی کا وہ در کھولا تھا کہ ذات اس آگاہی میں ہی کہیں بہہ گئی تھی، میں جانتی ہوں کہ اس حقیقت کو مجھ پر منکشف ہونا ہی تھا اور دکھ کو بھی مقدر بننا تھا لیکن ملال جو ذہن و دل میں کروٹیں سی بدلتا ہے تو صرف اس لئے کہ یہ درِ آگہی عید کے دن مجھ پر نہ کھلتا کہ اس ایک حقیقت میں لپٹے دکھ کی کسک ہر عید کی مسرت کو پھیکا کرنے کا سبب بن جاتی ہے اور آنے والے ہر عید پر سب کچھ بہت نارمل، بہت پرفیکٹ ہوتا ہے مگر احساس میں لگتیں ضربیں اپنی پوری جزئیات کے ساتھ ہر لحظہ یاد آتیں

یادیں بے چین رکھتی ہیں۔
عید آئی ہے سلگتی ہوئی یادیں لے کر
آج پھر اپنی اداسی پہ ترس آیا ہے

۵۔ لڑکیاں اور حنا کا ساتھ ازل سے چلا آ رہا ہے ہتھیلیوں پر سجی حنا ہر آنکھ کو بھاتی ہے تو ہاتھوں کی زینت بنا حنا ہر صاحب دل د نظر کی محبوب پسند ہے، میری دعا ہے کہ حنا یونہی ترقی کے سفر پر گامزن رہے آمین۔
مدیران حنا، مصنفین اور قارئین بہنوں کو عید کی دلی مبارکباد قبول ہو، یہ عید آپ سب کے لئے خوشیوں کا پیغام لے کر آئے اور آپ سب کی یہ عید مکمل مسرتوں کے ساتھ اپنوں کے ساتھ کے سائے تلے گزرے آمین۔
ہو سکے تو رمضان کی مبارک ساعتوں اور عید کی مسرتوں میں گر دعا کو ہاتھ اٹھیں تو اپنی سعدیہ عابد کو بھی خصوصی طور پر دعاؤں میں یاد رکھیں کہ ہوسکتا ہے کہ میری کسی پریشانی کو ٹالنے کے لئے اللہ نے آپ کی دعا کو وسیلہ بنانا ہو، میری کوئی خوشی آپ کی دعا کی منتظر ہو، اس لئے خود سے وابستہ لوگوں کے لئے ہرگز بھی دعا کرنا نہ بھولئے، آپ سب کو دلی عید مبارک۔

نازش امین

۱۔ زیادہ تر روایتی، کیونکہ عید خود ایک خوبصورت روایت ہے، گھر کی صفائی کا اہتمام، کچھ ڈیکوریشن کی تبدیلی، رمضان المبارک اور عید میں پہننے والے جوڑے، ساتھ میں چوڑیاں اور زیور اور جوتے یہ سارے اہتمام رمضان المبارک کے شروع ہونے سے پہلے ہی کر لیتی ہوں، رمضان میں بازار جانا بالکل پسند نہیں، گھر میں رہنا اور آخری عشرے میں مسجد جانا زیادہ پسند ہے۔
عید کے روز ڈائننگ ٹیبل پر پھول سجانے کا اہتمام ضرور کرتی ہوں چاہے وہ لان سے توڑے گئے پھول ہوں یا بازار سے منگوائے گئے، کھانے عموماً روایتی ہوتے ہیں کیونکہ مہمان زیادہ تر وہی پسند کرتے ہیں۔

۲۔ تحفہ ملنے کے بہت سے واقعے نہیں ہیں میری زندگی میں، مگر تحفہ سب سے خوبصورت اور یادگار وہ ہوتا ہے جو تب ملے جب اس کی امید بھی نہ ہو۔
پچھلے سال الحمدللہ تقریباً سارا مہینہ رمضان المبارک کا حرمین شریفین میں گزارنے کا موقع ملا، آخری عشرہ مبارک مسجد بیت الحرام میں گزارا جہاں کچھ عرب فیملیز سے دوستی ہو گئی کیونکہ روز ہی ملاقات ہوتی تھی، افطار اور کھانے پینے کی اشیاء مل جل کر کھاتے تھے ایک فیملی کی طرح سے رشتہ جڑ گیا تھا، آخری روزہ کی افطار کے بعد جب چاند نظر آنے کا اعلان ہوا، کلاک ٹاور کی گھڑیال پر عید مبارک کے الفاظ اور چاند جگمگانے لگا اور ٹاور کے مینار سے لیزر لائٹ نکل کر حرم تک آنے لگیں اور دور کہیں پہاڑوں میں توپ کے گولوں کی سلامی دی جانے لگی تو اس عرب فیملی کی سربراہ خاتون نے جنہیں میری بیٹی مجا آنٹی پکارتی تھی، انہوں نے مجھے اور میری بیٹی کو گلے مل کر عید کی مبارک باد دی اور ہم دونوں کے ہاتھوں میں خوبصورت بریسلٹ پہنائے اور ھدیٰ (بیٹی) کو نیکلیس اور ائیرنگ بھی تحفہ میں دیے، وہ بہت ہی یادگار تحفے تھے ہمارے لئے۔

۳۔ ویسے تو ہر عید پر مینو تبدیل ہی ہوتا ہے، مگر میٹھے میں لب شیریں ضرور بناتی ہوں کیونکہ یہ گھر والوں کو بھی اور مہمانوں کی بھی پسندیدہ ڈش ہے، آپ کی فرمائش پر ترکیب حاضر

ہے۔

لب شیریں

اجزاء:۔

کارن فلور	پانچ کھانے کے چمچ
دودھ	ایک لیٹر
کنڈینس ملک	آدھا ٹن
چھوٹی رنگین سویاں	مٹھی بھر
بادام پستہ کٹا ہوا	تین سے چار چمچ
کشمش اندازاً	دو چمچ

کرسٹل جیلی سبز یا سرخ ایک پیکٹ
مختلف پھل چکور کاٹ لیں ایک پیالہ

ترکیب:۔

دودھ ابال لیں، کشمش پانی میں بھگو کر رکھ دیں، چھوٹی رنگین سویاں ابال کر الگ رکھ دیں، کرسٹل جیلی کو کم پانی میں پکا کر پلیٹوں میں جما دیں اور بعد میں اس کے چوکور ٹکڑے کر لیں، ذرا سے ٹھنڈے دودھ میں کارن فلور گھول لیں، پھر ابلتے ہوئے دودھ میں ملا کر پکائیں، جلدی جلدی چمچ چلائیں تاکہ گٹھلی نہ بنے، جب کسٹرڈ سے کچھ کم گاڑھا ہو جائے تو اتار کر ٹھنڈا کر لیں اور اس میں آدھا ٹن کنڈینس ملک ملا دیں، فریج سے نکال کر جب پیش کرنے کا وقت آئے تو اس میں کشمش رنگین سویاں، کرسٹل جیلی، بادام پستہ اور پھل سب ملا کر اچھی طرح مکس کریں اور ٹھنڈا پیش کریں۔

۴۔ حالانکہ عید کے حوالے سے تو نہیں پر یہ شعر اس ماہ مبارک میں خوب یاد رہتا ہے۔

یہی وہ دن تھے جب اک دوسرے کو پایا تھا
ہماری سال گرہ ٹھیک اب کے ماہ میں ہے

۵۔ جیسے حنا کے بنا عید ادھوری ہے ویسے ہی حنا تمہارے بنا خوشی کا احساس ادھورا ہے، حنا اور اس سے وابستہ ہر فرد عید کی سچی خوشیوں سے سرفراز ہو، آمین۔

شگفتہ شاہ

۱۔ بچپن میں بہت اہتمام کرتی تھیں امی بابا کی وفات کے بعد سادگی سے اور امی کی وفات کے بعد محض رسم ادا کرتی ہوں۔

۲۔ ایک مرتبہ عید سے دو دن پہلے ایک فرینڈ کو اس کی پسند کی مطابق پرفیوم کا تحفہ دینے کے لئے ہاسٹل کی پریپ ڈیوٹی ختم ہوتے ہی روزہ وہیں افطار کر کے بھاگم بھاگ ایک پرفیوم کی بڑی دکان پر اپنی فرینڈ کے ساتھ پہنچی اور ٹیسٹر سے پرفیوم چیک کر کے دکاندار سے کہا کہ ''یہ ایک پیک کر دیں''۔

میرا مطلب تھا کہ وہ پرفیوم جس کے ٹیسٹر سے چیک کیا تھا، مگر یا تو اس نے جان بوجھ کر یا انجانے میں وہی ٹیسٹر والی آدھی شیشی پیک کر دی، میرا بھی دھیان نہیں تھا، میں پے منٹ کر کے فرینڈ کے ساتھ خوشی خوشی چلی آئی اور گفٹ بھجوا دیا، جب پتا چلا کہ گفٹ میں نئی پرفیوم کی شیشی کے بجائے ٹیسٹر پیک کیا گیا تھا تو شرمندگی بھی ہوئی اور ہنسی بھی آئی، بعد میں فرینڈ نے خود جا کر دکاندار سے جھگڑا بھی کیا اور ٹیسٹر واپس کر کے نئی شیشی لی، آج بھی وہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہنسی آجاتی ہے۔

۳۔ جب تک امی زندہ تھیں وہ شیر خورمہ بناتیں تھیں، ان کی وفات کے بعد میں بناتی ہوں، سب شوق سے کھاتے ہیں۔

ترکیب یہ ہے کہ بڑے سے دیگچے میں دودھ رکھ کر ابالیں، اس دوران میں چھوہارے بھی ابال کر کاٹ کر رکھیں اور بادام، پستے اور میٹھی الائچی بھی تیار رکھیں، تین گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ دیر دودھ کو پکائیں، درمیان میں الائچی کٹے ہوئے پستے اور بادام ڈال کر مسلسل وقفے وقفے سے کفگیر سے دودھ کو

ہلاتے رہیں، پھر چینی بھی دودھ کے حساب سے ڈالیں، جب دودھ بہت گاڑھا ہو جائے اور اس کا رنگ ہلکا پیلا ہو جائے تو آخر میں ابلے اور کٹے ہوئے چھوہارے ڈال کر کچھ دیر تک کفگیر سے مکس کریں پھر چولہا بند کریں، جب دودھ کے اوپر سے دھواں چھٹ جائے تو دیگچے کو اٹھا کر کسی مناسب جگہ پر جالی سے ڈھک کر رکھ دیں، صبح دودھ اور بھی گاڑھا نظر آئے گا، اب سب کو بانٹیں اور سارا دن آنے والے مہمانوں کے لئے فریج میں رکھیں۔

۴۔ یہ میری لکھیں ہوئی سطریں ہیں جو ان سید زادیوں کی اذیت ناک زندگیوں کے پس منظر میں ہے جنہیں ذات پات اور رسم و رواج کے نام پر ان کے تمام جذبوں اور حقوق کو پامال کیا گیا ہے۔

دل ان کے جیسے قبرستان
دفن جس کی قبروں میں
آسیں امنگیں اور ارمان

۵۔ اپنے وطن، عقیدے اور رائے سے ضرور پیار کریں مگر دوسروں کے وطن، عقیدے اور رائے کا احترام بھی لازم ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ

۱۔ میرے خیال میں کوئی بھی خوشی روایتی یا غیر روایتی نہیں ہوتی، خوشی تو بس خوشی ہوتی ہے، اس طرح عید تو بس عید ہوتی ہے اور ہر بار خوشی دیتی ہے اور اس کا اہتمام بھی ہر بار کی طرح پرجوش ہوتا ہے عید ہم سب کی تقریباً ایک سی ہوتی ہے کھانا پینا ملنا ملانا، آنا جانا اور کچھ کا سونا بھی بڑے لوگ سوتے ہیں اور ہم چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو جمع کرنے والے رات بھر جاگتے ہیں، عید سے پہلے اس کی تیاری اس کا انتظار مزے کا ہوتا ہے، لڑکیاں، چوڑیاں، مہندی، کپڑے اور تیاریاں۔

۲۔ خوشی، ہلچل، بھاگ دوڑ ہمیشہ جیسی مگر ہر بار ایک الگ طرح کی مسکراہٹ اور احساس لئے ذہن میں ایسی کئی اچھی یادیں محفوظ ہوتی ہیں جن کو کھنگالا جائے تو ہر مرتبہ مسکراہٹ تو لبوں پر آتی ہے مگر واقعات کا تسلسل اور ہم آہنگی نہیں آتی ہے بس محسوس کرتے یاد کرتے، بیٹھتے، اٹھتے، چلتے پھرتے، سنتے سناتے جاؤ، کوئی ایک خاص واقعہ یاد نہیں عید کے حوالے سے، سب کچھ مکس اپ ہے مگر خوش کن بھی ہے، تحفہ لینا اور دینا کسے اچھا نہیں لگتا، بچپن کے تحفے اور عید کارڈ کی ایک الگ خاصیت ہوتی ہے، ٹیکسٹ میں لاکھ آسانی سہی مگر کاغذ کی خوشبو تو ایک ہوتی ہے اور احساس بھی۔

۳۔ عید کے دن کے لئے فی الحال تو کچھ نہیں بنائی، البتہ شیر خورمہ پک جانے کا انتظار ضرور ہوتا ہے مگر پھر پکنے کے بعد صبح ہونے کا انتظار کون کرے، رات کو کھانا اور پھر صبح سویرے اٹھتے ہی کھانا پسند ہے، کچھ لوگوں کو میری طرح کھانا آسان لگتا ہے نہ کہ پکانا، ہاں دوستوں کے لئے کچھ بنا لیا تو وہ الگ بات ہے۔

۴۔ ایک شعر جو کئی بار زبان پر آ جاتا ہے۔

حساب عمر کا اتنا سا گوشوارہ ہے
نہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارہ ہے

امجد اسلام امجد کی نظمیں اور بہت سے اشعار سب لکھوں تو دیوان نہ بن جائے کہیں۔

۵۔ حنا کے لئے بہت سی محبت، کیونکہ حنا سے مجھے بہت محبت ملی ہے اپنا پن ملا ہے۔
پیاری فوزیہ جی کا پیار ملا ہے جس نے حنا سے باندھ دیا ہے اور وہ تمام دوست جنہوں نے ''اک جہاں اور ہے'' کو اتنی توجہ اور

پذیرائی بخشی ان سب کا شکریہ آپ سب کی
توجہ اور محبتوں کی میں دل سے مشکور ہوں۔

تحسین اختر

عید سعید کے پرمسرت موقع پر حنا کے سب
لکھنے والوں چاہنے والوں پڑھنے والوں اور
محبت کرنے والوں کو بہت بہت عید مبارک،
ڈھیروں خوشیاں مبارک اور ساتھ ہی بے بہا
دعائیں اور لامحدود چاہتیں مبارک ہوں،
سب سے پہلے تو آپی فوزیہ کے لئے بس اتنا
کہوں گی۔

سنوار نوک پلک ابروؤں میں خم کر دے
گرے پڑے ہوئے لفظوں کو محترم کر دے

۱۔ فوزیہ آپی حیران مت ہوں یہ اس لئے کہہ
رہی ہوں کہ ہر عید پر ہماری ایک جیسی
داستان میں اب کچھ سنانے والا اور سننے والا
کوئی نیا نہیں رہ گیا مگر آپ کا محبت بھرا
اصرار ہو تو قلم بے اختیار پرانے لفظوں کو نیا
لباس پہنانے لگتا ہے، یہ اور بات کہ ان کو
محترم کون کرے گا۔

اس کے ساتھ ہی آتے ہیں پہلے سوال کی
طرف عید کی خوشیاں منانے کا اہتمام روایتی
انداز میں ہی اچھا لگتا ہے، اب تو ساری دنیا
''کچھ ہٹ کے'' والا مقولہ (مقولہ ہی بن گیا
ہے) اپنائے بیٹھی ہے مگر ہمارے روایتی اور
اسلامی تہوار روایتی انداز میں ہی اچھے لگتے
ہیں اور یہی ان کی خوبصورتی ہے، اگر میں
کہوں کہ خوبصورت لباس، چھنکتی چوڑیاں،
میٹھی سویاں، سچی مسکراہٹ، مہکتی حنا اور اپنا
پن یہ سب لوازمات ہیں چھوٹی عید کے تو
بے جا نہ ہوگا اور اب آپ لوگ انہیں
چیزوں کو لے کر ایک روایتی عید کا رنگ چکھ
سکتے ہیں۔

۲۔ تحفہ لینے اور دینے والی بات پر آجائیں تو سچ
کہوں جب سے شادی ہوئی ہے جب سے
گھر آنگن میں تین پھول کھلے ہیں ان کے
سوا اور ان کے بے جا اخراجات کے ساتھ
کچھ یاد نہیں آتا، شادی سے پہلے بھی کیا
زندگی ہوتی ہے، اچھی جاب تھی ہر ماہ خاصی
بڑی رقم ہاتھ میں آجاتی تھی بس پھر جب
تک آخری آنہ بھی جیب میں رہتا تھا کوئی نہ
کوئی نئی چیز کے لئے دل مچلتا رہتا تھا، نت
نئے کپڑوں کا شوق تھا اور یہ شوق جی بھر کر
پورا ہوتا تھا، جاب اب بھی وہی ہے، ہر ماہ
ملنے والی تنخواہ بھی پہلے سے دوگنی ہے مگر اب
اپنے شوق پس پشت چلے گئے ہیں، اپنی کوئی
چیز خریدنے بازار جاتی ہوں اور بچوں کی
چیزیں لے آتی ہوں، بس اس کہانی سے
جان لیں کہ تحفہ دینا تو اچھا لگتا ہے مگر لینے کا
صحیح مزہ بھولتا جارہا ہے، ایک میاں صاحب
ہیں مانگنے پہ پیسے تو دے دیں گے مگر ہماری
ہی کہانیوں کی ہیروئنوں کی طرح نہ تو کبھی
خود سے کچھ لاکر سرپرائز دیا اور نہ ہی کبھی ایسا
سوچا ہوگا، ہاں ساتھ چلے جاؤ اور جس چیز پر
ہاتھ رکھ دو تو ضرور دلا دیں گے، (ایسے ہیرو
تو بس کہانیوں میں ہی ملتے ہیں) حالانکہ
سب سے زیادہ محبت پر شاید میں نے ہی لکھا
ہے۔

۳۔ عید کے حوالے سے بہت سی خاص ڈشز بنتی
ہیں اور کھانے والے اگر گھر کے افراد ہوں تو
داد بس اسی صورت میں ملتی ہے، اگر یہ خاص
ڈش گوشت کی بنی ہوئی ہو، گوشت کی کوئی
بھی قسم ہو بس گوشت ہو پھر تو کیا کہنے پھر
عام کسی ڈش بھی خاص بن جاتی ہے، ورنہ
جتنی بھی محنت کرلو بس ٹھیک ہے، کا جواب
ملتا ہے، ویسے چکن ہانڈی اور پلاؤ ضرور داد
پاتے ہیں، ترکیب تو رہنے ہی دیں، اتنے
مزے مزے کی باتوں میں کیا لہسن ادرک کا

تڑ کا لگانا۔

۴۔ شعر بہت سے ہیں جو اپنے خاص پس منظر کی وجہ سے یاد رہتے ہیں مگر بس ایک نظم لکھوں گی۔

سنو کچھ دیر تو ٹھہرو
میری سانسوں کو اپنی سب دعاؤں کی
دھنک خوشبو
ذرا محسوس کرنے دو
میری آنکھوں کو اپنا روپ
پڑھنے دو
میرے ہونٹوں کو اپنا نام جینے دو
میرے ہاتھوں کو، اپنے ہاتھ میں لے کر
سہارا دو
میری آنکھوں کو جینے کا اشارہ دو
میری سانسوں کی کشتی کو کنارا دو
میری خواہش ہے یہ جب بھی
میں اس دنیا سے جاؤں تو
تمہارے ساتھ رہنے کا حسیں احساس
میرے ساتھ ہی جائے
سنو! کچھ دیر باقی ہے!
فقط کچھ دیر کو ٹھہرو

(خاص پس منظر یہ ہے کہ جس کو کہا وہ ٹھہر گیا تھا)۔

۵۔ بطور عیدی حنا کے لئے کہ آنے والا ہر دن ہر لمحہ تیری راہ میں یوں دیئے روشن کرے کہ تو بام عروج تلک جا پہنچے اور فوزیہ آپی کے ساتھ مل کر محبت سکھائے، محبت پھیلائے، محبت کاشت کرے اور پھر پورا پاکستان بس محبت کی فصل ہی کاٹے، آمین۔

سیدہ فرزانہ جیب فرزین

سب سے پہلے حنا کی پوری ٹیم کو میری طرف سے پیشگی عید مبارک۔

عید جو نام ہے خوشی کا عید رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کی رحمتوں اور عبادتوں کے صلے میں مسلمانوں کے لئے خاص تحفہ ہے لہٰذا عید کو تمام مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق بہت جوش و خروش سے مناتے ہیں اور گلے شکوے بھلا کر ایک دوسرے کو گلے لگاتے ہیں، اب آتے ہیں دلچسپ سوالات کے جوابات کی طرف۔

۱۔ عید ایک روایتی تہوار ہے لہٰذا عام لوگوں کی طرح میں بھی عید کے دن صبح پہلے امی کے ساتھ مل کر سویاں اور دوسرے لوازمات تیار کرتی ہوں پھر عید کے کپڑے زیب تن کر کے نماز عید شکرانہ ادا کرتی ہوں کچھ وقت ٹی وی کے رنگا رنگ پروگرام دیکھ کر کچھ دوستوں کو فون کالز اور ایس ایم ایس کے ذریعے مبارکباد دے کر اور ملنا، ملانا تو سارا دن لگا رہتا ہے۔

۲۔ تحفہ دینا یا لینا دونوں پسند ہے اس حوالے سے میری برتھ ڈے (سالگرہ) کا یادگار واقعہ ہے یونیورسٹی میں میری دوستوں نے میرے لئے سرپرائز برتھ ڈے پارٹی رکھی تھی جس میں سب نے خوبصورت تحفے بھی دیے جو میرے لئے یادگار رہے کیونکہ مجھے ایسا لگا تھا کہ کسی کو میری سالگرہ یاد نہیں اور پھر اچانک، خوشگوار سرپرائز۔

۳۔ عید پر عموماً شیر خورمہ ہی بنتا ہے اس کے علاوہ اسٹرابیری ٹرائفل جو یقیناً آپ لوگوں کو پسند آئے گی، اس کی ترکیب نوٹ کر لیں اور بنا کر کھائیں ہمیں داد دیں، واہ واہ۔

اجزاء:

جام رول ایک عدد قتلے کاٹ لیں	
اسٹرابیری جیلی	ایک پیکٹ
تازہ یا فریز اسٹرابیری	250 گرام
چینی	چار چائے کے چمچ
گرم پانی	ایک کپ

ونیلا کسٹرڈ پاؤڈر　　دو کھانے کے چمچ
دودھ　　دو کپ

تراکیب:۔
جام رول کے قتلے ایک شیشے کی پیالی میں پھیلا کر ان پر پھلوں کا جوس شامل کر دیں، جیلی کرسٹل کو ایک کپ گرم پانی سے تیار کر کے اس میں اسٹرا بیری کے چار چار ٹکڑے کر کر کے ملا دیں، پھر قدرے سیٹ ہونے کے لئے رکھ دیں، کسٹرڈ تیار کر کے گاڑھا ہونے پر ڈھانپ کر رکھ دیں، جب ٹھنڈا ہو جائے تو جیلی پر ڈال دیں اور فریج میں رکھ دیں۔
تازہ کریم پھینٹ کر کسٹرڈ پر ڈالیں اور ایک اسٹرا بیری کو چار حصوں میں کاٹ کر پھول بنا کر درمیان میں سجا کر ساتھ پودینے کے دو پتے سجا دیں، (خود بھی کھائیں اور مہمانوں کو تناول کر کے داد وصول کریں)۔

۴۔ یہ شعر مجھے بہت پسند اور میری یادداشت میں محفوظ ہے کیونکہ یہ فیئر ول پارٹی میں میری دوستوں نے مجھے سے منسوب کیا تھا، (میری دوستانہ فطرت کی وجہ سے ہاہاہا)۔

بڑی باتوں کو خاطر میں نہ لانا اس کی عادت ہے
ذرا سی بات پر طوفاں اٹھانا اس کی عادت ہے
محبت میں ہے وہ کس قدر سنجیدہ دیکھتے رہنا
محبت ہر کسی سے یوں جتانا اس کی عادت ہے

۵۔ بطور عیدی حنا کے لئے ایک خوبصورت شعر۔

باتیں تیری الہام جادو تیری کہانی
رگ رگ میں اترتی ہوئی خوشبو تیری سہانی
تم نے روتی ہوئی آنکھوں کو ہنسایا ہے اکثر
اس سے بڑھ کر بھی کوئی عبادت ہو گی

مدیرہ حنا کا شکریہ ادا کروں گی جنہوں نے عید سروے کے ذریعے ردا کے قارئین اور پوری ٹیم کے ساتھ عید کی خوشیوں میں شامل ہونے کا موقع دیا)۔

حیاء بخاری

سب سے پہلے تو سب حنا ادارہ، معزز مدیران اور عزیز قارئین بہنوں کو سلام کے ساتھ ساتھ رمضان کی برکتیں اور عیدالفطر کی خوشیاں ایڈوانس مبارک، اب آتی ہوں جوابات کی طرف۔

1۔ عید کی خوشیاں روایتی انداز ہو یا کچھ جدت کے ساتھ ہمیشہ اللہ کی طرف سے کسی انعام اکرام کی طرح ہی اترتی ہیں اور دلوں میں عجیب سی راحت بخشتی ہیں، محبتیں آپ کو اپنے حصار میں لیتی ہیں، میں بھی عید روایتی انداز میں مناتی ہوں اور عید کے دن کا آغاز کسی میٹھی ڈش یا دوستوں سے محبت بھرے پیغامات وصول کر کے۔

2۔ تحفہ دینا اور لینا سنت نبویؐ ہے اور اسے محبت بڑھانے کا بہترین ذریعہ کہا گیا ہے، تحفے دیئے بھی بہت اور الحمدللہ لئے بھی بہت، مگر ایک دفعہ میرے شوہر نے مجھے دل کی شکل کے ڈائمنڈ والی رنگ دی تھی، وہ دن آج تک مجھے حیران اور خوش کر دیتا ہے۔

3۔ چکن کڑاہی بناتی ہوں، سب کہتے ہیں کہ میں کچھ الگ ہی بناتی ہوں، ترکیب بس سادہ سے الفاظ میں لکھوں گی، کہ آئل کو خوب گرم کرنے کے بعد چکن کو اس میں خوب اچھی طرح براؤن کر لیں، جب چکن کا پانی سوکھ جائے تو اس میں باریک کٹی پیاز ڈال کر بھونیں، جب پیاز بھی رنگ پکڑنے لگے تو اس میں ٹماٹر، سبز مرچیں اور تمام مصالحہ جات جیسے ادرک، دھنیا، پسا ہوا گرم مصالحہ، دہی، لہسن وغیرہ ڈال کر ہلکی آنچ پر دم پہ رکھ دیں اور دس منٹ بعد ہرا دھنیا چھڑک کر ڈھک کر رکھ دس اور رائتے کے

ساتھ گرم گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

میری تاریک راتوں میں وہ تیری یاد کے جگنو
ہمیشہ جگمگاتے ہیں مجھے تنہا نہیں کرتے

میری بہت پیاری دوست سندس علی جواب خود ایک پیاری یاد بن چکی ہیں۔

5۔ یہی دعا ہے کہ حنا ادب کے آسمان پہ سورج کی مانند جگمگاتا اور یونہی روشنیاں بکھیرتا رہے، آمین ثم آمین۔

ام ایمان قاضی

خاص خاص مواقع پر مصنفین سے کیے گئے جواب مسکرا کر اور خوب مزہ لیتے ہوئے پڑھتے ہوئے کبھی یہ خیال چھو کر بھی نہ گزرا تھا کہ کبھی ایسی ہی خوبصورت روایت کا حصہ میں بھی بنوں گی، سب سے پہلے تو اس عزت افزائی کے لئے بے حد شکریہ قبول فرمائیں، اب آتی ہوں آپ کی عید کے لئے سجائی جانے والی محفل کے سوالات کی طرف۔

1۔ شادی سے پہلے کی چند عیدیں اس حوالے سے یادگار اور خوبصورت رہیں کہ نکاح جیسے خوبصورت بندھن میں بندھے ہونے کے لحاظ سے عیدی کا انتظار پھر عیدی آنے کے بعد اسی حوالے سے تیاری تو سارا رمضان ایک سرخوشی کی سی کیفیت میں گزرتا تھا، اب وقت گزرنے کے ساتھ سنجیدگی، میچورٹی شخصیت کا حصہ بنیں تو زیادہ تر تیاریاں بچوں کے حوالے سے ہوتی ہیں کہ بچوں کے کپڑے کیسے بنائے جائیں، میاں صاحب یہاں نہیں ہوتے تو اپنی تیاری کا خاص اہتمام نہیں کرتی، ہاں اگر ان کا عید پر آنا کنفرم ہو تو بچوں کے ساتھ اپنی تیاری کی بھی فکر، ساتھ میں یہ خیال اور اہتمام تو رہتا ہی ہے کہ اگلے سال یہ بابرکت ساعتیں ملیں نہ ملیں رحمتوں کے قرینوں سے جتنا بھی دامن بھر لیا جائے کم ہے، سو روایتی ہی ہے سب کچھ اس حوالے سے۔

2۔ میرے خاوند یہاں نہیں ہوتے، جاب کے سلسلے میں پوسٹنگ مختلف شہروں میں ہوتی رہتی ہے تو صرف خاص مواقع پر ہی نہیں، اکثر اوقات ہی میرے لئے اور بچوں کے لئے کی گئی ان کی خریداری ہمیں ہر بار نئی خوشی دیتی ہے، مجھے کپڑوں کا بہت شوق ہے تو اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ہر بار کوئی نہ کوئی سوٹ ضرور گفٹ کرتے ہیں۔

3۔ ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے، زیادہ تر اہتمام میری ساس اور نندیں ہی کرتی ہیں، میں عید والے دن دہی بھلے ضرور بناتی ہوں، اس کی ترکیب تو ہر کسی کو ہی آتی ہے۔

4۔

میرے ہاتھوں کو قدرت نے ہنر کچھ ایسا بخشا ہے
کبھی کھو کر بناتا ہوں کبھی پا کر بناتا ہوں
میں جب بھی ٹوٹ جاتا ہوں کسی کو کچھ نہیں کہتا
میں چکنا چور ہو کر بھی نئے منظر بناتا ہوں

کوئی پس منظر نہ ہوتے ہوئے بھی یہ شعر بہت پسند ہے۔

5۔ حنا خواتین کا ایسا رسالہ جسے ہر ماں اپنی بیٹی کو اس کی اخلاقی تربیت کے لئے پڑھنے کو بلا جھجک دے سکتی ہے۔

سیمیں کرن

1۔ عید کی اصلی سچی خوشیاں تو بچپن کی عیدیں تھیں، جب عید کا جوڑا اور جوتی دیکھ کر ساری ساری رات نیند نہیں آتی تھی، اب بتاؤں تو کوئی یقین نہ کرے، (اب سادہ جو

رہتی ہوں) کہ بچپن میں میک اپ کا کتنا شوق ہوتا تھا، دس کی دس انگلیوں میں (انگوٹھے سمیت) رنگز پہن، لاکٹ، مالا، سر پہ پنیں، پھول لگائے، میک اپ کر کے ہاتھ بھر چوڑیاں اور باہر الم غلم کھا کر گھر آ کر پھر میک اپ درست کرنا، عید کے تین دن کے جوڑے اور یہ روٹین، کیا آزادی اور ٹھاٹ تھے۔

اور اب...... اب تو پندرھویں روزے سے کاموں کا انبار دیکھ کر بخار چڑھا ہوتا ہے، پورے گھر کی صفائی دھلائی اک ہفتہ کھا جاتی ہے، ساتھ ساتھ بچوں کی شاپنگ و تیاریاں، اپنے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی، بس سوٹ سل کر آیا، دھوبی سے استری کروا کر عید کی نماز پڑھنے چلے گئے، اب تو بس ذمہ داریاں ہی رہ گئی ہیں۔

2۔ تحفے تحائف بھی بچپن کے زمانے کے ہی ہوتے تھے، اب تو لین دین اک حساب کتاب بن چکا ہے، جیسا دو ویسا لو کا مقولہ، بچپن میں کارڈز چن چن کر خریدنا دوستوں کو عیدی دینا اور جو جواب میں ان کی جانب سے اچھا تحفہ نہ ملنا تو پھر گھنٹوں دنوں افسردہ رہنا، (ہنسی تو گئی ہوگی نہ آپ کے لبوں پہ۔)

3۔ خاص تو نہیں روایتی ڈشز ہی ہوتی ہیں، شیر خورمہ، فروٹ ٹرائفل اور پاپڑی دہی بڑے، میری فیملی میرے ہاتھ کے شوق سے کھاتے ہیں، خاص طور پر ٹرائفل اور پاپڑی دہی بڑوں کی بہت سی فرمائشیں ہوتی ہیں، یہ بھی عید کی تیاریوں میں آخری دو دن بس کچن میں سارا دن۔

4۔ خاص پس منظر کی وجہ سے تو نہیں مگر میرے پسندیدہ اشعار میں سے اک آپ کی نظر۔

میری زندگی کے چراغ کا یہ مزاج نیا نہیں
ابھی روشنی ابھی تیرگی نہ جلا ہوا نہ بجھا ہوا

5۔ حنا اپنے رنگ، خوشبو اور خوشیاں اس طرح بکھیرتا رہے اور ترقی کی منزلوں کو چھو لے اور پیاری فوزیہ کی زندگی صحت اور خوشیوں کے لئے بہت دعا، اللہ حنا اور حنا کے پڑھنے والوں کو عید کی خوشیاں مبارک کرے اور پاکستان میں عید خوشی اور امن لے کر آئے، تمام اہل اسلام کو عید کی خوشیاں مبارک۔

☆☆☆

نایاب جیلانی

ساتویں قسط کا خلاصہ

شادمان کی محدود زندگی میں نشرہ حالات کی چکی میں پستی جارہی ہے، سلیمان تایا اور نوازش چچا کے رحم وکرم پہ اس کی زندگی وبال ہے۔

دوبئی سے آنے والا پھپھوزاد ولید نشرہ کے لئے اپنے دل میں نرم جذبات رکھتا ہے، صائمہ تائی کی بیٹی نشرہ سے جلتی ہے۔

ہوٹل روز گل میں اسامہ جہانگیر کا قیام ہے، اسامہ آرکیالوجسٹ ہے، ایک حادثے میں اس کی ملاقات عشیہ سے ہوتی ہے، دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لئے نرم جذبات ہیں۔

سباخانہ اور حمت کے تعلقات سرد ہیں، حمت سردار بٹو کی بھتیجی ہے، اس کی حیثیت بی جاناں کی نگاہ میں صفر سے بھی کم ہے، البتہ سباخانہ میں بی بی جاناں کی جان بند ہے۔

نیل بر سردار بٹو کی اکلوتی طرح دار بیٹی ہے، جہاندار سردار بٹو کا معتمد خاص ہے اور نیل بر کی ذمہ داری پلس حفاظت پہ مامور بھی۔

ہیام کو کرائے کے مکان کی تلاش ہے، بیہ کی مدد سے اسے ایک مکان میں کرائے پہ کمرہ مل جاتا ہے، ہیام اچھی رہائش کے لئے پرامید ہے۔

آٹھویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے

''جی...... ہاں میں...... مزید تعارف کی ضرورت نہیں، کام کی بات پہ چلے آتے ہیں، کیا خیال ہے تمہارا؟ میری امانت پہنچا رہی ہو؟'' فون سے سرد، اکھڑ اور برفیلی آواز ابھری تھی، شانزے کو دوسرا چکر آیا۔

''اگر نہ پہنچاؤں تو؟'' اس نے بمشکل سنبھل کر جتلایا تھا، وہ اپنی کمزوری اور خوف اس پہ ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔

''ہوشیاری نہیں چلے گی۔'' انداز میں واضح تنبیہ تھی، شانزے کے پسینہ آتا رہا، وہ خوفزدہ تھی اور مزید ہو رہی تھی، کیا ضرورت تھی آئی ڈی کارڈ اٹھا لانے کی، اسے لگا، پرس میں رکھا کاغذ کا وہ ٹکڑا کوئی اژدھا ہے، جو نیم اندھیرے میں پھنکارتا ہے، اس نے مکر جانا ہی مناسب سمجھا۔

''م...... میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔'' وہ ہکلائی تھی۔

''جھوٹ نہیں چلے گا۔'' وہ جیسے دہاڑا تھا، شانزے سہم گئی، ڈر گئی، اسے کیا کہنا چاہیے تھا؟ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''تو پھر فرائی چکس پہ آ رہی ہو؟'' اس نے حکم صادر کیا۔

''اور دیکھ لینا، کوئی ہوشیاری نہیں چلے گی۔'' دوٹوک واضح تنبیہ دیتا وہ کھٹاک سے فون بند کر گیا تھا، شانزے کے ہاتھ سے ریسیور گر گیا، وہ سر تھام کر صوفے پہ ڈھے گئی تھی، دماغ الگ سائیں سائیں کر رہا تھا، وہ سوچ رہی تھی کوئی بڑی مصیبت گلے پڑنے کے قریب تھی۔

☆☆☆

یہ تعجب انگیز انکشاف اگلی صبح تک ڈاکٹر ہیام کے تین منزلہ مکان میں چکرا رہا تھا۔

مورے کی طبیعت مطلوبہ دوائیں کھاتے ہی سنبھل گئی تھی، باقی رات سکون سے کٹ گئی تھی، مورے دس بجے کے قریب سو کر اٹھی تھیں، عمکیہ جھٹ پٹ ناشتہ بنا لائی تھی، ناشتے کے دوران تک بھی وہ ٹھیک ہی رہیں، عمکیہ نے رات کی روداد دہرائی تھی، مقصد صرف یہ جتلانا تھا کہ مورے کو پتا چل سکے، عشیہ کے بغیر یہ گھر چلنا کچھ آسان نہیں ہے، پھر جب وہ دوائیاں کھلا کر باہر نکلی تب تک بھی ماحول سازگار تھا۔

اس کے کچن میں جاتے ہی عروفہ نیچے مورے کے کمرے میں چلی گئی تھی اور اگلے آدھے گھنٹے کے دوران مورے پھر سے ''فارم'' میں آ گئیں۔

عمکیہ ان کی چیخ سن کر کچن سے حواس باختہ باہر نکل آئی تھی، عشیہ اس وقت گھر موجود نہیں تھی، وہ سودا سلف لینے بازار تک گئی تھی، پھر مورے کے غصے کا کیا سبب تھا؟ عمکیہ ہراساں سی اندر چلی آئی، مورے اکیلی تھیں، عروفہ موقع پا کر ''تیلی'' لگا کر غائب ہو چکی تھی، عمکیہ کا ماتھا ٹھنک گیا۔

''وہ کہاں ہے؟'' مورے عمکیہ کو دیکھتے ہی چلائیں، ان کی طبیعت تو سنبھل گئی تھی لیکن اس وقت غصے میں گال تپ رہے تھے۔

''کون؟'' عمکیہ سمجھ کر بھی ہونق سی بن گئی تھی، مورے نے اسے بھی گھور کر دیکھا۔

''تمہاری چہیتی۔'' انہوں نے غرا کر کہا۔

''عشیہ!'' وہ گہرا سانس بھر کر رہ گئی تھی، مورے مٹھیاں بھینچتی رہیں۔

''تو اور کون؟ اب کہاں نکل گئی؟ آوارہ گرد۔'' وہ چلا رہی تھیں، عمکیہ کو سمجھتے دیر نہیں لگی، عروفہ اپنا کام دکھا گئی تھی، اسے عروفہ پہ بلا کا غصہ آیا۔
''سودا لینے گئی ہے۔'' اس نے مری مری آواز میں بتایا۔
''سودا لینے یا ''یار'' کا شکریہ ادا کرنے۔'' وہ زہر خند ہوئیں، عمکیہ جیسے بھونچکی رہ گئی تھی۔
''مورے؟'' اس کی آواز پھٹ پڑی، اسے ان کے غصے کا پس منظر اچانک یاد آ گیا تھا۔
''مورے! آپ کیسی بات کر رہی ہیں؟ آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں؟ عشیہ ایسی نہیں۔'' وہ پھٹی پھٹی آواز میں بولتی چلی گئی تھی۔
''کیسی ہے وہ، کیا تم بتاؤ گی مجھے۔'' مورے دھاڑیں، ان کی بدگمانیوں کا کوئی انت نہیں تھا، وہ تو بلاسبب ہی بدگمان رہتی تھیں، اس وقت تو سبب بھی موجود تھا، عمکیہ کا سر چکرا گیا۔
''کون تھا وہ، جو دوائیاں دے گیا تھا، کیا لگتا تھا؟ رات کے اس پہر کس نے اسے اطلاع دی تھی جو وہ دوائیاں اٹھا لایا؟'' انہوں نے غرا کر کہا۔
''آپ کی طبیعت سنبھل گئی تھی، کیا یہ کم تھا، اب آپ تفتیش میں پڑ گئی ہیں۔'' وہ بیزاری سے بولی، رہ رہ کر عروفہ پہ تاؤ آ رہا تھا، وہی مورے کو بڑھکا کر گئی تھی۔
''اب ہر چور، اجنبی مورے کے بہانے میرے دروازے پہ آتا رہے گا۔'' مورے نے تیز لہجے میں کہا، وہ پھر سے سر تھام کر رہ گئی۔
''عشیہ نے روز گل کو فون کیا تھا، اسی نے کسی بندے کو بھیجا۔'' بہت دیر بعد عمکیہ کو بہانہ سوجھ گیا تھا، ورنہ مورے تو ایک بات کے پیچھے پڑ جاتی تھیں تو جان نہیں چھوڑتی تھیں، ایک ہی لکیر کو پیٹتی رہتی تھیں۔
''رہنے دو، سب سمجھتی ہوں۔'' وہ ذرا دھیمی پڑ گئی تھیں۔
''اب دیکھ لو، ابھی تک آئی نہیں۔'' ان کی نظریں گھڑی کی سوئیوں پہ پھسل گئیں۔
''آتی ہو گی، ایک سو ایک چیز تو چھانٹ کے سستی لاتی ہوتی ہے، یکم قریب نہیں، ہیام کی تنخواہ دس تک آئے گی، بیچ میں دو چھٹیاں بھی ہیں۔'' عمکیہ کلینڈر کے پاس کھڑی ہو کر دن گننے لگی تھی، مورے ہیام کے ذکر پہ کچھ بے قرار ہوئیں۔
''دو چھٹیاں ہیں تو کیا آئے گا نہیں؟''
''نہیں، دو دن کے لئے اتنا لمبا سفر کیسے کرے گا؟ اوپر سے اتنا کرایہ، وہ تو پیسے پیسے کی بچت کرتا ہے۔'' بھائی کی محبت پہ عمکیہ کا دل بھر آیا۔
''بچت کیوں نہ کرے، تین تین پہاڑ سر پہ لدے ہیں۔'' وہ پھر سے تلخ ہو گئی تھیں، عمکیہ نے نظر چرا لی۔
''اس کی رہائش کا بندوبست ہوا کیا؟''
''کچھ خاص نہیں، گزارا چل رہا ہے۔'' عمکیہ نے دھیمی آواز میں بتایا۔
''ہائے میرا معصوم بچہ، جانے کس حال میں ہو گا۔'' مورے کے دل کو دھکا سا لگا۔
''انشاء اللہ اچھے حال میں ہو گا۔'' عمکیہ نے دعائیہ کہا، پھر گھڑی کی طرف دیکھتی اٹھ گئی تھی،

عشیہ آئی نہیں تھی سوتر کاری کیا بتاتی؟ ویسے بھی مہینے کا آخر چل رہا تھا، ہاتھ کچھ تنگ تھا، وہ تو دعا کر رہی تھی، ان دنوں کوئی مہمان بھی نہ آئے، اوپر سے مورے کی طبیعت خراب ہو جاتی تو الگ خرچہ نکل آتا، عشیہ نے ہسپتال بھی جانا تھا، تاکہ ڈاکٹر سے ٹائم لے سکے۔

اس وقت وہ سوچوں میں گم کچن کی طرف جا رہی تھی، جب فون کی گھنٹی بجی، اللہ اللہ کر کے فون خود ہی ٹھیک ہو گیا تھا، عمکیہ ہیام کے فون کی آس میں دوڑی چلی آئی تھی، لیکن فون اٹھایا تو دوسری طرف عنیہ تھی، اس نے گہرا سانس بھرا، جانے عنیہ کیا فرمان جاری کرنے والی تھی؟

''کہاں تھی تم، کب سے نمبر ٹرائی کر رہی تھی۔'' عنیہ اس سے بھی زیادہ عجلت میں تھی، چھوٹتے ہی بولی۔

''فون خراب تھا، رات سے، جانے کس وقت ٹھیک ہوا۔'' عمکیہ نے تھکے تھکے انداز میں بتایا تھا، عینہ کا فون خوش آئندہ نہیں لگ رہا تھا، اس کی چھٹی حس اشارہ دے رہی تھی۔

''اچھا۔'' عنیہ نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔

''کبھی ٹھیک بھی ہوا ہے یا نہیں؟ جب بھی ضرورت پڑے، خراب ملتا ہے۔''

''غریب فون جو ہوا۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی عمکیہ کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔

''اوں ہوں۔'' وہ بیزار ہوئی تھی۔

''میری بات سنو۔'' اب کہ اس نے عجلت میں کہا۔

''کیا؟'' عمکیہ اس کی ''عجلت'' پہ ہی ٹھٹک گئی تھی۔

''ہم لوگ آرہے ہیں۔'' اس نے عمکیہ کو حواس باختہ کر دیا تھا۔

''تم لوگ؟ مطلب کون کون؟''

''میں آنٹی اور افراسیاب۔'' عنیہ دانت پیس کر بولی تھی، عمکیہ کی جرح پہ لگ رہا تھا اسے غصہ آرہا ہے۔

''کب؟'' اس نے گھبرا کر بے ساختہ پوچھا، کچن کے خالی کیبنٹ ذہن میں چکرا رہے تھے، اسے کھڑے کھڑے پسینہ آ گیا۔

''ابھی۔'' عنیہ نے صحیح معنوں میں اب اس کے حواس معطل کیے تھے، عمکیہ دبی آوازیں چیخ پڑی تھی۔

''ابھی مطلب؟ دوپہر تک؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے عنیہ! تم ساس اور شوہر سمیت آرہی ہو اور ہمیں اطلاع عین وقت پہ دینی یاد آئی۔''

''میں پہلے اپنے آنے کا بتا چکی ہوں۔'' عنیہ نے طنزیہ انداز میں یاد دلایا۔

''کنفرم نہیں بتایا تھا۔'' وہ رو دینے کو ہوئی تھی، آخر کیا تواضع کرے گی، عشیہ نے سنا تو اس کا دماغ گھوم جائے گا، گھر میں دل روٹی کا سامان نہیں تھا، جب تک ہیام کی تنخواہ نہ آجاتی، اوپر سے عنیہ کی آمد، اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

''اب بتا دیا ہے نا، اچھا سا اہتمام کر لینا، میری ساس کو جانتی ہو نا، مجھے شرمندہ مت کرنا۔'' عنیہ نے واضح انداز میں تنبیہ کی تھی پھر عمکیہ کی سنے بغیر کھٹاک سے فون رکھ دیا تھا، جبکہ عمکیہ سر تھام

کر سوچتی رہ گئی تھی۔

اب کرے تو کیا کرے؟ کیونکہ عشیہ کا بٹوہ تو پچھلے کئی روز سے خالی ہو چکا تھا، اب تو بچے کھچے پہ گزارا چل رہا تھا۔

☆☆☆

آج کا دن کام کے اعتبار سے خاصا تیز رفتار گزرا تھا۔

ڈپٹی سرویئر جنرل امام فریدے شاہ اپنی ٹیم کے ممبرز اسسٹنٹ سرویئر جنرل، پروجیکٹ آفیسرز، اسٹور آفیسرز، ایڈمسٹریٹو آفیسرز، کے ہمراہ مطلوبہ علاقے کا سروے کر رہا تھا۔

یہ دس کینال زمین پہ مشتمل علاقہ تھا، انتہائی زرخیز اور کاشت کے حوالے سے بہت بہترین، قبریں صرف ایک احاطے تک محدود تھیں، یہ گورنمنٹ قبرستان نہیں تھا، بلکہ علاقے کے سردار نے زمین پہ قبضہ کرنے کے لئے ''باؤنڈ'' کر رکھا تھا۔

لوکیشن کے اعتبار سے یہ کوئی جنت نظیر خطہ تھا، فطرت نے اس علاقے پہ اپنے جمال دل افروز کے جو گہر ہائے گراں مایہ بکھیر رکھے تھے ان کی مثال شاید ہی کسی اور خطے میں ملتی، بڑا تاریخی درہ تھا، چالاس اور کاغان کی حسین وادیوں کو آپس میں ملاتا تھا۔

یہاں سیاحوں کی ایک بڑی تعداد دکھائی دیتی تھی۔

اس وقت بڑے دنوں بعد آفتاب کی جلوہ نمائی ہوئی تھی، سو کام سے فراغت کے بعد امام کی ٹیم کے ممبرز کارپٹڈ سبزہ زار پہ دھوپ سینکنے اور تکے اڑانے بیٹھ گئے تھے۔

امام کاغذوں کے پلندے، آلات، مشینیں وغیرہ قاسم کو سونپ کر نیچے وادی میں اتر گیا تھا، یہاں دور تلک بنجر پہاڑوں کا ایک سلسلہ تھا، بائیں طرف نشیب میں ''بٹو گاہ ندی'' کے قریب سرسبز درختوں کے حصار میں چالاس کی سرکاری عمارات دلکش منظر پیش کر رہی تھیں۔

کچھ ہی فاصلے پہ یہاں کا قدیم قلعہ ماضی کی تمام تر یادیں سمیٹے بڑے پرشکوہ انداز میں اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا، اس کی دیوار سے سینکڑوں فٹ نیچے ''بٹو گاہ ندی'' رواں دواں تھی۔

اسے یہ معلوم نہیں تھا، علاقے کی حسین ندیاں، آبشاریں، یا مرغزار بھی ''بٹو خاندان'' کے نام سے منسوب ہیں، وہ ندی کے نام پہ غور وفکر کرتا چلتا رہا، ڈھلوانوں سے نیچے سورج کہیں نہیں تھا، یہاں ٹھنڈ کا تناسب بھی زیادہ تھا، وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بے مقصد ٹہلتا رہا۔

چالاس شہر بہت دور رہ گیا تھا، اب صرف تنہائی تھی، اکیلا پن تھا، حسن تھا، فطرت کے ناز و انداز تھے، یا پھر ''تھک'' نالے کا شیشے جیسے پانی کا دل فریب شور۔

ان کا کام محض ایک دن پہ مشتمل تھا، کل شام تک روانگی تھی، اس سے پہلے رپورٹ تیار ہو چکی تھی اور سب سے بڑی بات کوئی ناپسندیدہ واقعہ پیش نہیں آیا تھا، صندیر خان کی اس فون کال کے بعد کوئی اور دھمکی نما کال موصول نہیں ہوئی تھی، سو رادی چین ہی چین لکھتا تھا۔

وہ چلتا ہوا ڈھلوانوں سے پار زیلی سڑک پہ پہنچ گیا، سامنے سرکاری عمارتیں تھیں، ان میں سے ایک عمارت کا گیٹ کھلا اور کوئی تیز رفتار جیپ زیلی سڑک پہ آئی تھی، امام رستہ نہ چھوڑتا تو جیپ اسے کچل جاتی، امام منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر کنارے پہ کھڑا ہو گیا، جیپ زن سے گزر گئی تھی، پھر

لمحوں میں واپس پلٹ آئی، اب کہ امام کچھ حیران ہوا تھا، جیپ کے اندر سے ایک شاندار شخصیت برآمد ہوئی، اس کی آنکھوں میں تحیر در آیا، وہ جو بھی تھا کسی "حکمران" کے سے نخرے اور غرور کے ساتھ چل رہا تھا، زمین پہ اس کے پیروں کی دھمک پڑ رہی تھی، پھر وہ امام کے قریب آ رکا، امام کی آنکھوں کا تحیر کچھ پھیلتا گیا تھا، وہ اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

"اچھا، تو تم ہو ڈپٹی سرویئر جنرل۔" وہ آنکھوں میں اک نخوت بھری چمک لئے پوچھ رہا تھا، امام ذرا حیران ہوا، یہ سردار ٹائپ بندہ اسے کس طرح سے جانتا تھا؟

"بالکل......اور تم؟" امام نے بھی اسی کے انداز میں نخوت سے پوچھا۔

"میں؟" وہ معنی خیزی سے چونکا تھا پھر مسکرا دیا۔

"مجھے صندیر خان کہتے ہیں، کوئی اور تعارف تو نہیں چاہیے؟" اس نے سابقہ انداز میں نخوت سے کہا، امام بے ساختہ چونک گیا تھا، اس کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑ گئے تھے۔

"او......تو یہ تم ہو۔"

"بڑا اچھا اتفاق ہے۔" صندیر خان نے مزید کہا۔

"سر راہ تم سے ملاقات ہو گئی۔"

"کیوں؟ کیا سول عدالت میں ہونی چاہیے تھی؟" امام کا انداز بھی معنی خیز ہو گیا تھا، صندیر خان سمجھ گیا، خاصا ذہین آدمی تھا۔

"میں جانتا ہوں تمہارا بھائی سول جج ہے۔" صندیر خان نے جتلا کر سر جھٹک دیا۔

"اور اینٹی کرپشن کی کسی عدالت میں ہمارے ہاتھ صاف ہوں گے۔"

"یہ تو وقت بتائے گا۔" امام مسکرایا۔

"تو گویا تم پیچھے ہٹنے والے نہیں۔" صندیر خان کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔

"میں تو اپنا کام کر رہا ہوں۔" امام کی سادگی کے کیا کہنے تھے۔

"کام تمہیں مہنگا نہ پڑ جائے۔" صندیر خان کے لہجے میں واضح تنبیہ تھی۔

"نوکری حلال تو کرنی ہے۔" اس کے انداز میں ایک استحکام تھا، جذبوں، ہمت اور مردانگی کا، صندیر خان چونک گیا، پھر اس کے ہونٹوں پہ استہزا پھیل گیا تھا۔

"نوکری بچے گی تو حلال کرو گے؟" اس نے تخی سے جتا دیا تھا، ایک واضح ہوتی دھمکی اس کے لہجے میں پوشیدہ تھی۔

"تم مجھے دھمکا رہے ہو؟" امام کی تیوری چڑھ گئی تھی، آخر تھا تو وہ بھی پٹھان، کسی کی گیدڑ بھبکیوں میں کیوں آتا۔

"صرف بتا رہا ہوں، ہمارے رستے میں مت آؤ، تمہارا کام ہے سو کرتے رہو، ہم رکاوٹ نہیں بنیں گے، تم یہاں اپنی سرکاری مدت پوری کرو اور جاؤ۔" صندیر خان نے اپنے تئیں بڑا بہترین حل پیش کیا تھا، اب کہ امام کے لبوں پر تنفر پھیل گیا۔

"میں ان سرکاری ملازموں سے کچھ الگ ہوں، جو تم لوگوں کے تلوے چاٹتے ہیں، تمہاری کرپشن پہ پردے ڈالتے ہیں، بدلے میں مراعات حاصل کرتے ہیں۔" امام کے الفاظ نے صندیر

خان کی آنکھوں میں غیض بڑھا دیا تھا، اس کی ساری بے نیازی ایک طرف ہوگئی تھی۔

''تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟'' اس نے غصہ بمشکل ضبط کرتے ہوئے کہا، وہ اتنی آسانی سے ٹمپر لوز کر کے ''مواقع'' گنوانا نہیں تھا، خاصا گھاگ شکاری تھا۔

''کچھ بھی نہیں، محض ایک ایماندار گورنمنٹ ورکر ہوں، اپنی ڈیوٹی کر رہا ہوں۔'' امام نے نرمی سے کہا، وہ ان لوگوں سے ''متھا'' لگانا نہیں چاہتا تھا۔

''ایمانداری گلے بھی پڑ جاتی ہے۔'' اس کا انداز تنبیہہ کرنے والا تھا۔

''میرے نزدیک یہ سوچ نہایت فضول ہے۔'' وہ مسکرا کر جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا رہا۔

''یہ تو وقت بتائے گا۔'' صندیر خان نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''تو پھر دیکھتے ہیں۔'' اس کی بے نیازی عروج پہ تھی۔

''تمہارے ''دیکھنے'' تک پانسہ نہ الٹ جائے۔'' وہ کمال اطمینان سے بولا۔

''میں مفروضوں کے سہارے نہیں لیتا۔'' امام پھر سے مسکرایا۔

''سہاروں کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔'' وہ معنی خیزیت سے دیکھتا رہا، پھر جاتے جاتے لمحہ بھر کے لئے رکا۔

''کبھی شرف میزبانی کا ارادہ بنے تو بنو محل کے دروازے کھلے ہیں۔''

''قدردانی کا شکریہ۔'' اس کا انداز خشک سا تھا۔

''ویسے ہمارے ذاتی معاملات سے دور ہی رہو۔'' اس نے گردن موڑے بغیر جتلایا تھا، وہ چونک سا گیا۔

''ذاتی معاملات؟'' اس کی الجھن کا سرا گزشتہ واقعہ کی طرف مڑا تھا، وہ اچھی یاداشت رکھتا تھا، سو جلدی سمجھ گیا۔

''کیسے ذاتی معاملات؟'' اس نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا تھا، گو کہ وہ سمجھ تو گیا تھا پھر بھی ظاہر نہیں کیا، صندیر خان کا اشارہ گل خان اور پری گل کی طرف تھا۔

''ایسے ناسمجھ نہیں ہو تم، جو ایک ایک بات سمجھانی پڑے، گل خان سو دفعہ سرکاری درجہ چہارم میں سہی، اس کی بیٹی ہماری خاندانی ملازمہ ہے اور بی جاناں کی ملازم خاص بھی ہے، وہ اس کی غیر موجودگی پہ برہم ہوتی ہیں۔'' صندیر خان نے سنجیدگی سے بتایا، وہ اتنی لمبی وضاحت کسی کو نہیں دیتا تھا۔

''او...... لیکن میرا پری گل سے کیا تعلق؟ وہ اس کا اور اس کے باپ کا ذاتی معاملہ تھا۔'' امام نے پہلو بچایا، اسے پرائے پھڈے میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔

''بہت خوب۔'' صندیر خان ذرا ڈھیلا پڑا۔

''تمہیں ایسے معاملات میں آنا بھی نہیں چاہیے۔'' وہ ایک مرتبہ پھر تنبیہہ کرتا ہوا پلٹ گیا تھا، امام اسے جاتا دیکھتا رہا، اس کی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

☆☆☆

یہ گھوڑا گلی کی ایک غیر معروف سڑک تھی، اس کی دوسری جانب بہت فاصلے پہ ایک درمیانے

درجے کا ہوٹل تھا، ان چار لوگوں کا قیام اسی درمیانے درجے کے ہوٹل میں تھا۔
اس وقت ان کے دو دوست نجانے کہاں کی خاک چھان رہے تھے، وہ دونوں ایک چٹان کے نیچے سنسان کم گہرائی والی کھائی میں بیٹھے پاپ کارن کھا رہے تھے، اس کا دوست ذکی خاصا متجس اور بے چین نظر آرہا تھا، وہ بار بار اس کا کندھا ہلا کر بے تابی سے پوچھتا۔
''تم نے اتنا بڑا ہاتھ کہاں سے مارا؟'' ذکی کی آنکھیں کبھی پھیلتی اور کبھی سکڑتی تھیں، تجسس اس کی گول آنکھوں سے ابل ابل کر گر رہا تھا۔
''تم پاپ کارن کھاؤ، اس بھٹی کا کیوں پوچھتے ہو، جس میں یہ پکائے گئے۔'' نومی نے جیسے کان پر سے مکھی اڑائی تھی، ذکی کی ذرا بھی تسلی نہیں ہوئی۔
''دیکھ لو، مجھ سے بھی پردہ داری؟''
''ارے کہاں، کی پردہ داری؟ سب کو برابر تو دیا ہے، ہوٹل کا بل تک ادا کر دیا، باقی کا مال بھی بانٹ کر کھائیں گے۔'' نومی نے جینز کی جیب تھپتھپا کر ذکی کو ڈھارس پہنچائی تھی۔
''پھر بھی پتا تو چلے؟ ایسے میں دن دیہاڑے کیسے لوٹ لائے ہو؟'' ذکی نے پھر سے بے تابی دکھائی تھی۔
''ارے چھوڑو بھی، جانے دو، پاپ کارن کھاؤ۔'' نومی اب کہ کچھ بیزار ہوا۔
''دیکھ لو نومی یار! پھر کل کو گلہ نہ کرنا۔'' اس نے دبی دبی آواز میں دھمکی دی تھی، نومی بے نیاز ہی رہا۔
''سمجھ لو خزانہ ہاتھ لگ گیا تھا۔'' نومی کو پرانا منظر یاد آیا، ایک ماڈرن سی پڑھی لکھی حسینہ، اس کے نقوش کہیں اپنے نشان ضرور چھوڑ گئے تھے۔
''وہ تو دکھائی دے رہا ہے۔'' ذکی نے حاسدانہ نظروں سے اسے دیکھا، جو خواہ مخواہ اسے گلابی دکھائی دے رہا تھا۔
''کیسے؟'' نومی نے لطف سا لیا۔
''تمہاری شکل سے۔'' ذکی جل گیا تھا، کیونکہ نرمی کے گھنے پن سے ہمیشہ وہ عاجز رہتا تھا۔
''میری شکل کو کیا ہوا؟'' نومی نے چونکنے کی اداکاری کی تھی۔
''پھٹکار برس رہی ہے۔'' ذکی نے حسد سے کہا، مجال تھی جو ہوا لگنے دیتا، شروع سے میسنا تھا۔
''یہ تو ممکن نہیں۔'' نومی اپنے حسن سے خاصا آگاہ تھا۔
''رہنے دو بس۔'' وہ منہ بنا کر اٹھنے لگا، پاپ کارن کا لفافہ گر گیا تھا، جسے نومی نے اچک لیا۔
''تم کہاں جا رہے ہو؟'' اس کا انداز سوالیہ تھا۔
''مال تک۔'' ذکی نے بیزاری ظاہر کی۔
''اچھا...... اچھا...... جاؤ۔'' نومی لاپرواہی سے بولا تھا، ذکی کا ماتھا ٹھنک گیا، وہ ساتھ جانے کی بجائے چٹان سے ٹیک لگائے محو استراحت تھا، کیا نئی تخریب کاری کے لئے؟ وہ بھی اکیلے اکیلے؟ ذکی چوکنا ہوا۔
''تم نہیں چلو گے؟''

''میرا موڈ نہیں۔'' اس نے ناک چڑھائی۔
''خیر تو ہے؟'' وہ جاتے جاتے رک گیا تھا، نومی کے بدلے بدلے تیور اسے شک میں مبتلا کر رہے تھے۔
''جا، بھی یار، مجھ پہ تھانے دار لگ گیا ہے تو۔'' نومی پھنکارا۔
''چلتا ہوں، کاٹتے کیوں ہو؟'' وہ بھی اسی کا منہ پھٹ دوست تھا، بیزاری سے چیخا۔
''چل دفعہ ہو، رزیل، کمینہ۔'' نومی نے اسے گالی سے نوازا تھا، ذکی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا نکل گیا، اس نے گردن اچک کر ذکی کو جاتے دیکھا اور جیب سے اسمارٹ سا موبائل نکال لیا، کچھ دیر بعد وہ باپ کارن کا خالی پاکٹ جھاڑتا اٹھ کر دوسری طرف کے رستے سے ہوتا ہوا مین تک آیا، یہاں کے غیر معروف ٹیلی فون بوتھ سے ایک نمبر ملایا، دوسری طرف بیل جا رہی تھی، پھر کسی آنٹی نما خاتون نے فون اٹھا لیا، اس نے جلدی سے کال ڈراپ کر دی تھی، تھوڑی دیر بعد پھر ٹرائی کیا، اس دفعہ بھی آنٹی نے کال پک کی، لگتا تھا، فون کے سرہانے بیٹھی تھیں، چوکیداری کے لئے، وہ بار بار ٹرائی کرتا رہا، بالآخر من کی مراد بر آئی تھی، فون اس نے اٹھا ہی لیا تھا، نومی کے سوکھے دھانوں پہ پانی پڑا تھا، وہ دلکشی سے مسکرا دیا، کل تک ان کا ٹرپ بھی واپس جانے کے قریب تھا، جانے سے پہلے اسے ہر قیمت پر اپنے آئی ڈی کارڈ چاہیے تھا اور اس کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔
موقع واردات سے ہٹتے ہی اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ آئی ڈی کارڈ کی فوٹو کاپی وہ گرا آیا ہے، اسی وقت نومی نے کرائے کی بائیک اڑائی اور کار کا پیچھا پکڑ لیا تھا، جلد ہی اسے کالونی، گھر اور مطلوبہ خاتون کے فون نمبر تک رسائی حاصل ہو گئی تھی، سو اس نے کال کر کے دھمکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔
نومی کو اندازہ تھا، دوسری دھمکی نما کال پہ ہی محترمہ شانزے مہروز کچے دھاگے سے بندھی تشریف لے آئیں گی اور اس وقت وہ فون بوتھ سے کال کر رہا تھا، فون شانزے نے ہی اٹھایا تھا اور اس کی آواز کو بھی پہچان لیا، نومی کو خاصی اترا ہٹ محسوس ہوئی تھی کیونکہ اس کی آواز میں خاصی گھبراہٹ تھی۔
نومی نے بھی جان بوجھ کر اس پہ پریشر ڈالا تھا، چھوٹتے ہی اس کے چھکے چھڑانے چاہے تھے۔
''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟ آ رہی ہو یا نہیں؟'' اس کے تیور بگڑ رہے تھے اور شاید وہ بدلحاظی پہ اتر آتا اگر شانزے فوراً حامی نہ بھر لیتی، لگتا تھا، بہت سوچ و بچار کے بعد بے چاری نے بالآخر فیصلہ کر لیا تھا۔
وہ آئی ڈی کارڈ کی فوٹو کاپی پہنچانے آ رہی تھی، جگہ کا انتخاب اب بھی نومی نے کیا تھا اور ساتھ دھمکی نما تنبیہ کی تھی۔
''دیکھ لو، ہوشیاری مت دکھانا، ورنہ بہت برا پیش آؤں گا۔'' نومی نے اسے بھرپور انداز میں جتلایا تھا، شانزے بھلا کی ہوشیاری دکھاتی؟ وہ تو امام کے آنے سے پہلے پہلے اس آئی ڈی کارڈ والے قصے سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔

گو کہ یہ کام رسکی تھا پھر بھی اس بلا کو ٹالنا تو تھا ہی، کیا ضرورت تھی امام کو بتا کر خواہ مخواہ بات کو طول دینے کی، یہ معاملہ جس قدر جلدی ختم ہوتا، اتنا ہی بہتر تھا، سو فون بند کر کے شانزے فوراً اپنی مخصوص کار میں فرائی چکس مین پوائنٹ کی طرف روانہ ہوئی تھی اور اس کے سیاہ پاؤچ میں آئی ڈی کارڈ کی فوٹو کاپی بھی موجود تھی۔

☆☆☆

پہاڑی کی اوٹ سے بلند ہو کر نیچے گہرائی کی طرف اتریں تو نشیب میں ایک ندی تھی اور اس کے آس پاس سرسبز، تہہ در تہہ، زینہ بہ زینہ، بلند ہوتے کھیت تھے اور ان میں خوشنما مکان تھے، ان مکانوں میں ایک مکان عشیہ کا بھی موجود تھا، جس کے پس منظر میں برف پوش پہاڑ تھے، جنہیں سر اونچا کر کے دیکھنا پڑتا تھا، اس کے وسط میں نوک دار کرنیں بھی کبھی طلوع ہوتی تھیں۔

اس کے پیچھے جو پہاڑ تھے، اسے گنہ گار پہاڑ کہتے تھے، وہ بہت بلند تھا، لیکن اس وقت اسامہ جہانگیر کو اپنے برابر دکھائی دیتا تھا۔

جس پگڈنڈی پہ وہ چل رہا تھا، وہ انتہائی پر پیچ تھی، نیچے دیکھتے ہوئے خوف آتا تھا، اس کے گرد چلغوزوں کا باغ تھا، جس کی شاخوں پہ کچے چلغوزے لٹک رہے تھے۔

بلند پہاڑی رستے پہ چلتے ہوئے گھاس کا ایک چھوٹا سا قطعہ بھی نظر آتا تھا، جس میں جا بجا سال خوردہ لکڑی کے منقش پائے گھرے ہوئے تھے، قریب ہی سیب کے درختوں کی ٹہنیاں شگوفوں سے بھری ہوئی تھیں، نیچے بہت نیچے ندی دکھائی دیتی تھی اور گنہ گار پہاڑ کی برف دھوپ میں چمکتی تھیں۔

وہ ایک لمبا مگر ناکام راؤنڈ لے کر بے دم سا گھاس پہ ڈھے گیا تھا، آج کا پورا دن بیکار گیا تھا، اسے آثار قدیمہ کے نوادرات میں سے کچھ نہیں ملا تھا، یعنی عشیہ کی دعا قبولیت کے درجات تک نہیں پہنچی تھی، فن گندھارا تو ہاتھ سے گیا ہی تھا مزید بھی کچھ نہیں ملا تھا، وہ ناکام سا لوٹ آیا، قیمتی نوادرات کی تلاش کوئی آسان تھوڑی تھی، قریہ قریہ پھرنا پڑتا تھا، جگہ جگہ خاک چھاننی پڑی تھی، صحرا صحرا گھومنا پڑتا تھا، پھر کہیں جا کر اصلی نوادرات کی کوئی شبیہہ ملتی تھی۔

عشیہ کی مہربانی سے فن گندھارا کو تو اسامہ گنوا ہی چکا تھا، لیکن پھر بھی دل کو کوئی افسوس نہیں تھا اور اس وقت اسامہ محض عشیہ کو سوچ رہا تھا، وہ اسے کہاں کہاں ٹکرا سکتی تھی؟ کیا کوئی اور اتفاق نہیں ہو سکتا تھا؟ اسامہ کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہ جمائے جمائے چونکا۔

وہ جس ندی کے کنارے پہ بیٹھا تھا، اس سے بہت اوپر بلندی پہ ہوائی پل تھا، ہوائی پل سے مراد دو شہتیروں کا پل تھا، ان شہتیروں کی چوڑائی گو کہ بہت تھی، مگر زمین پہ ہوتے تو اس وقت تو چنگھاڑتے پانیوں پہ معلق تھے اور بال سے باریک لگتے تھے، اس ہوائی پل پہ روز گل دوڑتا ہوا نیچے آ رہا تھا۔

اسامہ کو لمحہ بھر کے لئے یوں محسوس ہوا تھا کہ روز گل اب گرا کہ تب گرا، لیکن بھلا ہوں اس کے مشاق قدموں اور رفتار کا، دوسرے ہی پل وہ اسامہ کے سامنے تھا۔

''کہاں تھے تم؟ میں تین گھنٹوں سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔'' روز گل اپنی سانسوں کو ہموار

کرتا بمشکل بول رہا تھا، شاید وہ اپنے ہوٹل سے یہاں تک جگہ جگہ اسامہ کی تلاش کرتا آرہا تھا، اسامہ لمحہ بھر کے لئے چونکا۔

''مجھے کیوں ڈھونڈ رہے تھے؟'' اس کا سارا تصوراتی خاکہ روز گل کی آمد کے ساتھ درہم برہم ہو گیا تھا، سو موڈ آف ہونا بھی ضروری تھا، وہ اچھا بھلا عشیہ کے متعلق سوچ رہا تھا، بیچ میں یہ پٹھان بلائے جان آ گیا تھا۔

''یہ بتانے کے لئے، مت دھکے کھاؤ پہاڑوں میں، تمہارے مطلب کی چیز یہاں نہیں، وہاں ہے۔'' روز گل نے لال ٹماٹر چہرے پہ ہاتھ پھیرے تھے، پھر نہایت جوش سے گنہ گار پہاڑی کے پچھلی طرف اشارہ کیا تھا، اس کی آنکھوں میں بھی پر جوش تاثر تھا، جیسے وہ اسامہ کی مطلوبہ چیز دریافت کرنے پہ کوئی اعزاز یا ایوارڈ چاہتا تھا، اب کہ اسامہ بری طرح سے ٹھٹک گیا تھا۔

''کہاں؟ گندگار پہاڑی کے پیچھے؟'' اسامہ اپنی جگہ سے اچھل پڑا، روز گل نے پوری شدت سے سر اثبات میں ہلایا تھا، اسامہ جیسے لمحوں میں پر جوش ہو گیا۔

''لیکن اس دفعہ فن گندھارا والا معاملہ مت کرنا، ورنہ اگلے سال تک تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔'' روز گل نے جیسے اسے تنبیہ کی تھی، اسامہ کو اچانک پھر سے عشیہ یاد آ گئی تھی، وہی پل کا تصادم، اچانک ہونے والی ٹکر اور اس کے نتیجے میں اٹھانے والا نقصان، فن گندھارا کا بھی، اور کچھ مزید بھی، بائیں پہلو سے، شاید دل، یا پھر ایک ہلکا سا اضطراب؟ وہ سوچوں کے تانوں بانوں میں الجھ سا گیا تھا، تب روز گل کچھ بور سا ہوا، پھر اسامہ کے پوچھنے پہ اسے لوکیشن سمجھانے کے بعد اٹھ گیا، جاتے جاتے اس نے اسامہ کو کچھ سمجھایا تھا۔

''وہاں جانے سے پہلے جہاندار سے اجازت لے لینا۔'' روز گل کے یاد دلانے پہ اسامہ کچھ حیران ہوا۔

''جہاندار کون؟''

''بٹو خاندان کا کرتا دھرتا ہے۔'' روز گل نے کچھ مزید وضاحت سے بتایا تو اسامہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

اب اسے پہلے وہاں جانے کے لئے اجازت درکار تھی، مگر لوکیشن دیکھنے میں کیا حرج تھا، کم از کم رستہ اور لوکیشن تو وہ دیکھ سکتا تھا اور اسامہ کے اندر پھر سے تاریخ انگڑائی لے کر جاگ اٹھی تھی، وہ آج کا کام کل پہ چھوڑتا بھی نہیں تھا، اس نے ابھی کے ابھی لوکیشن دیکھنی تھی۔

اس کے پورے وجود میں پھریری سی بھر گئی تھی، روز گل نے جو رستہ سمجھایا تھا وہ اسی پل سے ہوتا ہوا گنہ گار پہاڑی کی طرف جا رہا تھا، انہی شہتیروں والے خطرناک پل کو عبور کر کے، ابھی جوش وخروش میں اسے پل کی ساری خطرناکی بھولی ہوئی تھی، آخر گنہ گار پہاڑی کے نیچے کیا تھا؟ آخر اس پہاڑی کے پیچھے کیا تھا؟ مہاتما بدھ کا کوئی بھر بھری مٹی کا ختم ہوتا مجسمہ؟ یا دیوتا اندر کے مغراب نواز کی کوئی شبیہہ؟ پتھر کی کوئی کہانی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے کئی برس پیشتر کسی بدھ مجسمہ ساز نے عبادت کے طور پر بنائی ہو گی؟

کوئی ایسا پتھر کا بوسیدہ، ٹوٹا پھوٹا ٹکڑا، کتبہ یا مجسمہ جو کسی بھی تہذیب کی ترقی اور تنزل پھر اس

کی مکمل تباہی اور ان تمام اقدار کا مکمل طور پر خاتمہ جو اس تہذیب کی نمائندگی کرتی ہوگی؟ اسامہ کی بے چینی کا کوئی انت کوئی شمار نہیں تھا۔

وہ عالم جوش میں گنہ گار پہاڑی سے اتر کر ہموار زمین کی طرف بڑھنے لگا تھا، انتہائی جذبے اور ولولے کے ساتھ، بہت دنوں بعد اسے کوئی ڈھنگ کی خوشخبری ملی تھی، وہ اتنا جوشیلا ہو رہا تھا کہ روز گل کی ساری تنبیہہ بھلا کر سیدھا اس وسیع و عریض احاطے میں پہنچ گیا، جس کی چار دیواری میں لوہے کا گیٹ نصب تھا اور اس وقت کنڈا بھی کھلا تھا، یہ جگہ جنت نظیر لگتی تھی، آس پاس سبز پہاڑ تھے، بہتی ندیاں، جھرنے اور خوبانی کے لامتناہی باغات کے سلسلے، اس جگہ کو سبز پہاڑوں کی زمین بھی کہتے تھے۔

اسامہ تب حیران رہ گیا جب اسے کنڈا ہٹا کر احاطے کے اندر جانے کا خیال آیا، وہ یہ نہیں جانتا تھا روز گل کی تنبیہہ بھلا کر وہ اپنی زندگی کی کتنی بڑی غلطی کر رہا تھا۔

وہ احاطے میں آیا تو متحیر رہ گیا، یہ کوئی قبرستان تھا، جس میں نئی پرانی بہت سی قبریں تھیں، پیال کے بلند حصوں میں کہیں کہیں پرانے قبرستان ایسے بھی تھے جن کی قبروں کو بارشوں اور طوفانوں نے ہموار کر دیا تھا، البتہ ان پر نصب نشان یا کتبے بھربھرے اور سال خوردہ ہونے کے باوجود قائم تھے۔

اسامہ نے ہر بڑا چھوٹا قبرستان دیکھ رکھا تھا، لیکن اس قبرستان میں آنے کا اتفاق نہیں ہو سکا تھا، یہ کافی قدیم قبرستان تھا، کیونکہ قبروں کے پایہ نما نشانوں کے خزی تاریخ کے لحاظ سے بہت پرانے لگتے تھے، ان کی شکل اور بناوٹ اس دور کی یاد دلاتی تھی جب ان خطوں میں عجائب قدرت کی پرستش ہوا کرتی تھی، اسامہ نے اک طائرانہ نگاہ پورے احاطے میں ڈالی تھی اور پھر جیسے ٹھٹک کر دم بخود رہ گیا تھا۔

اس نے خوبانی کے درخت تلے ایک خوبصورت پری پیکر کو دیکھا تھا، ایسے سنسان خاموش اور پرسکوت ویران ماحول میں کسی پری پیکر کی موجودگی کچھ خوش آئند ہرگز نہیں تھی۔

وہ لڑکی اٹینشن کھڑی تھی اور اس کے پس منظر میں گنہ گار پہاڑی کی برفیلی چٹانیں تھیں، قبرستان میں لکڑی کے کتبے جھکے تھے اور ان پر سیب کے شگوفے گرتے تھے، وہ لڑکی شگوفوں کو چنتی نہیں تھی دیکھتی ضرور تھی، یہ انتہائی عجیب منظر تھا۔

اس پری پیکر کے ہاتھ میں خوبصورت کشتری تھی، جو سرخ رومال سے ڈھکی تھی، اس کے نیچے کیا تھا؟ اسامہ اندازہ نہیں کر سکا تھا۔

لیکن جس چیز نے اسامہ کو ٹھٹکا دیا تھا وہ اس لڑکی کے آنسو تھے، وہ لڑکی سیب کے شگوفوں کو دیکھتی تھی اور بے آواز روتی تھی۔

وہ ایک قبر کی پائنتی کی طرف کھڑی تھی، اس کا رخ اسامہ کی طرف تھا، لیکن وہ اسامہ کو دیکھ نہیں سکتی تھی، اسامہ نے رستوں سے آشنائی رکھنے والے نقشہ جات رول کیے اور کچھ سوچ کر خوبانی کے بڑے درخت کی طرف آ گیا۔

گو کہ وہ بہت محتاط انداز میں چل رہا تھا، پھر بھی اس مہیب سناٹے میں کسی کے قدموں کی

چاپ اتنی غیر معمولی ضرور تھی جو وہ پری پیکر چونک کے نگاہ اٹھالیتی، گردن گھما لیتی اور اس نے چونک کر نگاہ بھی اٹھالی تھی، گردن بھی گھمالی تھی اور پھر جیسے زمین و آسمان کے کنارے ایک ہو گئے تھے، گنہ گار پہاڑی کی برف پگھل گئی تھی، پگھل پگھل کر بہہ گئی تھی، سیب کے درختوں پہ کھلے شگوفوں کو جوبن مل گیا تھا۔

تھک نالے کا میٹھا پانی ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا، اوپر گھنے جنگل کی ابابیلوں کو گانا گانے کا سرا گیا تھا، مرغابیوں نے رقص کیا تھا اور کوئل کو نغمہ بھول گیا تھا۔

سب سے حیرانگی والا معاملہ تو یہ تھا، سامنے کھڑی پری پیکر کے ہاتھ سے سرخ رومال والی طشتری گری تھی اور زمین بوس ہو گئی اور پھر جا بجا نیاز کے چاول گر پڑے تھے، وہ جیسے دم بخود کسی مورتی کا تاثر دیتی کھڑی تھی، ساکت اور بے سانس اور اسامہ کی اپنی کیفیات بھی کچھ مختلف نہیں تھیں، وہ ایک دم چونکا، سنبھلا اور جلدی سے بولا۔

''سوری، آئم سوری۔'' وہ جیسے خود بھی ہکلا گیا تھا، آخر اس نے کیا کر دیا تھا؟ نہ وہ اتنا اچانک آتا نہ مقابل کا اس قدر نقصان ہوتا، اسے گرے ہوئے چاولوں پہ رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا، اسے اچانک احاطے میں بلا اجازت گھس آنے پہ افسوس ہو رہا تھا۔

''آپ کا نقصان ہو گیا، میں معذرت چاہتا ہوں، اکچوئیلی میں تو......'' اسامہ کو سمجھ نہیں آیا وہ کیسے صفائی پیش کرے کس طرح وضاحت دے، جبکہ سامنے کھڑی لڑکی ابھی تک ششدر اور بے سانس کھڑی تھی، گم صم اور حیران، اسے یقین نہیں آ رہا تھا، اجنبی، سیاح یہاں بھی آ جائے گا؟ وہی جوان کے خاندانی قبرستان کی سڑک پہ کھڑا تھا، اپنے ساتھیوں کے ساتھ باتیں کرتا، وہ سیاح گھومتا ہوا یہاں تک بھی آ جائے گا؟ اس کی ننھیالی قبرستان کی طرف، جہاں پہ اس کے ننھیالی خاندان کا ایک ایک فرد دفن تھا، وہ جیسے عالم حیرانگی میں ڈوب رہی تھی۔

کیا یہ وہی سیاح تھا؟ جس کو اک نگاہ میں بسا کر امر ہو جانے کو دل کرتا؟ فنا ہو جانے کو دل کرتا؟ اس کا دل پسلیاں توڑ توڑ کر باہر نکلنے لگا، اس کی چمکیلی آنکھوں کے جذب بھیگنے لگے، نم ہونے لگے، ڈوبنے لگے۔

اور اسامہ کی کیفیات سے بے خبر شرمندہ سا معذرت کرتا پلٹ رہا تھا، اسے جلدی سے واپس جانا تھا کیونکہ وہ بلا اجازت اندر آ گیا تھا، اگر کوئی اور دیکھ لیتا؟ اسے روز گل کی تنبیہ بھی یاد آ رہی تھی، پھر جب وہ گیٹ کے قریب پہنچ گیا تو حیران حیران سا لمحہ بھر کے لئے مڑا۔

کیونکہ وہ پری پیکر اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی آ رہی تھی، اس کا چہرہ سرخ تھا، سانسیں ناہموار تھیں، وہ احاطے کا گیٹ پکڑ کر اتنی عجلت، تیزی اور سرعت سے پوچھ رہی تھی جیسے لمحہ بھر کی تاخیر ہوتی اور وہ بے ہوش ہو جاتی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اس کا سوال ایسا حیران کن تھا کہ اسامہ جہانگیر پل بھر کے لئے بھونچکا رہ گیا۔

☆☆☆

فرائی چکس کا ماحول خاصا سنسان تھا، اس وقت لنچ کے لئے اکا دکا لوگ موجود تھے، آغش

ٹائمنگ میں رش نہ ہونے کے برابر ہوتا تھا، کچھ اسٹوڈنٹس ضرور تھے جو کلاسز بنک کرکے اِدھر اُدھر دکھائی دے رہے تھے۔

جب وہ گھر سے نکلی تھی تب کوے ٹیرس پہ لٹکی شانزے کو باہر جاتا دیکھ کر اشارے سے پوچھ رہی تھی کہ اس وقت کہاں جارہی ہو؟ شانزے نے جان بوجھ کر اس کے اشاروں کو نظرانداز کردیا تھا، وہ بہت کنفیوژڈ تھی اور عجلت میں بھی بہت تھی، میں جلد از جلد سر پہ لٹکی تلوار سے پیچھا چھڑوانا چاہتی تھی۔

ممی کو مرکز تک جانے کا بتا کر وہ گھر سے تو نکل آئی تھی تاہم یہ بہادری اسے خاصی مہنگی نظر آرہی تھی، کبھی دل کرتا تھا کہ واپس پلٹ جائے، پھر اس کمینے کی فون کالز اور دھمکیوں کا خوف آگے بڑھنے پر مجبور کردیتا تھا۔

آخر کیا ضرورت تھی ایک کاغذ کا ٹکڑا اٹھا کر مصیبت اپنے گلے میں ڈالنے کی اور اب اس مصیبت سے پیچھا تو چھڑوانا تھا، جب وہ انٹرس ڈور سے اندر آئی تب اس نے پہلی نظر میں نعمان نامی ڈکیٹ کو پہچان لیا تھا، جس نے دن دہاڑے نہ صرف اس کا نقصان کیا تھا بلکہ اتنے دنوں سے دھمکیاں دے دے کر خون الگ سے خشک رکھا تھا۔

اپنے حلیے اور شکل وصورت سے نومی ہرگز کسی معمولی فیملی سے نہیں لگتا تھا، کیا پتہ، کسی متمول خاندان کا بگڑا ہوا یا ایڈونچرز کا شوقین فرد ہو، آخر ایسے لوگوں کو اپنی زندگی اور دوسروں کی زندگی سے مذاق کرنے کا بہت شوق ہوتا تھا اور یہ بھی ممکن تھا بیروزگاری سے تنگ آکر اس نے ایسا پروفیشن اپنا لیا ہو۔

جو بھی تھا، شانزے کو نعمان نامی جوان سے شدید بیزاری تھی، جو اسٹریٹ کرمنل تھا اور عام شہریوں کی زندگی اس نے حرام کررکھی تھی۔

وہ بھی شانزے کو پہچان کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، اس کے ہونٹ سیٹی کی شکل میں گول ہوئے تھے پھر ایک معنی خیز تبسم ابھر آیا تھا، جیسے شانزے کو دیکھ کر اس کا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا تھا، اسے امید تھی، وہ ضرور آئے گی اور وہ آچکی تھی۔

شانزے گول ٹیبل کے قریب آکر لمحہ بھر کے لئے رکی تھی، پھر اس نے اپنا ہینڈ بیگ کھول کر نومی کی طرف دیکھا، آئی ڈی کارڈ کی فوٹو کاپی نکالی تھی اور انتہائی روکھے لہجے میں کہا۔

''مسٹر نعمان! یہ مت بھولنا کہ اس آئی ڈی کارڈ کی وجہ سے تم جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی جاسکتے تھے، لیکن میں نے تم پر رحم کیا، ورنہ اس وقت تم یہاں نہ ہوتے۔'' وہ اپنے ازلی اعتماد کو بحال کرتے ہوئے سخت دوٹوک لہجے میں بولی تھی، نعمان کی معنی خیزیت کچھ اور بڑھ گئی تھی، اس کا چہرہ پورے کا پورا متبسم ہوگیا تھا، آنکھوں کی چمک بھی کچھ بڑھ گئی تھی، وہ مسلسل جیبوں میں ہاتھ گھسا کر مسکراتا رہا، شانزے کی طرف دیکھتا رہا۔

''اچھا۔'' کافی دیر کی خاموشی کے بعد نعمان نے سنجیدگی سے کہا تھا، اتنی سنجیدگی سے کہ شانزے کچھ ٹھٹک گئی۔

''تم نے مجھ پہ رحم نہیں کھایا، بلکہ میری دھمکی پہ بھاگی چلی آئی ہو۔'' اس نے طنزیہ انداز میں

مسکرا کر شانزے کی طرف دیکھا تھا، شانزے لمحہ بھر کے لئے گڑبڑا گئی تھی، پھر سنبھل کر نومی کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

''تم لوگوں میں انسانیت کی کمی تو ہے ہی، شرم تو آتی نہیں، شریف لوگوں کو تنگ کرتے ہو، ان کی حق حلال، محنت سے کمائی گئی روزی کو لمحوں میں لوٹتے ہو، حتی کہ یہ بھی نہیں سوچتے، کوئی کتنا مجبور ہے، کس مصیبت میں ہے، کس مشکل میں گرفتار ہے۔'' شانزے بولنے پہ آئی تو رکی نہیں تھی، بولتی چلی گئی تھی، نعمان کی مسکراہٹ بھی سمٹ گئی تھی، وہ سیدھا کھڑا ہوا، پھر سنبھل کر تڑخا تھا۔

''میں بھی کوئی پروفیشنل نہیں ہوں، مجھے بھی مجبوری تھی، ورنہ یہ کام میری شان کے خلاف ہے۔''

''مجبوری تھی تو کیا ہاتھ ٹوٹ گئے تھے؟ محنت کر لیتے، یا بھیک مانگ لیتے، کم از کم ڈکیتی نہ کرتے۔'' شانزے نے دوسری طرف نرم رویہ محسوس کر کے خوب رعب جمایا تھا، پہلے کی نسبت اس وقت نعمان کا انداز مدہم تھا، وہ بھڑک نہیں رہا تھا، کیا خبر، شرمندہ ہو؟ لیکن یہ شانزے کی خام خیالی تھی، وہ شرمندہ ہونے والی چیز نہیں تھا۔

''اب نصیحتیں مت کرو، میں لیکچر سننے نہیں آیا، میری امانت واپس کرو۔'' نومی اکھڑے اکھڑے لہجے میں بولا، شانزے نے بھی تقریر کرنے میں وقت ضائع نہیں کیا تھا، جلدی سے کاغذ کا ٹکڑا نکال لیا۔

''میں ایک شرط پہ دے رہی ہوں۔'' اس کا انداز تنبیہا تھا، جیسے وارننگ دیتا ہوا، نومی نے فوٹو کاپی دو انگلیوں میں اچک لی تھی، پھر مسکرایا۔

''کیسی شرط؟'' اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

''تم مجھے دوبارہ کال نہیں کرو گے۔'' شانزے نے ذرا سخت لہجے میں کہا تھا، نومی بے ساختہ چونک گیا، پھر ہنس پڑا۔

''کبھی نہیں۔''

''پرامس؟'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''پرامس۔'' نومی پھر سے مسکرایا، گو کہ جس کثیف ماحول میں گفتگو ہو رہی تھی یا پھر جس ڈپریشن میں وہ گھر سے آئی تھی اس وقت نہ وہ صورت حال تھی نہ وہ کیفیت تھی، اور نہ ہی لگ رہا تھا کہ وہ کسی چور اچکے سے ملنے آئی ہے، ویسے بھی کتنی شرمناک بات تھی، شانزے مہروز ایک عادی مجرم سے ملنے آئی تھی، چاہے وجہ کچھ بھی ہوتی، اس سوچ کے آتے ہی شانزے کے جسم میں پھریری دوڑ گئی تھی، وہ الٹے قدموں پلٹنے لگی، چونکہ کام تو ہو چکا تھا، پھر یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا، اسے پلٹتے دیکھ کر نومی اچانک سامنے آ گیا تھا۔

''میں پرامس کرتا ہوں، آئندہ کال نہیں کروں گا۔'' شانزے چونک گئی، پھر اس نے سر ہلا کر قدرے نرمی سے کہا تھا۔

''شکریہ۔'' وہ کترا کر نومی کے قریب سے گزر گئی تھی، جبکہ نومی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں لئے دور تک جاتی شانزے کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

اور یہ کوئی نئی بات تو تھی نہیں، اتنے سال تو ہو چکے تھے، اب تک انہیں عادی ہو جانا چاہیے تھا، شروع سے عنیہ کی یہی عادت تھی، کبھی اکیلی آتی اور کبھی ساس کے ہمراہ، ہمیشہ اچانک اپنی آمد کا دھماکہ کرتی تھی اور اس دفعہ تو آنا بھی کچھ خاص تھا، اتنا خاص کہ عمکیہ کا دل دھڑک دھڑک کر بے حال ہو جاتا تھا، کبھی خوف آتا اور کبھی شرمندگی ہوتی تھی۔

لیکن فی الوقت تو راشن کی قلت سوالیہ نشان تھی، وہ جیسے تھک ہار کر ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھ گئی، اب کرے تو کیا کرے؟ کوئی حل نظر آتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں افراسیاب، عنیہ اور اس کی ساس براجمان تھیں، وہ ایک مرتبہ قہوہ پیش کر آئی تھی اور اب آنکھیں گھڑی پہ ٹکا کر عشیہ کا انتظار کر رہی تھی۔

عشیہ کے آتے ہی کچھ نہ کچھ حل ضرور نکل آتا، عروفہ سے کچھ کہنا سننا بیکار تھا، وہ اس معاملے میں بھلا کیا مدد کرتی؟ ادھر مورے بار بار آواز دے کر کچھ نہ کچھ لانے کا آرڈر فرما رہی تھیں۔

وہ کیا اپنا کلیجہ بھون کر ٹرے میں سجائے لے آتی، حد تھی بھلا، مورے کو سب پتا تھا پھر بھی، عمکیہ کا سر گھومنے لگا، ہیام کی تنخواہ کا ڈرافٹ بھی نہیں پہنچا تھا۔

وہ سوچ سوچ کر تھکنے لگی تھی اور مورے سمجھ رہی تھیں کہ عمکیہ میں تھسی عنیہ کی ساس کے شایان شان پکوان تیار کر رہی ہے، حد تھی، غلط فہمی کی۔

عنیہ کے پوچھنے پہ بھی مورے نے یہی بتایا تھا، دوسرے ہی لمحے عنیہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی تھی، شاید کھانے پینے کا جائزہ لینے، اس کی ساس ان نزاکتوں پہ کڑی نگاہ رکھتی تھیں اور کمی بیشی کی صورت میں معافی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اور جب عنیہ کچن میں آئی اور دنگ رہ گئی، یہاں تو صورت حال قطعاً مختلف تھی، صاف ستھرا باورچی خانہ تھا، کسی پکوان کی خوشبو نہیں تھی، عنیہ کا تو دماغ ہی گھوم گیا تھا، اسے جیسے چکر سا آ گیا، وہ زیادہ دیر خود پہ قابو نہیں پا سکی تھی، اسی لئے دبی آواز میں چیخ پڑی۔

''عمکیہ! تم نے کچھ بھی نہیں پکایا؟ ہمیں کیا ہوا کھلاؤ گی؟ ہم لوگ رات رکنے کے لئے نہیں آئے، جلدی واپس جانا ہے اور تم نے ابھی تک کچھ پکایا نہیں۔'' صدمے کی شدت سے اس کا لہجہ پھٹ سا گیا تھا، عمکیہ شدید شرمندہ ہو گئی تھی، وہ جانتی تھی عنیہ کو اپنی کم ہی پرواہ ہوتی تھی، اصل مسئلہ اس کی ساس اور ان کے نخرے کا تھا، تواضع ان کی توقع کے برخلاف ہوتی تو عنیہ کو طعنے سہہ سہہ کر ادھ موا ہونا پڑتا تھا۔

''میں نے تمہیں فون بھی کیا تھا؟ کم از کم لنچ تو تیار کر لیتی۔'' عنیہ کا غصے کے مارے برا حال ہو گیا، مہمان ڈرائنگ روم میں موجود تھے، ان کی آمد بھی خاص مقصد کے تحت تھی، عام روٹین کا چکر ہوتا تب بھی ایسی ٹھنڈی تواضع پہ عنیہ کی ساس کسی بھی طور پہ سمجھوتہ نہیں کرتیں، اب تو معاملہ ہی الگ تھا۔

''تم ایک ہفتے پہلے بتاتی نا، ہیام کی تنخواہ بھی نہیں آئی، مہینے کا آخر چل رہا ہے۔'' عمکیہ نے دبی آواز میں بتایا تھا، وہ بہن کے سامنے سخت شرمندہ ہو رہی تھی، عنیہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

''تم لوگ اتنی بچت بھی نہیں رکھتے، کسی اچانک آئے مہمان کو کچھ کھلا سکو۔'' اس کا مارے اشتعال کے برا حشر ہو گیا تھا، لحاظ تو اس میں تھا ہی نہیں۔

''اور تم جانتی ہو، رشتہ مانگنے آئے ہیں تمہارا، آگے بھوسہ رکھ دو ان کے، تم لوگوں کو قدر ہی نہیں، احساس نہیں، زریاب کا رشتہ آیا ہے تمہارے لئے، سارا خاندان جس پہ آنکھیں لگا کر بیٹھا تھا، یہ تمہاری گڈ لک کے قرعہ فال تمہارے نام نکلا۔'' وہ غصے میں بولتے ہوئے جتا جتا کر چیخ رہی تھی، عمکیہ کی آنکھیں بھر آئیں، ساری بات ایک طرف رکھ کر وہ بھی پھٹ پڑی تھی۔

''تم اپنی ساس کو سمجھاتی نا، انہوں نے عشیہ کے لئے آنا تھا یہ بیچ میں مجھے کیوں گھسیٹ لیا، مجھے اپنی بہن کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے کہ کیا بتاؤں، یوں لگتا ہے اس کا حق چھیننے والی ہوں۔'' عمکیہ کا لہجہ بھرا گیا تھا۔

''آنٹی کا کیا قصور؟ زریاب باہر سے آیا اور اس نے تمہیں دیکھ لیا، بعد میں اس کی ایک ہی ضد تھی، ورنہ آنٹی کا بھی ارادہ نہیں تھا، وہ تو مجبوراً آئی ہیں، عشیہ کے لئے بھی نہ آتیں، ان کا اپنی بھانجی لانے کا ارادہ تھا۔'' عنیہ جل کر بتانے لگی۔

''تو اب بھی اپنی بھانجی لے آئیں۔'' عمکیہ نے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ہمیں تو معاف ہی رکھیں۔''

''تم سا کوئی ناشکرا جو نہیں، ورنہ زریاب جیسے لڑکوں کے لئے لوگ منتیں مانتے ہیں۔'' عنیہ کو اپنی اعلیٰ سسرال اور اعلیٰ مزاج دیور کی خوبیوں پہ تقریر کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

''اچھا...... جاؤ تم، وہاں بیٹھو، مجھے کچھ سوچنے دو۔'' عمکیہ نے ہاتھ جوڑ کر جیسے جان چھڑوانی چاہی تھی، اسے فی الوقت تواضع کے بارے میں سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے تھے۔

''بس سوچتی رہنا، بے عزتی مت کروانا میری، جب بھی آتی ہوں تم لوگوں کو ایک ہی سیاپا پڑ جاتا ہے۔'' وہ بکتی جھکتی باہر نکل گئی تھی، عمکیہ کا دماغ اور بھی بوجھل سا ہو گیا، وہ بھاری سر کو پکڑ کر بیٹھ گئی تھی، معاً کچن میں کھٹکا سا ہوا تھا، عمکیہ نے جلدی سے سر اٹھا کر دیکھا، کچن میں عشیہ کھڑی تھی، لکڑیوں کی گانٹھ کو فرش پہ رکھے موڑے کی دوائیاں باسکٹ میں ڈال رہی تھی۔

یعنی عشیہ گھر آ چکی تھی، عمکیہ کا رگوں میں جمتا خون پگھلنے لگا تھا، وہ اپنی جگہ سے بے ساختہ اٹھی۔

''عنیہ لوگ کب آئے؟'' اس کا انداز سرسری سا تھا۔

''ابھی۔'' عمکیہ نے جلدی سے بتایا۔

''رشتہ ڈالنے آئے ہیں کیا؟'' عشیہ کا لہجہ اور بھی سرسری سا ہو گیا، انتہائی نارمل، جیسے یہ کوئی معمولی بات ہو، ایک زمانے میں آنٹی نے زریاب اور عشیہ کا ایک ساتھ نام نہ لیا ہو، جیسے عشیہ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہ ہو۔

''ہاں۔'' عمکیہ کی نگاہ جھک گئی تھی، وہ عشیہ کے سامنے شرمندہ ہو گئی۔

''گھر میں تو کچھ نہیں ہو گا؟'' عشیہ نے مزید سوال کیے بغیر پرسوچ انداز میں کہا تھا، اس کا سر بے ساختہ نفی میں ہل گیا تھا۔

''یہ عنیہ عموماً بلا کی طرح نازل ہوتی ہے۔'' عمکیہ کا دل جل سا گیا، وہ اپنی سفید پوشی کا جتنا بھرم بنا کر رکھتی تھیں، عشیہ اتنا ہی خود کو ظاہر کر ڈالتی، بنی بنائی عزت کو خاک میں ملا ڈالتی تھی۔

''چلو خیر ہے، اس کا اچانک پروگرام بن گیا ہوگا۔'' عشیہ نے کوئی کٹیلا تبصرہ نہیں کیا تھا، اسے بڑی حیرت ہوئی تھی، ورنہ عشیہ تو عنیہ کے وہ لتے لیتی کہ حد نہیں تھی۔

''اب کیا ہوگا عشیہ!؟'' عمکیہ نے متفکر انداز میں کہا، وہ اس کا تفکر سمجھ رہی تھی۔

''کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔'' اس کا اطمینان قابل دید تھا، وہ جوگرز اتار کر پیر مسل رہی تھی، شاید تھک گئی تھی۔

''تم کہیں سے ادھار رقم پکڑ لاؤ۔'' عمکیہ نے مشورہ دیا۔

''اس سے کیا ہوگا؟'' وہ پوچھنے لگی تھی، جیسے اسے عمکیہ کا مشورہ کچھ بھایا نہیں تھا۔

''راشن خرید لیں گے۔'' عمکیہ کی آواز بوجھل ہوئی۔

''اور کھانا کیا رات کو کھلاؤ گی؟'' عشیہ کا انداز طنزیہ تھا، کہہ تو یہ ٹھیک رہی تھی، کب ادھار رقم ملتی؟ کب راشن خریدا جاتا؟ کب کھانا تیار ہوتا؟ تب تک عنیہ کی ساس ان پہ لعنت ڈال کر جا چکی ہوتیں، وہ بڑی نخریلی، مغرور اور اسٹیٹ فارورڈ خاتون تھیں، پھر عنیہ کی عزت کا سوال تھا اور زریاب کے رشتے کا بھی، آخر نصیب والوں کے گھر میں زریاب جیسے رشتے آتے تھے، ایسے رشتوں کو گنوانا عقل مندی نہیں تھی۔

''پھر کیا کریں؟'' عمکیہ جیسے بے بس ہوگئی۔

''کچھ کرتی ہوں۔'' عشیہ پرانے جوگرز کو پھر سے دیکھنے لگی، جرابیں پہنیں، سوجی انگلیاں چھپ سی گئی تھیں، ایک مرتبہ پھر تسمے کس کے وہ الرٹ کھڑی تھی، باہر جانے کے لئے تیار۔

جانے وہ کہاں جا رہی تھی؟ اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی، جانے وہ کیا لینے جا رہی تھی؟ عمکیہ ہکا بکا رہ گئی، اب عشیہ نجانے کب آئے گی؟ کیا عنیہ لوگ اتنی دیر تک رکیں گے؟ اور کیا عشیہ کچھ لے کر آئے گی بھی یا نہیں؟ ایک ایک سوالیہ نشان عمکیہ کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر اسے خوفزدہ کر رہا تھا۔

☆☆☆

ہوٹل اوزگل کے عقبی کھڑکی سے بادل اُمڈ اُمڈ کر اندر گھس رہے تھے، کھڑکی کا پٹ نیم وا تھا، اسامہ نے اکثر ایسے منظر مری میں دیکھ رکھے تھے، آنا فاناً اڑتے ہوئے بادل آتے اور کمروں میں بے دھڑک گھس جاتے، وہ اتنی ٹھنڈ میں ٹیرس پہ کھڑا موسم کی خوبصورتی کو انجوائے کر رہا تھا۔

کبھی اس کی سوچیں اڑتی ہوئی ندی کے پل تک سفر کرتیں اور اچانک اسے عشیہ نامی گھبرائی گھبرائی وہ لڑکی یاد آ جاتی جس سے زوردار تصادم کے بعد وہ ''فن گندھارا'' کو گنوا بیٹھا تھا، پھر اسی عشیہ نامی لڑکی کی ماں کے لئے دوائیں ڈھونڈ کر لانا۔ اس کے گھر تک پہنچنا اور رکائی کی ''شرط'' کو جتائے بغیر لوٹ آنا، سب کچھ کتنا عجیب تھا، کیا وہ ہر ایک کے لئے اتنی ''ہمدردی'' رکھتا تھا، کہ زبانی بتائی گئی بیماری کے مطابق منگورہ کے ہر بڑے میڈیکل سٹور کی خاک چھان کر دوائیاں لے آتا؟

ایسا ہر گز نہیں تھا، اس کے دل نے کوئی سوفٹ کارنر ضرور محسوس کیا تھا، وہ سوچتا اور دل خود

Joy

میڈورا پرفیومڈ ٹالک
کی تازگی جگاتی
خوشبوؤں سے
ملے آپ کو مہکتا فریش
احساس جو رہے دن بھر
آپ کے ساتھ

Cherish

8 مختلف دلفریب خوشبوؤں میں دستیاب ہے

جن میں Pleasure, Chersih, Joy, Season, Passion
Dignity, Greetings اور Salute شامل ہیں

MEDORA OF LONDON

بخود تائید کرتا، ایسے ہی بادلوں میں لہراتی ابابیلوں پہ غور کرتا اس کی سوچوں کا پنچھی گنہ گار پہاڑی کے پیچھے اس قبرستان کی طرف اڑنے لگا تھا، جب وہ بے دھڑک کسی کے خاندانی قبرستان کی حدود میں داخل ہو گیا تھا۔

پھر وہاں اس نے ایک حیران پریشان کردار کو دیکھا، گم ساکت اور بے حس، معاً منظر بدل گیا تھا، کچھ پل بعد وہ لڑکی بھاگتی ہوئی اسامہ کے پیچھے آ گئی تھی، پھر اس کے لبوں سے ایک نغمہ پھسل گیا تھا، اچانک اس لڑکی نے عجیب سی فرمائش کی تھی، اتنی عجیب کہ اسامہ حیران رہ گیا تھا، وہ اس کا نام پوچھ رہی تھی، اسامہ پہلے تو متحیر ہوا، پھر ہونق بنا اور بعد میں سنبھل کر نام بتا دیا، وہ جو بھاگنے کے لئے پر تول رہا تھا، لمحہ بھر کے لئے رک سا گیا، پھر اس نے بھی ویسا ہی سوال دہرایا تھا۔

''اور آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟'' اس نے شائستگی سے دریافت کیا، اگر یہ اوز گل کا بتایا قبرستان تھا، جس کے ایک مخصوص کونے کی اس نے نشاندہی بھی کی تھی، جس کی کھدائی کے بعد اسامہ کو مطلوبہ نوادرات مل سکتی تھیں اور یہ قبرستان اس لڑکی کے اقربا یا احباب کا تھا تو اسامہ کو اجازت لینے کے لئے اس سے اچھا موقع نہیں مل سکتا تھا، وہ اس لڑکی سے کھدائی کی اجازت لے سکتا تھا، سو اسی خیال سے اسامہ کو گفتگو طویل کرنا پڑی تھی۔

کچھ پل کے لئے وہ لڑکی سوچ میں ڈوب گئی تھی، پھر اس نے ایک افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔

''مجھے حمت کہتے ہیں۔'' اس کی آواز بھی افسردہ تھی، انداز بھی افسردہ تھا، اسامہ کو وہ سراپا افسردہ ہی لگی تھی، نم نم سی، نمناک سی، غمناک سی۔

''حمت یعنی حیاء والی؟'' اسامہ نے برجستہ کہا، لڑکی کی نمناک آنکھوں میں نمی سی تیر گئی تھی۔

''جو بھی سمجھ لیں۔'' اس کا انداز مبہم تھا۔

''آپ یہاں؟'' وہ جیسے اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ حمت یہاں کیوں آئی ہے؟ اور یہ بھی کہ اس قبرستان سے اس کا کیا تعلق تھا؟ اسی حساب سے وہ کھدائی کے لئے اجازت طلب کر لیتا۔

''میں اپنی ماں کی قبر پہ آئی تھی۔'' حمت کی غمزدگی بڑھ گئی تھی، اسامہ بری طرح افسوس ہوا تھا۔

''ویری سیڈ۔'' اسامہ کو حقیقتاً دکھ ہوا، وہ لڑکی حمت کچھ پل کے لئے چپ ہو گئی تھی پھر اس نے پرسوز فضا کو توڑتے ہوئے بتایا تھا۔

''میں پہلے بھی آپ کو دیکھ چکی ہوں، پرانے قبرستان کے احاطے سے باہر۔'' حمت کے یاد دلانے پہ اسامہ کو یاد آ گیا تھا، اسے تب بھی نیم افسردہ ایک لڑکی دکھائی دی تھی، رومال ڈھکے تھال کو اٹھائے ہوئے، وہ تب جلدی میں تھا، اردگرد پہ غور نہیں کر سکا تھا۔

اور اس وقت اسامہ کو یاد آ گیا تھا، یہ وہی لڑکی تھی، جو پچھلی طرف سے ہوتی ہوئی اس قبرستان تک آئی تھی۔

''یقیناً دیکھا ہو گا۔'' اسامہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ایکچوئلی میں ایک آرکیالوجسٹ ہوں اور ملکوں ملکوں شہروں شہروں گھومتا ہوں۔'' اس نے

اپنے کام کی تفصیل بتائی تھی، پھر وہ جلد ہی مطلب کی بات پہ آ گیا تھا۔
"اگر آپ برا نہ منائیں، تو میں اس احاطے میں کھدائی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے کھدائی کے پس منظر کی وضاحت بھی کر دی تھی، حمت لمحہ بھر کے لئے بھونچکی رہ گئی تھی۔
"کیا قبروں کی کھدائی؟" یا تو حمت بہت غائب دماغ کمڑی تھی یا پھر اس کی بات نہیں سمجھی تھی، یوں کہ اسامہ کو دوبارہ سے تفصیل بتانا پڑی تھی۔
"ہرگز نہیں۔" اسامہ نے فوراً نفی میں سر ہلایا، وہ قبروں کے تقدس کو کیوں خراب کرتا، اس نے کھدائی کے لئے اس مخصوص کونے کی طرف اشارہ کیا تھا، جہاں پہ خوبانی کا بڑا درخت تھا، حمت کی ہاں کے سرہانے کی جانب، سیبوں کے شگوفے جہاں مسلسل گرتے تھے، سیب کا درخت جہاں سایہ فگن تھا، اس کی آنکھوں میں تحیر سا ابھرا۔
"وہاں سے کیا ملے گا؟" وہ بڑی حیرت اور بے یقینی سے پوچھ رہی تھی، جیسے اسے یقین نہیں آ رہا تھا، بھلا اس اجنبی سیاح کو وہاں سے کیا مل سکتا تھا؟ سوائے خشک مٹی، کنکر، بجری، اینٹ پتھر کے؟

(باقی اگلے ماہ)

میں، محبت اور تم

صبا جاوید

''لڑکیو بس کرو مزید کتنا وقت لوگی۔'' تائی اماں نے دسویں بار لڑکیوں کو ٹوکا جن کی تیاری ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی، ہر کوئی ایک سے بڑھ کر ایک نظر آنا چاہتی تھی۔

''تم لوگ ایک ہی نظر میں میرے بھائی کو کلین سویپ کرنا چاہتی ہو۔'' ردا نے ان کی گھنٹوں سے کی جانے والی محنت پر تنقید کرتے ہوئے کہا اور اظہار کے طور پر ایک زبردست مکا بھی ماورا کو جڑ دیا جو درد سے بلبلا اٹھی لیکن نیچرل گلوز کی شیڈنگ ہونٹوں پر جاری رکھی۔

''ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے ہمارا، وہ تو تمہارا بھائی ہمیں دیکھ کر ویسے ہی کلین بولڈ ہونے والا ہے۔'' ہانیہ نے اک ادا سے کہا اور آئینے میں اپنے قد آور وجود کی تیاری کا حتمی جائزہ لینے لگی، اس کا غرور اور اعتماد کچھ غلط بھی نہ تھا وہ ''امن کدہ'' کی سب سے حسین لڑکی تھی، ویسے تو تمام لڑکیاں ہی حسن و جمال میں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں مگر جو جاذبیت، کشش اور نزاکت اس کے حصے میں آئی، وہ کسی اور میں نہ تھی اس کی ایک وجہ اس کی والدہ رانیہ تائی بھی ہو سکتی تھیں جو خود بھی خاصی اپ ڈیٹ رہتی تھیں اور ہانیہ پر بھی ایکسٹرا توجہ صرف کرتیں۔

''ہانیہ کمال میرا بھائی ایسا دل پھینک نہیں۔'' ردا کے لہجے میں بھائی کے لئے فطری مان اور غرور تھا، نور العین انہیں وہیں گپوں میں مصروف چھوڑ کر آگے بڑھ گئی، تائی امی نے کچن میں ہڑبونگ مچا رکھی تھی، پورے گھر میں عجیب سی افراتفری کا عالم تھا، ہر شے پر خصوصی توجہ دی جا رہی تھی، کھانے کی تیاری سے لے کر امن کدہ کی صفائی ستھرائی تک، تائی امی کی تنقیدی آواز پورے امن کدہ میں گونج رہی تھی۔

''سبط اپنے تایا ابا کو کال کرو وہ وصی کو لینے

مکمل ناول

ائیر پورٹ پہنچے یا نہیں۔'' انہوں نے پاس سے گزرتے سبط کو پکارا۔
''تائی امی، تایا پاپا تو کب سے نکل گئے۔''
اس نے اطلاع بہم پہنچائی۔
''رانیہ تم ایک بار کھانے کے انتظامات دیکھو سب کچھ مکمل ہے نا۔'' انہوں نے چھوٹی تائی کو پکارا، انداز میں عجلت نمایاں تھی۔
''سب کچھ مکمل ہے بھابھی، آپ بس ریلیکس ہو کر بیٹھ جائیں۔'' رانیہ تائی نے انہیں پرسکون کرنا چاہا۔
''پتہ نہیں یہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہی نہیں رہیں رانیہ، دس سال بعد میرا بیٹا لوٹ رہا ہے۔'' فرط جذبات سے وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

☆☆☆

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ سو گئی، شام کو پانچ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، منہ پر دو چار چھپاکے مار کر بالوں میں برش چلا کر، دوپٹہ کندھوں پر پھیلا کر وہ نکلنے والی تھی جب امی کی آواز نے اس کے قدم زنجیر کر دیئے۔
''نور کہاں جا رہی ہو؟''
''امن کدہ امی حمزہ کو پڑھانے۔''
''تمہیں پتہ ہے نا آج وہاں سب مصروف ہیں۔'' امی کے تیور کڑے تھے۔
''اچھا لوچھ تو آنے دیں۔'' ان کی بے وجہ روک ٹوک پر کلستی وہ منہ بسور کر بولی اور دوسری بات کا موقع دیئے بغیر کھڑکی پھلانگ گئی، جو نور کے گھر کے صحن اور امن کدہ کے پورٹیکو کا حصہ تھی، جبکہ امی سر پکڑ کر رہ گئیں۔
''اس لڑکی کو کب عقل آئے گی، یہ کب سمجھے گی۔'' یہ کب سمجھے گی ان کے رویوں کے تضاد اور آنکھوں کی حقارت، چائے کا کپ کشف نے تمام کر امی نے تاسف سے کہا، جو نور کی لاپرواہ حرکتوں سے اکثر نالاں رہتیں۔
''امی کیوں پریشان ہوتی ہیں، بچی ہے خود ہی سمجھ جائے گی۔'' کشف نے اس کا دفاع کرنا چاہا۔
''کب سمجھے گی کشف، میں نہیں چاہتی وہ ٹھوکر کھا کر سنبھلے۔'' راحیلہ آبدیدہ ہو گئیں۔
''اللہ نہ کرے امی کیسی باتیں کرتی ہیں، اتنی کم عمر تو ہے ابھی وقت کے ساتھ ساتھ خود ہی میچور ہو جائے گی۔'' کشف نے دلاسا دیا تو وہ دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھنے لگیں۔
سردیوں کی سرد سی شام تھی، سر شام ہی اندھیرے نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، امن کدہ کے در و دیوار بھی سیاہی میں ڈوبتے جا رہے تھے مگر ہر طرف چمکتی برقی روشنیوں نے تاریکی کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا، لبوں پر معصوم سی مسکان لئے وہ گلاس ڈور دھکیلتی اندر بڑھ گئی۔
لاؤنج میں شادی کا سا سماں تھا، ٹیبل پر ڈھیروں تحائف پڑے تھے کچھ پیکنگ میں تھے اور کچھ کے کور اتار دیئے گئے تھے، آج غیر متوقع طور پر تمام افراد ہی گھر پر موجود تھے، تائی امی، تایا ابو، چھوٹے تایا اور تائی، سارے چچی، چچیاں اس کے علاوہ سب کی اولادیں، ہاں ایک شخص نیا تھا جو دس سال بعد لندن سے لوٹا تھا، جس کے شاندار تعلیمی ریکارڈ، بہترین جاب، پرکشش شخصیت اور خصوصاً مشرقی عادات کی تعریف اس نے ہمیشہ سنی تھی مگر دیکھا آج تھا، وہ شخص جس کی آمد سے ہر شخص شادمان و مسرور تھا، تائی امی کی خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی، وہ شخص ان کے درمیان کسی سلطنت کے شہزادے کی طرح بیٹھا تھا، بے حد خوبرو، جاذب، پرکشش اور خوبصورت، اس کے لبوں پر مچلتا مبہم سا تبسم کسی

قدر بھلا لگ رہا تھا۔

''السلام علیکم!''

اس کی آواز سے لاؤنج میں ایک دم سکون در آیا، سب نے یکدم مڑ کر دیکھا، اتنی ساری نگاہیں خود پر جمی محسوس کر کے وہ بری طرح پزل ہوئی، وصی نے بھی اس لڑکی کو غیر ارادی طور پر نظر اٹھا کر دیکھا، مرینہ کا سادہ سا میرون سوٹ پہنے وہ سولہ یا پندرہ سال کی کمسن لڑکی تھی جسے اک نظر دیکھ کر وہ تائی امی کی سمت متوجہ ہو گیا۔

''تم آج کیا کرنے آئی ہو؟'' چچی جان کا لہجہ نرم مگر نقوش تنے اور مرتعش سے تھے، جس کا واضح مطلب تھا کہ انہیں اس کی آمد اچھی نہیں لگی۔

''مم...... میں حمزہ کو پڑھانے آئی تھی۔'' چھوٹی چچی کا حمزہ اس سے بہت مانوس تھا اور بس اس سے ہی قابو آتا تھا لہٰذا حمزہ کی وجہ سے مجبوراً وہ اسے برداشت کر لیا کرتی تھیں دوسرا حمزہ اس سے پڑھ بھی لیتا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے آج وصی آئے ہیں اس لئے حمزہ ایک ہفتہ چھٹی کرے گا۔'' لوازمات سے بھری ٹرالی کھینچتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوتی ہانیہ نے جواب دیا جس کا لہجہ قدرے جتاتا تھا۔

وہ چند لمحے وہاں کھڑی رہی، مگر وہ سب دوبارہ اپنی سرگرمیوں میں معروف ہو گئے جیسے وہ وہاں تھی ہی نہیں، اس کی آنکھوں میں دھند اترنے لگی، اس کا دل بجھ سا گیا، وہ جس قدر یہاں آتے ہوتے خوش اور پرجوش تھی واپسی پر اتنی ہی اداس اور دکھی تھی، اپنوں کی اس ناقدری اور تلخ رویے پر وہ مرے مرے قدموں سے لوٹ آئی، سب سے پہلے اس کا سامنا والدہ سے ہوا، جن کی جتاتی نگاہوں نے تب تک اس کا تعاقب کیا جب تک وہ کمرے میں بند نہیں ہو گئی، اس کی اتری شکل دیکھ کر وہ اندازہ کر سکتی تھیں کہ وہاں اس کے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔

☆☆☆

امن کدہ وسیع اراضی پر پھیلا شاندار طرز تعمیر کے حامل روایتی سا گھر تھا، جس کو فضا خاتون اور محسن شہزاد کی پانچ اولادوں نے آباد کیا، محسن شہزاد کے پانچ بیٹے تھے البتہ بیٹی جیسی نازک اور قیمتی متاع سے محروم تھے۔

سب سے بڑے عباس تایا تھے، ان کے آنگن کی رونقیں وصی عباس اور وردہ عباس سے مشروط تھیں اور ازدواجی زندگی رابعہ سے منسلک تھی، دوسرے نمبر پر کمال شہزاد تھے ان کی زوجہ بے حد الٹرا ماڈرن رانیہ تھیں جن کی ایک ہی لاڈلی بیٹی ہانیہ کمال تھی، تیسرے نمبر پر حیدر تھے ان کی شریک حیات سادہ لوح، کم پڑھی لکھی اور کم گو سی راحیلہ خاتون تھیں ان کی دو بیٹیاں کشف اور نور العین تھیں، ان سے چھوٹے رامش چاچو تھے، عالیہ کے ساتھ بے حد خوش وخرم ان کے تین بچے تھے ماورا، سبط اور سلمان، سب سے چھوٹے عدن چاچو تھے، جن کی ہنس مکھ، خوش شکل اور ملنسار سی عائشہ چچی سے جوڑی بنی اور سات سالہ حمزہ ان کی زندگی کا دیا تھا۔

جب تک دا جی (محسن شہزاد) حیات رہے اس خاندان کو ایک لڑی میں پرو کے رکھا، ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی سب اپنی اپنی زندگیوں میں معروف ہو گئے، اسی اثناء میں حیدر شہزاد کی بے وقت اور جوان موت نے جہاں راحیلہ چچی کو بیوگی کی چادر اوڑھائی وہیں کشف اور نور العین کو یتیمی کے صدمے سے آشنا کر دیا۔

شروع شروع میں سب لوگ اس اجڑے خاندان کی دلجوئی کرتے رہے مگر رفتہ رفتہ سب ساتھ چھوڑ گئے، تمام بھائیوں نے اپنے اپنے

حصے الگ کر لئے تو نہایت ایمانداری سے حیدر شہزاد کا حصہ ان کی زوجہ کو دے دیا گیا، باقی سب نے مل کر مشترکہ کاروبار شروع کر لیا جبکہ تعلیمی شعور سے نابلد راحیلہ کاروبار سنبھال نہ سکیں اور تمام پیسہ ڈوب گیا۔

تمام بھائیوں نے جدید دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حویلی از سرنو تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا، اس پر خطیر رقم کی لاگت آئی تھی، اسے تمام بھائیوں میں برابر تقسیم ہونا تھا۔

راحیلہ سے جب مالی حصہ داری کے لئے پوچھا گیا تو انہیں مجبوراً انکار کرنا پڑا، لہٰذا حویلی میں ان کے حصے پر دیوار اٹھا کر الگ کر دیا گیا اور باقی پورا گھر دوبارہ اور جدید طرز پر تعمیر کیا گیا۔

شادی کے اولین چند سالوں تک راحیلہ نے گھلنے ملنے کی کوشش کی مگر تمام بھائیوں کا رویہ ان سے لیا دیا تھا رہی سہی کسر حیدر کی موت نے پوری کر دی تو اب وہ بالکل ہی نظر انداز ہونے لگیں اور آخر نتیجہ علیحدگی پر ہوا۔

بھائی کھڑے کھڑے آتے بھاوج سے رسمی سلام دعا اور حال احوال پوچھ کر چلے جاتے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ روایت اور رسمی سلام دعا کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اور لاتعلقی کی دبیز چادر تن گئی۔

راحیلہ خاتون وقت کی کج روی اور حالات کے الٹے چکر پر بھی خدا کی رضا پر راضی تھیں، انہوں نے گھر کا تھوڑا سا حصہ زیر استعمال رکھا اور باقی داخلی دروازہ الگ کر کے کرائے پر چڑھا دیا، جس سے اچھا گزارہ نہ سہی لیکن سفید پوشی کا بھرم قائم تھا، کشف ان کی بے حد سمجھدار، غمگسار، حالات کے سانچے میں ڈھلی بیٹی تھی، وہ لبوں پر قفل باندھے جانفشانی سے ماں سے شکوہ کیے بغیر حالات کا مقابلہ کرنے کو تیار رہتی، ذہین تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اب تک اسکالر شپ پر پڑھتی آ رہی تھی، وہ میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی، راحیلہ اسے دیکھ کر جتنی مطمئن اور خوش تھیں نور العین کا بچپنا اور غیر سنجیدہ رویہ انہیں اتنا ہی فکر مند رکھتا۔

جس امن کدہ میں خصوصی تقریبات کے علاوہ راحیلہ خاتون نے کبھی شرکت نہ کی تھی، نور العین اکثر ہی وہاں پائی جاتی، تکلیف انہیں اس کے جانے کی نہیں بلکہ وہاں کے مکینوں کی مادیت پرستی سے تھی، جو رشتوں کو مادیت پرستی اور امارت کے ترازو میں تولتے تھے، ان کی مالی حالت اور معمولی لباس پر وہ مارے شرم کے ان کو کسی سے ملانا پسند نہیں کرتے تھے۔

کشف اور امی کے سمجھانے کا بھی اس پر چنداں اثر نہیں ہوتا۔

وصی عباس خاندان بھر کا بڑا بیٹا چودہ سال کی عمر میں اپنے ماموں کے پاس لندن چلے گئے، کچھ اس وجہ سے کہ رابعہ تائی (وصی کی والدہ) اسے معیار کی اعلیٰ بلندیوں پر دیکھنا چاہتی تھیں، اب بارہ سال بعد وہ مستقل طور پر پاکستان شفٹ ہو رہے تھے، ان دس سالوں میں بڑوں کے بالوں میں چاندی چمکنے لگی اور چھوٹی پود بچپن کا سفر چھوڑ کر جوانی کی دہلیز پر آن ٹھہری، حیدر چاچو ابدی نیند سو گئے، ہاں بدلا نہیں تو امن کدہ کے مکینوں کا پیار اور یکجہتی۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ مشترکہ کاروبار کیا جا رہا تھا، ایک حصہ بھی الگ ہونے کا مطلب مجموعی اور انفرادی نقصان، یوں وہ جیسے مجبوراً یا مصلحتاً ایک دوسرے سے بندھے تھے، وصی عباس طویل عرصے بعد اپنے اصل کی طرف لوٹے، نور العین تب چھ سال کی تھی وہ تو اسے یاد بھی نہ تھی البتہ کشف اور راحیلہ چچی کے بارے

میں اس نے سرسری سا پوچھا لیکن سب ہی گول جواب دے کر بری الذمہ ہو گئے تو وہ بھی خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

''بہت سیلفش، کھڑوس، بے وفا اور بے مروت قسم کا بھائی ہے تمہارا۔'' ردا لیپ ٹاپ کھولے منتھلی رپورٹ بنانے میں مصروف تھی جب ہانیہ کمال لال بھبھوکا چہرہ لیے آئی۔

''کیا کر دیا میرے بھائی نے۔'' وہ اپنا کام چھوڑ کر اس کی سمت متوجہ ہوئی۔

''ڈیلی گڈ مارننگ، گڈ نائٹ اور ہزاروں فارورڈ میسج کرتی ہوں مگر مجال ہے جو رسپانس دیں۔'' ردا کو بے ساختہ ہنسی آئی۔

''برا مت منانا ہانی، ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے تمہیں انہیں مارننگ، نائٹ وش کرنے کی کیا ضرورت ہے، بھائی تھوڑے اور ٹائپ کے ہیں وہ بلاضرورت سیل یوز نہیں کرتے، تھوڑا وقت دو انہیں، یہاں کا ماحول اپناتے ہوئے انہیں ٹائم تو لگے گا نا، اور ان دنوں اپنا نیو سیٹ اپ ڈیولپ کرنے میں وہ اتنے بزی ہیں کہ کئی کئی دن تو میں ان کی شکل نہیں دیکھ پاتی۔'' ہانیہ کمال کے آگ کی طرح گرم اور خطرناک غصے سے ردا خوب واقف تھی تب ہی تفصیلی جواب دیا۔

''او کے مان لیا، آتے ہی برخوردار بن گئے مگر اتنی بھی کیا لاتعلقی میں نے ایس ایم ایس کیا کہ مجھے سینٹر سے پک کر لیں لیکن جواب ندارد، آخر خود کو سمجھتے کیا ہیں۔'' اس کا پارہ مزید چڑھا۔

''ریلیکس بھائی بہت اچھے ہیں، تم فضول باتیں سوچ کر ان کے بارے میں اپنا نظریہ خراب مت کرو ضرور کوئی مسئلہ ہوگا ورنہ وہ ایسے ہرگز نہیں۔''

''بس...... بس اب تم مزید ان کی شان میں قصیدے پڑھنے مت بیٹھ جانا۔''

''او کے بابا نہیں پڑھتی، جاؤ شاور لو اور فریش ہو جاؤ تب تک میں تمہارے لئے فریش جوس بنا کر لاتی ہوں۔'' ردا نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی جلتی کڑھتی واش روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

وصی اپنے کسی دوست سے ملنے آیا تھا جب سفید اوور آل پہنے اسٹیتھسکوپ گلے میں لٹکائے پروقار سی لڑکی پر وصی کو کشف کا گمان گزرا، وجہ یہ تھی کہ اس کے نقوش میں نمایاں طور پر شباہت راحیلہ چچی کی تھی، اس کے علاوہ گھر سے بھیجی گئی عزیزوں کی شادی کی تصویروں میں بھی کبھی کبھار نظر آ جاتا تھا یہ چہرہ۔

''ایکسکیوزمی۔'' وہ پاس سے گزری تو وصی نے پکارا۔

''جی۔'' اس نے مڑ کر دیکھا۔

''آر یو کشف۔'' اس نے تصدیق کے لئے پوچھا۔

''یس بٹ سوری ٹو سے میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' اس نے شائستگی سے معذرت کی۔

''میں وصی عباس، آپ کے عباس تایا کا بیٹا۔'' وہ کشف ہی تھی یہ جان کر وہ قدرے دوستانہ انداز میں بولا اور اپنا تعارف کروایا۔

''آئم ساری میں نے آپ کو بالکل نہیں پہچانا۔'' وہ فوراً نادم ہوئی۔

''اٹس او کے کیا یہیں کھڑی کھڑی بات کریں گی یا کہیں چلیں۔''

''اوہ مجھے خیال ہی نہیں رہا آئیں Assesment روم میں چلیں۔'' اس نے کہا تو وہ اس کی تقلید میں چل پڑا، کشف نے انٹر کام پر کافی کا آرڈر دیا اور وصی اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔

''اب بتاؤ تم لوگوں کو معلوم تھا کہ میں پاکستان آیا ہوں تو مجھے ملنے کیوں نہیں آئے؟'' اس نے شکوہ کیا۔

''بس مصروفیات بہت زیادہ ہے۔'' اس نے بہانہ گھڑا، وصی کے بے تکلف انداز سے وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ بیتے وقت اور حالات سے بے خبر رکھا گیا ہے۔

''خیر تمہاری مصروفیت تو سمجھ آتی ہے، امن کدہ کی پہلی لڑکی ہو جو کچھ ڈھنگ کا کام کر رہی ہے باقی تو سب فضول ایکٹیوٹیز میں بزی ہیں۔'' وہ برامانے بغیر بولا۔

''اچھا بھائی آپ کب تک ہیں پاکستان۔'' اس نے موضوع بدلا۔

''لاحول ولا قوۃ...... حد ہو گئی لاتعلقی کی، بھئی مستقل طور پر پاکستان شفٹ ہو گیا ہوں۔'' وہ جی بھر کر حیران ہوا اور کشف ایک بار پھر گڑبڑا کر رہ گئی۔

''اوہ نور نے بتایا تھی تھا پھر بھی میرے ذہن سے نکل گیا۔'' اس نے اپنی غلطی تسلیم کی۔

''اچھا میں آج آؤں گا اور تم لوگوں کے الگ شفٹ ہونے کی وجہ بھی پوچھوں گا، مجھے اپنا کانٹیکٹ نمبر دو۔'' اس نے پیار بھری دھونس سے کہا تو کشف نے خاموشی سے نمبر فیڈ کروایا، پھر چند اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ چلا گیا اور کشف کے سینے پر ماضی کی تلخیوں کا اک بوجھ لاد گیا۔

☆☆☆

''گڈ مارننگ کشف۔''

''You are the most intelligent and industrious girl of aman kadah congratulations for suth a great and progressive profession''

(آپ امن کدہ کی سب سے ذہین اور محنتی لڑکی ہیں اس عظیم اور ترقیاتی پیشے پر بہت بہت مبارک ہو)

کشف باتھ لے رہی تھی جبکہ نور کسلمندی سے لیٹی ٹی وی پر اسٹارز پر مبنی پروگرام دیکھ رہی تھی جب موبائل کی میسج ٹون بجی۔

نور کا ارتکاز ٹوٹ گیا، اس نے موبائل اٹھا کر پیغام دیکھا تو دوسری سمت وصی عباس تھا، اس نے پیغام پڑھا اور جواباً تھینک یو لکھ کر ٹائپ کر کے سینڈ کر دیا، وہ ابھی واپس اپنی جگہ پر بھی نہیں بیٹھی تھی جب اس کا دوسرا ٹیکسٹ موصول ہوا۔

''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں اور آپ؟'' جواباً اس نے پوچھا۔

''فٹ فاٹ، مزے ہیں، کیا کر رہی ہو؟''

''ٹی وی دیکھ رہی ہوں۔'' نور کی اب تمام تر توجہ وصی عباس پر تھی۔

''کون سا پروگرام؟'' اگلا سوال آیا۔

''اسٹارز پر ریسرچ۔''

''واہ، تمہارا اسٹار کیا ہے؟'' اس نے فوراً استفسار کیا۔

''Leo (اسد)۔''

''گریٹ یو نو Leo اور کینسر ایک دوسرے کے لئے بہت موافق ہیں، یہ بہترین دوست بھی بن سکتے ہیں اور بہترین ازدواجی زندگی بھی گزار سکتے ہیں۔'' کشف یہ ٹیکسٹ پڑھتی تو یقیناً اس کا ردعمل کچھ اور ہوتا لیکن نور نے توجہ نہیں دی۔

''اور کیا جانتے ہیں آپ Leo کے بارے

میں۔'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اس اسٹار کے لوگ ہمیشہ دلوں پر راج کرنا چاہتے ہیں، ان کا انداز دوستانہ اور قدرے شاہانہ ہوتا ہے، یہ سب کو اپنے نقطہ نظر کا حامی دیکھنا چاہتے ہیں مگر خود من موجی ہوتے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''آپ کا اسٹار کینسر ہے؟'' نور نے لکھا۔

''آپ کو کیسے پتہ؟'' وہ متحیر تھا۔

''آپ نے خود ہی کچھ دیر پہلے ذکر کیا تھا Leo اور کینسر کے بارے میں۔'' اس نے حوالہ دیا۔

''یار مان گئے بہت ذہین ہو، ایسے ہی تو ڈاکٹر نہیں بن گئی۔'' وہ متاثر نظر آیا۔

''مجھے پتہ ہے کینسر اسٹار کے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟''

''اچھا بتاؤ پھر؟'' وصی کو نور کی باتوں میں دلچسپی محسوس ہوئی، اپنی دانست میں اسے کشف سمجھ رہا تھا۔

''یہ بہت ضدی، خود سر اور اکھڑ ہوتے ہیں، جو بات ٹھان لیں وہ کر کے ہی دم لیتے ہیں کسی کے کنٹرول میں نہیں آتے، فطری رشتوں کے بارے میں بہت پوزیسیو ہوتے ہیں بہت موڈی اور ذہین بھی ہوتے ہیں۔'' نور کو اسٹارز کے بارے میں پڑھنے کا بے حد شوق تھا سو جو پڑھا تھا بتا دیا، دوسری طرف اس کا جواب پڑھکر وہ اپنی مسکراہٹ دبا نہیں سکا، اسے کشف سے اس قدر صاف گوئی کی امید نہ تھی۔

''گریٹ کشف...... تم نے سب ٹھیک بتایا اور بلیومی میرے اسٹار کی بہت ساری خوبیاں خامیاں مجھ میں موجود ہیں۔'' زیر لب مسکراتے ہوئے اس نے ٹائپ کیا۔

اسی اثناء میں کشف واش روم سے برآمد ہوئی تو اس کی تیزی سے چلتی انگلیاں تھم سی گئیں۔

''کس کو میسج کر رہی ہو نور؟'' کشف نے پہلے گیارہ کے ہندسے کو چھوتی گھڑی اور پھر نور کو دیکھ کر دریافت کیا۔

''وصی عباس سے۔'' اس نے کہا اور مختصراً تمام بات اسے بتا دی، کے کیسے وہ کشف بن کر بات کر رہی تھی۔

''اوکے لیکن زیادہ لفٹ کرانے کی ضرورت نہیں تائی امی کو پتہ چل گیا تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا، جو ہم کسی صورت افورڈ نہیں کر سکتے۔'' تمام روداد سننے کے بعد کشف نے مدبرانہ انداز میں کہا اور الجھے بال سلجھانے لگی۔

''ایکسکیوزمی رابطہ میں نے نہیں انہوں نے کیا تھا اور نمبر بھی میں نے نہیں آپ نے دیا تھا۔'' اس نے تصحیح کی۔

''اچھا میری دادی ماں، میں احتیاط کروں گی اب سو جاؤ رات بہت زیادہ ہو گئی ہے۔'' اس کے بگڑے تیور دیکھ کر کشف نے فوراً ہتھیار ڈالے تو وہ منہ بسورتی بستر پر لیٹ گئی اور پھر اس نے بہت خاموشی سے، کشف کو بتائے بنا وصی عباس کو اپنی فرینڈ لسٹ میں ایڈ کر لیا، وہ بچپن سے اس کی خوبصورتی، ذہانت اور برجستگی کے قصے سنتی آ رہی تھی مگر اس کے ذہن کے پردے پر کہیں اس کی یاد کے تخیل کی پرچھائی نہ تھی، صرف ایک بار اس کی وصی سے بات ہوئی تھی وہ بھی ایک غلط فہمی کی بنا پر، اپنی طرف سے تو وہ کشف سے ہی بات کر رہا تھا مگر نور کو ایسا لگا جیسے وہ برسوں سے اسے جانتی ہو۔

صبح سویرے پانچ بجے اٹھ کر آنکھیں مسلتے ہوئے اس نے سب سے پہلے وصی کو گڈ مارننگ کا ٹیکسٹ کیا، اتنی صبح میسج کرنے کی مجبوری یہ تھی کہ

پھر سارا دن سیل اسے دستیاب نہ ہوتا، حیرت و استعجاب سے وہ دنگ رہ گئی جب کچھ دیر بعد اس کا سیم ٹو یو کا رپلائے آیا، کسی کو جواب نہ بھیجنے والا وصی صرف کشف کو رسپانس دے رہا تھا۔

☆☆☆

''ڈیئر فرینڈز ہمارا لانگ ٹرپ سیکورٹی کے ناقص انتظامات کی وجہ سے کینسل ہو گیا ہے مزید معلومات کے لئے انتظامیہ سے رابطہ کریں فرام سی آر۔''

نور سی آر تھی لہٰذا سب سے پہلے اسے پتہ چلا کہ ان کا لانگ ٹرپ کینسل ہو گیا چنانچہ اس نے فوراً فرینڈ لسٹ پر یہ پیغام بھیجا، جواباً لمحوں میں اسے ڈھیروں رپلائے آئے جن میں سے ایک وصی کا بھی تھا۔

''سی آر صاحبہ مجھے افسوس ہے آپ کا لانگ ٹرپ کینسل ہو گیا۔'' اس کا شرارتی سی شکل والے کارٹون کے ہمراہ جواب آیا۔

''اوہ سو سوری، میں نے تو جسٹ اپنی فرینڈز کو میسج کیا تھا مجھے نہیں پتہ کس نے آپ کو میری لسٹ میں ایڈ کر دیا۔'' وہ انجان بنی۔

''اٹس او کے مجھے برا نہیں لگا۔''

''ویسے مجھے بتائیں آپ ہیں کون؟ آپ کشف تو نہیں ہیں، یہ تو میں جانتا ہوں۔'' اس نے پوچھا۔

''جی میں ان کی چھوٹی سسٹر ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''او کے تو پھر گیارہ بجے کے بعد آپ کا تفصیلی تعارف لوں گا فی الحال تھوڑا بزی ہوں ٹیک کیئر۔'' اس نے شائستگی سے معذرت کی تو نور نے او کے کہہ کر سیل رکھ دیا۔

☆☆☆

وصی عباس ایک خوش شکل، خوش گفتار، ذہین اور وجیہہ و شکیل نوجوان تھا، رشتوں میں توازن اور ان کا احترام وہ خوب جانتا تھا مگر صنف نازک کے معاملے میں فطرتاً ذرا ضدی، خودسر، اکھڑ اور خود غرض واقع ہوا تھا، اسے مخالف جنس میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی تھی، اس کا انداز ہمیشہ دوستانہ رہتا تھا مگر کسی کو بھی وہ خاص حد عبور کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

کشف کا معاملہ کچھ اور تھا وہ نا صرف اپنے وقار بلکہ امن کدہ سے علیحدگی کے باوجود ایک خودار زندگی گزارنے کی وجہ سے اس کے لئے معتبر اور قابل احترام تھی۔

کف لنکس بند کرتا وہ ناشتے کی میز پر آیا، سب ڈائننگ ہال میں موجود تھے، امن کدہ کے بچے بڑے ہو گئے تھے، مگر ان کی مائیں اب بھی ڈانٹ ڈپٹ کر انہیں ناشتہ کرنے پر آمادہ کر رہی تھیں، کوئی افراتفری میں بیگ اٹھائے ویِن کے مسلسل بجتے ہارن پر باہر دوڑ لگا رہا تھا، کوئی لیٹ ہونے کی دھمکی دیتے ہوئے ساتھ والے کو جلدی کا ہوٹر دے رہا تھا، چھوٹی چچی زبردستی حمزہ کو سکول جانے پر آمادہ کر رہی تھیں، عالیہ چچی، رامش چاچو کو ناشتے پر اخبار کو فوقیت دینے پر ڈپٹ رہی تھیں، عجیب سی عجلت اور ہڑبونگ تھی، خوشگوار اور اپنے اندر زندگی کا بھرپور احساس لئے، ایک پیار بھری نظر اپنے خاندان پر ڈال کر اس نے پاپا (بڑے تایا) اور باقی سب کو مشترکہ سلام کیا۔

''وصی بیٹا آپ کا سائنس گروپ آف کالجز کا سیٹ اپ کہاں تک پہنچا۔'' اس کے سلام کا جواب دے کر پاپا نے دریافت کیا۔

''بس سب کچھ کمپلیٹ ہے ایک دو دن میں لوکل برانچ کو ایڈمیشنز کے لئے اوپن کر دیا جائے گا۔'' جوس کا گلاس تھامتے ہوئے وصی نے بتایا۔

''ڈیٹس ریئلی وصی بیٹے ہماری کسی بھی قسم کی

مدد کی ضرورت ہو تو ہمیں ضرور بتایئے گا۔" رامشن چاچو نے مخلصانہ پیش کش کی۔

"کیوں نہیں چاچو۔" اس نے فرمانبرداری سے کہا۔

"کیا آپ کو میرے بیٹے کی قابلیت پر شک ہے۔" چکن سپریڈ اور بریڈ وصی کے آگے رکھتے ہوئے مما جان نے کہا، ان کے لہجے میں بیٹے کے لئے محبت ہی محبت تھی۔

"بالکل نہیں ہمیں تو اپنے بیٹے پر فخر ہے، ہمارے بیٹے نے چوبیس سال کی عمر میں وہ کر دکھایا ہے جسے کرنے میں لوگوں کی عمریں بیت جاتی ہیں۔"

"پاپا پلیز مجھے یونیورسٹی چھوڑ دیں۔" نک سک سے تیار خوبصورتی کا ہر انداز اپنے اندر سمیٹے وصی عباس کو مکمل طور پر نظر انداز کرتی وہ کمال شہزاد سے مخاطب تھی۔

"چاچو آپ رہنے دیں بلاوجہ زحمت ہو گی میں اسی طرف جا رہا ہوں ہانیہ کو بھی ڈراپ کر دوں گا۔"

وہ کافی دنوں سے اسے اگنور کر رہا تھا جس پر اس کا پارہ ہائی تھی سوچا اسی بہانے اس کی غلط فہمی دور کر دے گا۔

"بہت شکریہ آپ کی پیشکش کا۔" وہ بری طرح تپی۔

"ہانی بیٹا چلی جاؤ، بھائی اتنے پیار سے کہہ رہا ہے اور مجھے ویسے بھی ابھی آفس کے لئے نکلنا ہے۔" کمال چاچو نے بھی معذوری ظاہر کر دی تو بزرگوں کا احترام کرتی وہ بنا کچھ کہے گاڑی میں آ بیٹھی۔

سفر شروع ہو چکا تھا مگر وہ لاتعلقی سی کتابیں اور بیگ گود میں رکھے بیٹھی رہی، نظریں ونڈو سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر پر تھیں، اورنج اور آف وائٹ کمبی نیشن کے سوٹ میں، نیچرل میک اپ اور کیچر میں جکڑے بال دوپٹے کو بار بار کندھوں پر سیٹ کرتی وہ ساحرہ شعاعیں بکھرتی کس قدر حسین لگ رہی تھی، وصی نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"کیا تم ناراض ہو مجھ سے۔" اس نے پوچھا۔

"آپ کو کوئی فرق پڑتا ہے؟" اس نے تڑخ کر کہا۔

"بالکل فرق پڑتا ہے کیونکہ میں اپنی ذات سے کسی کو بھی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔" اس نے کہتے ہوئے ٹرن لیا نظریں اور توجہ روڈ کی طرف تھی۔

"ہاں تکلیف نہیں پہنچا سکتے لیکن انسلٹ کر سکتے ہیں۔" وہ جلتی بھنتی بولی۔

"میں نے کب انسلٹ کی؟" وہ اچنبھے سے اس کی سمت مڑا۔

"کسی کے میسج کو نظر انداز کرنا اور ضرورت کے وقت اسے ریپلائے نہ کرنا کتنا انسلٹنگ ہوتا ہے آپ کو نہیں پتہ۔" وہ کلس کر بولی۔

"اوہ یہ بات ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"بلیو می، میں نے تمہارا ایس ایم ایس بہت لیٹ پڑھا۔" اس نے صلح جو انداز اپنایا۔

"اور ویسے بھی مجھے چیٹنگ وغیرہ کی ہیبٹ (Habbit) نہیں ہے۔"

"نہیں ہے عادت تو ڈال لیں کیونکہ یہاں پر یہی ٹرینڈ ہے۔" گیٹ کے سامنے گاڑی رکتے ہی اس نے کہا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، جبکہ وصی اس کی ناراضی پر مسکراتا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

ہانیہ کا گڈ نائٹ کا ٹیکسٹ آیا تو اسے صبح کی

فائٹ یاد آ گئی اس نے مروتاً سویٹ ڈریمز کا جوابی پیغام بھیج دیا، یوں ہی ان باکس چیک کرتے کرتے اس کے ذہن میں کشف کی بہن کا خیال آیا، کچھ دن پہلے وہ اس سے زیادہ دیر بات نہیں کر پایا تھا اور بعد میں کانٹیکٹ کرنے کا کہا تھا، وصی نے گڈ نائٹ کا ٹیکسٹ کشف کے نمبر پر بھیجا۔

''مجھے چیٹنگ وغیرہ کی ہیبٹ نہیں۔'' صبح ہانیہ کو کہا گیا جملہ اس کے ذہن میں گونجا تو اپنی بات سے پھرنے پر اسے ہنسی آ گئی مگر اپنی اس تبدیلی پر وہ ہرگز پریشان نہ تھا، تقریباً دس منٹ کے انتظار کے بعد سیم ٹو یو کا ریپلائے آیا۔

''کیا میں جان سکتا ہوں اس وقت کون آن لائن ہے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''جی بالکل جان سکتے ہیں۔'' جواباً نور نے شرارتی انداز میں کہا تو وصی سمجھ گیا کہ دوسری طرف کشف نہیں۔

''تو بتائیں پھر آپ کا نام کیا ہے؟''

''نور العین حیدر۔''

''نائس نیم، کین آئی کال یو نور (کیا میں آپ کو نور کہہ سکتا ہوں؟)'' اس نے اجازت طلب کی۔

''جی۔''

''تو نور آپ پڑھتی ہیں۔''

''جی۔'' ایک مختصر جواب۔

''کس کلاس میں۔'' اس نے پوچھا۔

''ٹینتھ اسٹینڈرڈ، سائنس گروپ۔''

نور، کشف کا سیل ہی بوقت ضرورت استعمال کرتی تھی، کشف ابھی اسے ذاتی موبائل لے کر دینے کے حق میں نہیں تھی، کشف کے ایگزامز اسٹارٹ تھے وہ رات دیر تک پڑھتی تھی، نور پہلے تو کچھ دن باقاعدگی سے وصی کو فارورڈ ٹیکسٹ کرتی رہی مگر اس کی طرف سے بھی ریپلائے نہیں آیا تو وہ خود بھی کچھ گریز برتنے لگی۔

''گڈ، آپ نے بھی ڈاکٹر بننا ہے۔'' اس نے قیاس لگایا۔

''جی۔''

''جی کے علاوہ بھی کچھ کہنا آتا ہے۔'' اس کی مسلسل جی جی کہنے پر اس نے خفیف سا چھیڑا۔

''کیسے ہیں آپ؟'' اس نے لفظ تبدیل کیے۔

''یہ ہوئی نہ بات، بالکل ٹھیک، پہلے یہ بتائیں اتنے دنوں سے کہیں غائب ہیں کوئی خیر خیر نہیں۔'' اس کی غیر حاضری پر وصی کی گہری نظر تھی یہ جان کر نیجانے کیوں اسے عجیب سی راحت محسوس ہو رہی تھی۔

''آپ ریپلائے نہیں کرتے اس لئے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''اوہ..... نور کین یو بلیو کہ میں بہت بزی ہوتا ہوں اور بہت کم سیل یوز کرتا ہوں خاص طور پر چیٹنگ کے لئے تو بالکل ہی کم، اگر آپ میری ٹائمنگز ایڈجسٹ کر لو تو آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔'' اس نے وضاحت دی اور حل بھی نکالا۔

''کیا ہیں آپ کی فری ٹائمنگز۔''

''رات گیارہ سے صبح چھ بجے تک۔'' اس نے ٹائپ کر کے سینڈ کیا۔

''اوکے دیکھتے ہیں، لیکن کیونکہ یہ میرا پرسنل سیل نہیں اس لئے ہمیشہ میں خود کانٹیکٹ کروں گی آپ نہیں۔''

''کیوں بھئی میں آپ کا کزن ہوں، ایسی رازداری کیوں۔''

''بس آپی کو پسند نہیں میرا یوں بات کرنا۔''

''تو پھر آپ نہیں کریں گی۔'' اس نے پوچھا۔

''میں نے ایسا کب کہا۔''

''اچھا لیو اٹ مجھے کچھ اپنے بارے میں بتائیں۔'' اس نے اس کے بارے میں جاننا چاہا۔

''آپ پوچھیں میں بتاتی ہوں۔''

''اچھا بتاؤ فیورٹ کلر؟''

''رائل بلیو۔''

''فیورٹ ڈریس؟''

''شلوار قمیض۔''

''پسندیدہ کھانا؟''

''چاول۔''

''پسندیدہ کھیل؟''

''کرکٹ۔''

''پسندیدہ کھلاڑی؟''

''شاہد آفریدی اینڈ وسیم اکرم۔''

''واؤ شاہد آفریدی ایک عظیم کھلاڑی ہے۔'' وصی نے مسکراتے ہوئے ٹائپ کیا۔

''مجھے پتہ ہے آپ میری ٹانگ کھینچ رہے ہیں وہ کچھ بھی پرفارمنس نہیں دیتا لیکن بس مجھے وہی پسند ہے۔'' اس کا یوں متاثر ہونا نور کو فوراً کھٹکا۔

''ارے ایسی کوئی بات ہیں سچ کہہ رہا ہوں۔'' اس نے فوراً صفائی دی۔

''مان لیا آگے پوچھیں؟'' اس نے بات ختم کی۔

''اچھا فیورٹ فلاور کون سا ہے؟''

''گل لالہ۔''

''فیشن کیسا پسند کرتی ہو؟''

''گھر کی چار دیواری میں جینز شرٹ بھی پہن لیتی ہوں لیکن گھر سے باہر آل ویز گاؤن یوز کرتی ہوں۔''

وہ جیسی تھی اس نے سچ سچ بتا دیا، پہلی بار وصی کو محسوس ہوا کہ وہ پاکستان ہے اور یہ ایک مشرقی ملک ہے ورنہ تو ترقی کی دوڑ میں دوڑتے ہوئے مسلمان اپنی روایات، اقدار اور مذہب بھولتے جا رہے ہیں، ردا اسکارف استعمال کرتی تھی جبکہ امن کدہ کی باقی تمام لڑکیاں دوپٹہ بمشکل کندھوں پر لٹکاتیں، وہ فطرتاً اپنی مرضی دوسروں پر لاگو کرنے والا نہیں تھا، لہٰذا خاموش تھا مگر نور کے بارے میں یہ جان کر نجانے اسے کیوں اچھا لگا۔

''اور آئیڈیل پر یقین رکھتی ہیں؟''

''بالکل۔''

''کس قسم کا آئیڈیل ہے آپ کے مائنڈ میں؟''

''ڈارسی جیسا، براؤن آنکھوں والا انگلش ناول کا ہیرو، مضبوط قوت ارادی کا مالک۔''

کوئی اسے اہمیت دے رہا تھا اس کی پسند ناپسند پوچھ رہا تھا اسے اندر سے ٹٹول رہا تھا یہ جان کر نور بہت خوش تھی وہ پانی کی طرح بہتی جا رہی تھی۔

''نور مجھے جلدی سے اپنی ایک اچھی اور ایک بری عادت بتائیں۔''

''اچھی عادت تو پتہ نہیں شاید بری بہت زیادہ ہیں تب ہی ہر وقت امی سے ڈانٹ پڑتی رہتی ہے۔'' اس نے دل کے زخم پھولے۔

''ابھی چھوٹی ہیں نا آپ اس لئے۔'' اس نے اس کا دل صاف کرنا چاہا۔

''بس اب اتنی بھی چھوٹی نہیں ہوں پورے سولہ سال کی ہوں۔'' اس نے غصے میں اپنی عمر بتا کر خود کو مدبر ثابت کرنا چاہا دوسری سمت وصی عباس کے ہونٹوں کے گوشوں پر شریر سی مسکان

مچل اٹھی۔

''آپ کو پتہ ہے آپ مجھ سے پورے آٹھ سال چھوٹی ہیں۔'' اس نے معلومات بہم پہنچائی۔

''اوکے چھوڑیں یہ باتیں۔''

''تو بتاؤ پھر ایک اچھی اور ایک بری عادت۔'' اس نے سوال دہرایا۔

''اچھی عادت میں غصے میں زیادہ بولتی نہیں اور بری عادت میں بھی کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی، مجھے خوف رہتا ہے میری بات تماشہ یا مذاق نہ بن جائے، اس لئے مجھے ہر بات اپنے اندر دبانی پڑتی ہے اور بہت دنوں تک ڈسٹرب رہتی ہوں۔'' اس نے سچائی بتائی جو آج تک اس نے کسی کو نہیں بتائی تھی۔

''اس کا مطلب ہے کہ آخری درجے کی حساس طبیعت کی مالک ہیں۔''

''کہہ سکتے ہیں۔''

''اوکے نور آئی وانٹ ٹو سی یو (میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں)، میں صبح گھر آرہا ہوں آپ کے اور ناشتہ بھی آپ کی طرف ہی کروں گا، بی ریڈی۔'' اس کے دل میں بہت اچانک اسے دیکھنے کی خواہش مچلی جسے اس نے فوراً زبان دی۔

''اتنے ماہ سے تو آئے نہیں اب آئیں گے تو کوئی ایشو تو نہیں ہوگا۔'' نور نے گھبرا کر پوچھا۔

''ڈونٹ وری آپ کا نام نہیں لوں گا۔'' مسکراتے ہوئے وہ شرارتی انداز میں بولا۔

''اچھا گڈ نائٹ۔'' اس نے صاف دامن بچایا۔

''تھوڑی دیر اور بات کرلو گڈ مارننگ بھی ہو جائے گی۔'' اس کے ایس ایم ایس پر نور نے ٹائم دیکھا تو گھڑی کی سوئیاں تین کے ہندسے کو چھو رہی تھیں، وہ حیرت سے موبائل دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

اگلی صبح سنڈے تھا وصی دو گھنٹے کی نیند لینے کے بعد حسب معمول بیدار ہو چکا تھا، امن کدہ کے مکین صبح دیر تک نیند انجوائے کرنے کے عادی تھے مگر آج سب اپنی اتوار کی خصوصی نیند قربان کر کے خلاف معمول بیدار ہو چکے تھے بلکہ چہل پہل بھی عام دنوں سے قدرے ہٹ کر تھی، سب تیار ہو کر لاؤنج میں کھڑے شاید اسی کا انتظار کر رہے تھے، وصی ابھی ابھی جاگنگ سے لوٹا تھا، اس کا ارادہ راحیلہ چچی کی طرف جانے کا تھا اس نے کچھ گھنٹے قبل ہی تو نور سے کہا تھا۔

''کیا آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں۔'' وصی نے متحیر سا ہو کر پوچھا۔

''آپ نہیں...... ہم...... ہم سب فارم ہاؤس جا رہے ہیں چھٹی منانے۔'' امی کی بجائے ماورا نے قدرے پر جوش ہو کر بتایا۔

''مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں، میں اپنا شیڈول چینج کر دیتا۔'' اس اچانک پروگرام پر وہ بوکھلا اٹھا۔

''ویسے تو آپ نے ہمارے ساتھ ٹائم نا گزارنے کی قسم کھائی ہے لیکن آج کا دن تو ہمارے ساتھ گزار ہی سکتے ہیں۔'' سن گلاسز بالوں پر لگائے اسکن کاٹن کا ٹراوزر اور بلیک شرٹ پہنے ہانیہ نے شکوہ کیا۔

''ہاں بیٹا...... سب سے پہلی ترجیح فیملی ہے بعد میں کچھ اور، سچ پوچھو تو آپ کی وجہ سے بچوں نے یہ پروگرام بنایا ہے، اب آپ نہیں آئیں گے تو انہیں برا لگے گا۔'' رامش چاچو نے اس کے کندھے پر بازو پھیلا کر کہا تو وہ ان کے احترام میں مسکرا دیا۔

''اوکے...... جیسے آپ کی مرضی۔'' اس نے بالآخر ہار مان لی۔

''یا ہو، یہ ہوئی نا بات، میں ماورا، حمزہ اور ہانیہ آپ کے ساتھ چلیں گے جبکہ سبط اور سلمان پاپا کے ساتھ ان کی گاڑی میں آئیں گے۔'' ردا نے پلان بنایا۔

ہانیہ بڑے دھڑلے سے اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی باقی سب پچھلی نشستیں سنبھال چکے تھے، ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے وصی نے سیل پاکٹ سے نکالا تاکہ نور کو بتا سکے کہ وہ آج نہیں آسکے گا۔

''آپ نے تو کہا تھا کہ آپ زیادہ سیل یوز نہیں کرتے تو صبح کے چھ بجے کس سے بات کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔'' اس کے ہاتھ سے سیل لے کر ہانیہ نے نجانے کب کا غصہ نکالا۔

''ضرورت کے وقت تو یوز کر سکتے ہیں نا اینڈ اٹس کوائٹ پرسنل۔'' وصی نے کچھ سنجیدگی سے کہا۔

''آج صرف آپ ہمارے ساتھ...... ہمارے ساتھ ہیں اور صرف ہمارے ساتھ رہیں۔'' اس کی سنجیدگی کو خاطر میں لائے بغیر ردا بھی ہانیہ سے مل گئی اور سیل ہانیہ سے لے کر باقاعدہ آف کر کے اپنے ہینڈ بیگ میں ڈال دیا، وصی نے بھی مزید اصرار مناسب نہیں سمجھا اور تمام توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی۔

یہ سچ تھا کہ لندن سے لوٹتے صرف چند دن ہی اس نے گھر گزارے تھے اور پھر اپنا کالج اور اس کی مختلف علاقوں میں برانچیز کھولنے میں وہ اس قدر مصروف ہوا کہ حقیقتاً کسی کو وقت نہیں دے پایا، اگر ان کا شکوہ اس قدر شدید تھا تو وہ ان کو اس شدت میں حق بجانب تصور کرتا تھا اور پھر اپنے خوش مزاج، حاضر جواب شرارتی اور زندہ دل کزنز کے ساتھ اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا، دوسرا حمزہ نے ردا کا بیگ سوئمنگ پول میں پھینک دیا تو وصی کا موبائل ناقابل استعمال ہو گیا اتنی رونق میں اس دن اسے کوئی یاد نہیں رہا، نور العین حیدر بھی نہیں۔

☆☆☆

نور العین کی آنکھیں انتظار کی تعبیر بنی دہلیز پر جمی تھیں سویرا ہوا، دن ڈھلا اور پھر رات ہو گئی مگر وہ نہیں آیا اس کا دل جیسے ہر چیز سے اوب گیا، آنکھیں بار بار چھلک رہی تھیں امی اور کشف سے چھپ کر نجانے وہ کتنی بار روئی تھی۔

یہ معاملہ ایک دن پر محیط نہیں تھا پھر اگلے تین دن تک اس کا رابطہ وصی عباس سے نہیں ہوا اور تینوں دن اس نے سکول سے چھٹی کی، رو رو کر چہرہ پر سوزش ہو گئی، وہ خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ وہ اتنی شدت پسند حساس اور بچی کیوں ہو رہی تھی شدید بخار میں تپتی وہ آنسوؤں کا دریا بنی تھی، باوجود کوشش کے وہ وصی کا رویہ اور بے رخی برداشت نہیں کر پا رہی تھی، وہ اداس تھی، مغموم اور بے بس۔

اور چوتھے دن حیرت انگیز طور پر وصی عباس آ گیا، بغیر کسی سے اجازت طلب کیے، بغیر کسی کو بتائے، راحیلہ چچی اتنے عرصے بعد گول مٹول سے وصی کو جوانی دہلیز پر دیکھ کر سخت آبدیدہ ہو گئیں۔

''بہت شکریہ وصی، بیٹا ہمیں یاد رکھنے کے لئے۔'' جہاں اس کی آمد پر راحیلہ مشکور تھیں اور وصی سخت نادم۔

''پلیز چچی جان مجھے شرمندہ مت کریں۔'' وہ نظریں جھکائے بولا، اتنے میں کشف آ گئی۔

''کشف سے تو تم مل ہی چکے ہو، ہاسپٹل میں اس نے مجھے بتایا۔''

''جی۔'' کشف کے سلام کا جواب دے کر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کشف بیٹا، بھائی کے لئے ناشتے کا بندوبست کرو۔'' راحیلہ چچی نے فوراً اسے دوڑایا۔

''آپ ناشتہ کریں گے نا۔'' کشف نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا، وہ نجانے کیا کھاتا تھا ناشتے میں، خدا جانے ان کے گھر کا کھانا پسند کرتا بھی یا نہیں۔

''بالکل کروں گا، جاگنگ سے سیدھا آپ کی طرف آیا ہوں، اینڈ بلیوی آپ جو بنائیں گی میں وہی کھالوں گا۔'' وصی نے اس کی جھجک سمجھ کر کہا تو وہ مسکراتی ہوئی پلٹ گئی۔

''نورالعین کہاں ہے چچی جان، کافی چھوٹی تھی جب میں ابراڈ چلا گیا تھا۔'' کافی دیر انتظار کرنے کے بعد اسے بالآخر خود ہی پوچھنا پڑا۔

''ہاں بیٹا وہ تب بس تین سال کی تھی اب تو کافی بڑی ہوگئی ہے، تین دن سے بخار میں تپ رہی ہے، نجانے کی بات ہے رو رو کر ہلکان ہے ہزار بار پوچھا کیا مسئلہ ہے مگر کچھ بولتی ہی نہیں۔'' ناشتے کی ٹرے تھامے آتی کشف امی کی مکمل تفصیلات سن کر سخت خائف ہوئی۔

''میڈیسن نہیں لی اس نے جبکہ ایک عدد ڈاکٹر گھر میں موجود ہے۔'' کشف کو آتے دیکھ کر اس نے شرارت سے کہا۔

''اسے میڈیسن کھلانا بہت مشکل ہے جان جاتی ہے اس کی میڈیسن سے۔'' کشف نے مسکراتے ہوئے کہا اور وصی کے سامنے پڑے ٹیبل پر ناشتہ سرور کرنے لگی۔

''بخار کیوں ہوگیا اسے۔'' بریڈ کا چھوٹا سا پیس توڑ کر منہ میں ڈالتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

''بس بیٹا مت پوچھو، بہت ضدی اور اکھڑ ہے، مجال ہے جو میری بات مان لے، بس اپنی ہی من مانی کرتی ہے۔'' راحیلہ چچی نے سادگی سے کہا تو کشف نے بے ساختہ انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''ایسی بات نہیں ہے، اصل میں بہت حساس ہے، بہت جلد لوگوں کے رویوں سے ہرٹ ہو جاتی ہے، بری بات تو یہ ہے کہ اندر ہی اندر گھٹتی رہتی ہے اور کسی سے کچھ شیئر بھی نہیں کرتی، یقیناً سکول میں کسی کے مارکس زیادہ آگئے ہوں گے تبھی ڈپریسڈ ہے اسٹڈی کا ٹینشن بھی بہت ہے۔'' اس کی باتوں سے وصی کو ادراک ہوا، اس پر ایک اور حقیقت منکشف ہوئی کہ نور اس سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی تھی پھر چند ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ لوٹ آیا، جیسے دیکھنے کی خواہش دل میں دبائے گیا تھا وہ خواہش پوری کیے بنا پلٹ آیا۔

☆☆☆

آج ہی اس نے اپنا سیل چینج کیا تھا اور سب سے پہلے اس نے ان باکس چیک کیا کہ شاید نور کا کوئی پیغام ہو مگر ڈھیروں پیغامات میں سے اس کا کوئی پیغام نہیں تھا، کچھ دیر بے چینی سے وہ اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا، تمام دن اس کا دھیان نور کی طرف ہی تھا بڑی بے دلی سے سارے کام نپٹا کر وہ دس بجے کے قریب گھر لوٹا اور کسی کا بھی سامنا کیے بغیر اپنے کمرے میں آ گیا، گزشتہ ایک گھنٹے سے وہ سوچ رہا تھا کہ از خود کوئی میسج کرے یا نہ کرے کیا پتہ سیل کے پاس نہ ہو اور پیغام کشف کو موصول ہو جائے اور پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے بہت سوچ کر گڈ نائٹ کا میسج سینڈ کیا، دس منٹ کے طویل اور تکلیف دہ انتظار کے بعد اس کا سیم ٹو یو کا جواب آیا، جب وہ بالکل نا امید ہو چکا تھا، اس کو حیرت کا خوشگوار جھٹکا لگا۔

''پلیز سونا نہیں نور مجھے آپ سے بات

کرنی ہے۔'' اس نے فرمائش کی۔
''او کے۔'' وہ مان گئی۔
''طبیعت کیسی ہے اب؟'' اس نے پوچھا۔
''ٹھیک۔''
''میڈیسن لی ہے یا نہیں؟''
''نہیں۔'' اس نے سچ بولا۔
''نہیں پہلے ٹیبلٹ لیں پھر مجھ سے بات کریں۔'' اس کا انداز سے لبریز تھا۔
''نہیں لینی۔'' اس نے مختصراً کہا۔
''میری بات بھی نہیں مانیں گی۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ اس کی بات رد نہیں کر سکی۔
''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور پانچ منٹ بعد وہ پھر سے آن لائن تھی۔
''ناراض ہو؟''
''نہیں۔''
''تو پھر ٹھیک طرح بات کیوں نہیں کر رہیں؟'' زیر لب مسکراتے ہوئے اس نے ٹائپ کیا۔
''ایسے ہی۔''
وہ ناراض تھی تب بھی اس سے بات کر رہی تھی اور ناراضی کا اظہار بھی خوب تھا مختصر ریپلائے، نجانے اس کا دل کیوں مچل اٹھا اسے منانے کے لئے۔
''آئی ایم ساری۔'' اس نے معذرت کی غیر حاضری اور نہ آنے کی وجہ بھی بتا دی۔
''پلیز آپ سوری مت کہیں۔'' اسے واقعی اچھا نہیں لگا۔
''او کے نہیں کہتا ٹیل ی (مجھے بتاؤ) رو کیوں رہی تھی اور طبیعت کیوں خراب کر لی؟''
''آپ کو نہیں پتہ۔'' وہ چڑی۔
''میری وجہ سے، آئی مین میرے لئے۔''

اسے خوشگوار حیرت نے گھیر لیا۔
''جی ہاں اور میں چار دن سے اسکول بھی نہیں گئی۔'' اس نے ایک اور نقصان باور کرایا، تو وصی کو اندازہ ہوا کہ وہ کس قدر کم سن اور معصوم تھی جو اپنے جذبات، اپنی کوئی بات اس سے نہیں چھپا رہی تھی اور اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا یہ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔
''اچھا...... اب سکول جائیں اور اپنا بہت سارا خیال رکھیں، انشاء اللہ آئندہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔'' سر جھٹکتے ہوئے اس نے اسے تسلی سے نوازا۔
''نو آئی ڈیزرو اٹ، میں اس قابل ہوں۔''
اسے نظر انداز کرنے کا غم کسی طور اس کے ذہن سے نہیں جا رہا تھا۔
''یو ڈونٹ ڈیزرو اٹ۔'' وہ کچھ بہت خاص کہتے کہتے رک گیا۔
''آپ صبح آئے اور میں آپ سے مل بھی نہیں پائی۔'' ایک اور افسوس، ایک اور زیاں، یا شاید شکوہ۔
''میں نے بھی تو نہیں دیکھا۔'' وہ ریلیکس ہو کر بیڈ پر لیٹ گیا اور اسے تسلی سے نوازا۔
''مجھے نیند آ رہی ہے کیا میں سو جاؤں؟'' آنکھوں میں سرخی اتر رہی تھی اور وہ بے پناہ تھکاوٹ محسوس کر رہی تھی۔
وصی نے چونک کر پڑھا، وہ اجازت طلب کر رہی تھی وہ اس کی ناراضی اور بے رخی کے احساس سے خوف زدہ تھی، اس کے اس قدر پیارے انداز پر اس کا جی چاہا کہ کہہ دے نہیں لیکن اس کی ناساز طبیعت کے پیش نظر اللہ حافظ کہہ دیا اور پھر ساری رات اس کی بے سبب اور معصوم باتیں اس کے خوابیدہ ذہن میں گونجتی رہیں اور لبوں کے گوشوں پر پڑی دلفریب مسکان

بکھرتی رہی۔

☆☆☆

''سب کام تو سیٹ ہو گئے۔'' وصی کے سر میں تیل کا مساج کرتے ہوئے تائی امی (وصی کی والدہ) نے تمہید باندھی، لاؤنج میں تقریباً سب ہی موجود تھے وہ کارپٹ پر بیٹھا تھا اور تائی امی صوفے پر بیٹھی اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھیں۔

''کیا مطلب؟'' وصی نے آنکھیں موندے موندے ہولے سے کہا، ماں کی انگلیوں کے پوروں سے پورے وجود میں عجیب سی تقویت اور سکون محسوس ہو رہا تھا۔

''مطلب پڑھ لکھ لیا ہے کاروبار بھی جم گیا ہے۔''

''تو۔''

''تو شادی کر لو اب۔'' ان کی تھرکتی انگلیاں تھم سی گئیں، وہ اس کے جواب کی منتظر تھیں۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے۔'' وہ پلٹا اور ماں کے ہاتھ تھام کر بولا۔

''چھبیس سال جلدی نہیں ہوتے وصی، دس سال تمہیں کیسے خود سے دور رکھا ہے یہ بس میں ہی جانتی ہوں۔''

''تو کیا آپ پیدا ہوتے ہی مجھے دولہا بنانے والی تھیں۔'' ان کے چھبیس سال کے حوالے کا سن کر وہ شرارتی انداز میں بولا، جس میں اس کی اول روز سے لے کر اب تک کی زندگی شامل تھی۔

''امی کا بس چلتا تو ایسا ہی کرتیں۔'' ردا نے فوراً انٹری دی۔

''ویسے کیا حرج ہے بھائی، آج تک ہمارے گھر میں شہنائیاں نہیں بجیں۔'' ماورا کو رنج ہوا۔

''اوہ تو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے میری آزادی کیوں چھین رہے ہو اٹس ناٹ فیئر۔'' وہ مسکینیت سے بھرپور لہجے میں بولا۔

''بھائی کہیں کوئی گوری میم تو پسند نہیں کر رکھی۔'' سبط نے راز داری سے پوچھا، بات تائی امی کے ہاتھوں سے پھسل کر بچہ پارٹی تک پہنچ چکی تھی۔

''چپ رہو تم سب لوگ، شریر کہیں کے، وصی تمہیں کوئی پسند ہے تو بتاؤ، ورنہ مجھے خود سے کوشش کرنے دو اور معاملہ ہم پر چھوڑ دو۔'' چھوٹی تائی نے سب کو ڈپٹ کر خاموش کروایا اور پسند کے نام پر دل میں گدگداتا سا احساس تو ابھرا تھا مگر وہ نظر انداز کر گیا۔

''بھائی کہیں ہانیہ کا نام تو نہیں لینے والے۔'' اسے مسلسل مسکراتا دیکھ کر ردا کو شک ہوا، ہانیہ کچھ ہی فاصلے پر بظاہر لیپ ٹاپ پر مصروف تھی لیکن توجہ کے تمام تر ارتکاز اسی گفتگو کی سمت تھے۔

''فکر مت کرو ابھی اتنے برے دن نہیں آئے میرے۔'' وصی نے اسی راز داری سے جواب دیا جس راز داری سے ردا نے پوچھا اور یہ جواب اتنا بلند ضرور تھا کہ ردا سمیت کئی لوگوں نے سنا جس میں ہانیہ کمال بھی شامل تھی، سبھی کے چہروں پر دبی دبی مسکان بکھر گئی۔

''میرا ابھی ٹیسٹ اتنا برا نہیں کہ آپ پر گزارا کرنا پڑے۔'' نخوت سے کہتی لیپ ٹاپ اٹھا کر وہ واک آؤٹ کر گئی۔

''کیوں تنگ کرتے ہو وصی، ناراض کر دیا نا بچی کو۔'' تائی امی نے فوراً گھرکا۔

''امی بھائی موضوع پلٹ رہے ہیں، پلیز پہلے پوچھ لیں۔'' ردا نے بات پلٹتی دیکھ کر دوبارہ یاد کروایا۔

''امی جان میری کوئی پسند نہیں لیکن فی الحال مجھے تھوڑا وقت چاہیے۔'' تائی امی کے ہاتھ تھام کر اس نے کچھ اس سنجیدگی سے کہا کہ وہ مزید اصرار نہ کرسکیں اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

''موی اسٹرانگ کپ چاہیے گا، تب تک میں فریش ہو کر آتا ہوں آج لنچ باہر کریں گے باقی سب بھی ریڈی ہو جاؤ۔'' گزشتہ گفتگو کا اثر زائل کرنے کے لئے وصی نے فوراً پروگرام ترتیب دیا جو کامیاب بھی رہا، سب قدرے پرجوش ہو کر آگے پیچھے اپنے کمروں کی سمت لپکے۔

''ردا!'' وہ جانے لگی تو وصی نے پکارا۔

''جی بھائی۔'' وہ پلٹی۔

''اس نک چڑھی مخلوق کو بھی بلا لینا۔'' اس نے ہانیہ کے بارے میں کہا تو ردا بے اختیار مسکرائی سیڑھیاں چڑھ گئی، وہ بھی فریش ہونے کی غرض سے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔

☆☆☆

گزشتہ ایک ہفتے سے نور العین کا ایک بھی ٹیکسٹ نہیں آیا، اضطراری طور پر وہ کئی بار سیل چیک کر چکا تھا، اسے نور کی معصوم اور شدتوں کی عکاسی کرتی باتوں کی نجانے کیوں عادت سی ہونے لگی، وہ خود کانٹیکٹ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ نور کی ہدایت تھی وہ خود کرے گی، شب کا دوسرا پہر تھا وہ بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، سائلنٹ موڈ پر لگے موبائل کو سینکڑوں بار دیکھ چکا تھا، مگر نگاہیں بے مراد رہیں، اچانک موبائل اسکرین روشن ہوئی، وصی نے فوراً ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر میسج کھولا۔

''وصی روزانہ آپ لیٹ آتے ہیں اور جلدی چلے جاتے ہیں، ملاقات کا وقت بھی نہیں ملتا، آپ کے کالج میں اپنی ایک فرینڈ کی سسٹر کا ایڈمیشن کروانا ہے، صبح مجھ سے ملے بغیر مت جایئے گا باقی کی تفصیلات صبح ہی بتاؤں گی۔'' رات گئے ہانیہ کو یاد آیا تھا کہ اسے کچھ یاد کروانا ہے اور وہ بڑے دھڑلے سے اس کا نام لے لیا کرتی، وہ جی بھر کر بدمزہ ہوا، اس نے غیر دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے لاپرواہی سے موبائل بیڈ پر پھینک کر خود ٹیرس پر نکل آیا رات بے حد خنک، ٹھنڈی اور تاریک تھی، کین کی چیئر گھسیٹ کر وہ بیٹھ گیا اور ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

''کوئی لڑکی نظر میں ہو تو بتاؤ۔'' تائی امی کی آواز اس کے شعور میں گونجی تو نور کی چھوٹی چھوٹی باتیں اس کے دل میں انتشار برپا کر گئیں، اندر باہر عجیب سی اتھل پتھل شروع ہو گئی، اس کا دل ہمک ہمک کر نور کے نام کی تکرار کرنے لگا۔

''نور!'' کس قدر نشہ تھا اس نام میں، وہ خود کو پرسکون محسوس کرنے لگا۔

''تو کیا مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔'' وہ کچھ بے یقین سا خود سے مخاطب تھا لیکن اسے اس جذبے سے فرار یا انکار نہیں تھا۔

''کیا سولہ سال کی معصوم سی لڑکی سے محبت ممکن ہے۔'' کس قدر احمقانہ سوال تھا، ہاں محبت ایسی ہی ہوتی ہے بے یقین، حدود و قیود سے مبرا، حادثاتی اور یہ خوبصورت حادثہ اس کے ساتھ بھی ہو چکا تھا، بہت اچانک، بہت غیر ارادی طور پر، اس نے پوری ایمانداری اور خوشی سے اس جذبے کا خیر مقدم کیا، کسی تردیدی یا انکاری کیفیت کا اظہار نہیں کیا، مسئلہ تو یہ تھا کہ دوسرا فریق اس ماورائی، طلسماتی اور بے خود کرتے جذبے کو نبھانے، محسوس کرنے اور اقرار کرنے کے لئے بہت امیچور تھا، وہ اسے اپنے جذبوں سے آشنائی کیسے بخشتا، فی الوقت ہر خوف، اندیشے اور وسوسے کو جھٹکتے ہوئے وہ اس لڑکی کا ہاتھ تھامے

خوابوں کی وادیوں میں محو ہو گیا، اس دنیا میں کھو گیا جہاں وصی تھا، نور تھی اور محبت تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح بے اختیار ہی اس کے قدم نور کے گھر کی سمت سفر کرنے لگے اور کچھ ہی دیر میں وہ راحیلہ چچی کی محبتیں سمیٹ رہا تھا۔

''وصی بیٹا تمہارے آنے سے احساس ہوتا ہے کہ اپنوں کا سایہ کہیں باقی ہے۔'' احساس تشکر سے بھیگتی آنکھوں کو رگڑتی وہ بولیں۔

''میں بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہا ہوں کہ آپ ہر رشتے کو دوبارہ محسوس کر سکیں، کچھ ایسا کروں کہ آپ دوبارہ امن کدہ کا حصہ بن جائیں۔'' اس نے ذومعنی انداز میں کہا۔

''بس بیٹا اب تلخیوں کو سہنے کی ہمت ہے نہ طاقت، جو جیسے چل رہا ہے بس چلنے دو۔'' وہ وقت سے سمجھوتہ کر چکی تھیں۔

''پریشان مت ہوا کریں چچی جان، ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے دل کی گہرائیوں سے تسلی دی۔

''نور اور کشف دکھائی نہیں دے رہیں۔'' بالآخر اسے پوچھنا ہی پڑا۔

''کشف تو ان دنوں ہاؤس جاب میں مصروف ہے بس ابھی نکلی ہے اور نور ناشتہ بنا کر بس اب نکلنے ہی والی ہے سکول کے لیے۔''

''نور...... دیکھو بیٹا وصی آیا ہے اس کے لیے کوئی ناشتہ وغیرہ لے آؤ۔'' اسے تفصیل بتا کر چچی جان نے نور کو پکارا تو وصی کی تو گویا دل کی مراد بر آئی، وہ منتظر نگاہوں سے برآمدے کو دیکھنے لگا۔

''نور وہیں کیوں کھڑی ہو آ جاؤ۔'' کچھ دیر بعد چچی نے اسے پکارا، وہ صحن میں بچھے تخت پوش پر راحیلہ چچی کے ساتھ بیٹھا تھا جہاں چچی بیٹھی تھیں وہاں سے اندر کا پورا منظر نظر آ رہا تھا لیکن جہاں وصی براجمان تھا وہاں سے بس بیرونی حصہ دکھائی دیتا، چچی کی پکار پر وصی نے بے ساختہ گردن موڑ کر دیکھا، وہ یقیناً اندر اوٹ میں کھڑی تھی شاید آنے کو تیار نہ تھی اور جھجک رہی تھی، وصی کے لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ مچل اٹھی۔

''اب آ بھی جاؤ اور تو کسی سے تمہیں کبھی جھجک محسوس نہیں ہوئی بڑی پٹر پٹر زبان چلتی ہے اب کیا ہو گیا۔'' چچی نے اس کی درگت بنانے میں اک لمحہ لگایا تو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اسے آنا ہی پڑا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔'' اس نے سلام کیا اور وصی نے جواب دیا، سفید یونیفارم میں ملبوس، دراز قد، شہابی رنگت، بڑی بڑی پلکوں کی جھالر غلافی آنکھوں پر گری، متناسب اور پرکشش سراپا گلابی لبوں کو کاٹتی وہ بے حد کنفیوز لگ رہی تھی، وصی کو اس کی گردن بے حد خوبصورت اور نمایاں لگی جو بندھے بالوں میں اور بھی پرکشش لگ رہی تھی، وہ حسین تھی بے حد حسین، یا شاید وصی عباس کو لگ رہی تھی وہ واقعی نور تھی جس سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں، اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں لسی کے گلاس پڑے تھے، اس نے فرداً فرداً انہیں گلاس تھمائے لیکن نگاہ اٹھا کر وصی کو نہیں دیکھا، وہ کچھ دیر رکی اور پھر پلٹ گئی، وہ جس خاموشی سے آئی تھی اسی خاموشی سے لوٹ گئی۔

وصی لسی نہیں پیتا تھا لیکن آج بلا اعتراض پی رہا تھا کیونکہ دینے والی نور تھی۔

☆☆☆

تائی امی کی طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی، تو وصی، سبط، بڑے تایا اور چھوٹے تایا انہیں لے کر ہاسپٹل روانہ ہو گئے، مختلف ٹیسٹ کروانے

کے بعد تشخیص ہوئی کہ وہ ذیابیطس کے عارضے میں مبتلا تھیں اور شوگر لیول بے حد ہائی ہو گیا تھا تائی امی کو انڈر آبزرویشن رکھا گیا، ڈاکٹرز کے مطابق ہائی شوگر کا اثر جسم کے کسی بھی اعضاء پر ہو سکتا تھا، ہر ماں اپنے بیٹے سے دیوانوں کی طرح محبت کرتی ہے لیکن ہر بیٹا شاید اس قدر مستقل مزاج نہیں ہوتا مگر وصی عباس ایسا ہی تھا، ماں کے بے حد قریب اور ان کا بے حد لاڈلا، ساری دنیا کو پس پشت ڈال کر وہ صرف ان کی بات کو اولیت و اہمیت دیتا، ان کی ہر بات اس کے لئے حکم کا درجہ رکھتی، حرف آخر سی حیثیت رکھتی، طبیعت تائی امی کی خراب تھی اور زردی اس کے چہرے پر چھائی تھی۔

بہت دنوں بعد اسے آج نور کا ٹیکسٹ آیا تھا، اس نے پڑھ کر ڈیلیٹ کیا کہ فی الوقت اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں آپ جاگ رہے ہیں پھر رپلائے کیوں نہیں کر رہے۔'' تھوڑی دیر بعد ایک اور پیغام آیا۔

''کیا آپ ناراض ہیں؟''

''کیا ہوا ہے سب ٹھیک ہے نا؟''

''کچھ تو بتائیں۔''

''آر یو دیئر۔'' اس کے بعد میسج پر میسج آنے لگے وہ بری طرح جھنجھلایا۔

''ہر وقت آپ سے بات کرنے کے لئے تیار نہیں بیٹھا ہوتا اور بھی کام ہیں میرے پاس کرنے کو۔'' اس نے کال کی اور تمام تر بے زاری لہجے میں سمو کر وہ دبے دبے غصے سے چلایا، فکر و تفکر میں ڈوبا نور کا دل کہیں گہرائی میں ڈوبنے لگا اس کی روح اس کے لفظوں کی سختی سے چھیدی جا رہی تھی۔

''کیا آپ کو کوئی پریشانی ہے۔'' اس کی بات کا برا مانے بغیر وہ نرمی سے بولی لیکن آواز ڈبڈبا گئی تھی۔

''میں ابھی بات نہیں کر سکتا، پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می۔'' اس نے قدرے عاجز ہو کر کہا۔

''او کے۔'' اس نے بمشکل کہا جبکہ وصی نے فوراً کال کاٹ دی۔

نور بیڈ پر آ کر لیٹ گئی دل میں عجیب سی چبھن ہو رہی تھی۔

''اے میرے پروردگار، ان کی وہ پریشانی دور کر دے جس کے سبب وہ مجھ سے اتنا روڈلی بی ہیو کر رہے ہیں۔'' بھاری اور بوجھل ہوتے کلستے سسکتے دل کے ساتھ اس نے دعا مانگی۔

☆☆☆

تائی امی کو اللہ تعالیٰ نے نئی زندگی بخشی تو وصی کے چہرے پر رونق آئی، وہ خود ان کی کاسٹنگ شوگر لیول چیک کرتا، پرہیزی کھانا بنواتا، دوائیاں خود دیتا، کالج بھی تھوڑے وقت کے لئے جاتا اور جلد ہی لوٹ آتا، یہ اس کی توجہ کا ہی نتیجہ تھا کہ چند دنوں میں تائی اماں قدرے صحت مند اور تندرست نظر آنے لگی تھیں۔

''تمہیں کیا لگتا ہے وصی، ہم بھابھی کا دھیان اچھے طریقے سے نہیں رکھیں گے۔'' اس کی اس درجہ حساسیت پر رانیہ تائی شکوہ کرتیں۔

''ایسی بات نہیں ہے چچی جان، بس امی کے بارے میں پتہ نہیں کیوں اتنا کانشیئس ہوں۔'' وہ صفائی میں کہتا، اسی مصروفیت میں رمضان المبارک کا آغاز ہو گیا۔

چاند دیکھ کر سب نے دعا مانگی اور مبارک دی، وصی اور سبط جا کر سحری کا سامان لے آئے، لڑکیوں نے آدھے لوازمات رات کو ہی تیار کر کے فریز کر دیئے غرضیکہ عجیب سی گہما گہمی تھی آج امن کدہ کی رونق عام دنوں سے قدرے ہٹ کر

تھی، آج وہ کافی تھک گیا تھا اور صبح سحری کے لئے بھی جلد بیدار ہونا تھا لہٰذا کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے وہ اپنے کمرے میں آ گیا، چینج کرنے کے بعد بیڈ پر لیٹتے ہی سب سے پہلے اسے نور کا خیال آیا، جسے کئی دنوں سے وہ نظر انداز کر رہا تھا اور اب اپنے رویے کی بدصورتی کا اسے شدتوں سے احساس ہو رہا تھا، وہ کس قدر حساس اور نازک تھی وہ جانتا تھا، پہلی بار اپنی خود غرضی اسے بے پناہ کھلی تھی۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے خوبصورت دعاؤں والا رمضان مبارک کا پیغام بھیجا، آدھا گھنٹہ بیت گیا مگر جواب ندارد، وہ بے چینی و اضطراب سے کروٹیں بدلتا رہا۔

رہ رہ کر اپنے سخت رویے پر تاؤ آ رہا تھا، نور کی لاتعلقی اور غیر حاضری برداشت سے باہر تھی، بے بسی کا شدید احساس اندر ہی اندر سر پٹخنے لگا دونوں ہاتھوں سے سر تھامے وہ اداس سا بیٹھا تھا جب اس کی مراد بر آئی، موبائل پر نور کا پیغام آنے کا عندیہ سنائی دیا تھا۔

اچانک ہی اس کا دل خوشی کے بے اختیار جذبے سے لبریز ہو گیا ساری کلفت اور اضطراب اڑنچھو ہو گیا۔

''بڑی دیر کی مہربان آتے آتے۔'' وصی نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا۔

''آپی کے ساتھ سحری کے لئے کچھ چیزیں بنوا رہی تھی سوری۔'' لہجے میں نرمی اور احترام ہنوز قائم تھا۔

''نور!'' اس نے پکارا۔

''جی۔''

''کیا میں آپ کو آج کال کر سکتا ہوں۔''

اس نے پہلی بار کال کرنے کے لئے کہا اور اجازت طلب کی، ایک طویل عرصے سے وہ چیٹ کر رہے تھے، نجانے کیوں اک تشنگی سی پنپ رہی تھی۔

''کر لیں۔'' نور نے برابر بیڈ پر دیکھا کشف سو چکی تھی اور امی وظائف میں مصروف تھیں، وہ چپکے سے باہر صحن میں نکل آئی، چہار سو اندھیرا پھیل چکا تھا، پہلی تاریخ کا چاند آسمان کی سیاہ چادر پر ٹانکے تاروں کے سنگ مسکرا رہا تھا، وہ موسمی سبزیوں کی بنی کچی کیاری کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی، وصی کی کال آئی تو اس نے جھجکتے ہوئے ریسیو کر لی۔

''السلام علیکم!'' کئی بار سماعتوں میں اتری آواز ایک بار پھر سماعتوں میں گونجی۔

''وعلیکم السلام!'' وہ بمشکل بولی۔

''آئی ایم سوری نور، اس دن میں نے آپ کے ساتھ بہت مس بے ہیو کیا۔'' وہ حقیقتاً نادم ہوا۔

''اس کی ضرورت نہیں مجھے کچھ برا نہیں لگا، جب انسان فرسٹریٹڈ ہو تو ایسا ہو جاتا ہے، ہم ہر ایک پر غصہ نہیں کر سکتے صرف اسی پر حق رکھتے ہیں جو ہمارا اپنا ہوتا ہے، آپ کی اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ میں آپ کے لئے کتنی امپورٹنٹ ہوں۔'' اس کی اپنی فلاسفی تھی، دھیمی آواز میں بات کرتی نور اسے کتنی سوبر اور میچور لگی، اس نے ٹھٹک کر موبائل دیکھا لیکن اسے اس کے لہجے میں کہیں بھی بناوٹ کا احساس نہیں ہوا۔

''آپ کیا ہیں نور...... کبھی کبھی میں بہت الجھ جاتا ہوں میری ٹائمنگز سے ایڈجسٹ کر لیتی ہو، میری مصروفیت، پریشانی ہر الجھن سمجھ لیتی ہو، میرا غصہ سہہ لیتی، مجھ سے ناراض نہیں ہوتی پلیز ایسا مت کرو کہیں مجھے خود کو روکنا مشکل نہ ہو جائے۔'' وہ متحیر سا کہتا جا رہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ ناسمجھی کے عالم میں

بولی۔

''مطلب کچھ نہیں، یہ بتاؤ جب میں آیا تھا تو جلدی سے اندر کیوں چلی گئیں تھیں آپ اور مجھ سے بات کیوں نہیں کی۔'' اس نے بات پلٹی۔

''پتہ نہیں...... بس مجھے آپ سے بہت Hesitation فیل ہو رہی تھی۔'' اس نے اقرار کیا۔

''جانتی ہو یہ سب کیا ہے مجھ سے جھجک کیوں محسوس کرتی ہیں آپ۔'' وہ اسے نجانے کیا باور کرانا چاہتا تھا۔

''کیوں کرتی ہوں۔'' جواباً اس نے سوال کیا۔

''کبھی تنہائی میں بیٹھ کر خود سے پوچھنا خود ہی جواب مل جائے گا۔'' اس نے ادھورے مفہوم بتا کر بات چھوڑ دی۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا۔'' وہ تعجب سے کہتی گئی۔

''اچھا بتاؤ آپ کے احساسات میں میری جگہ کہاں ہے۔''

''آپ میرے ہر اس احساس میں ہیں جو میں محسوس کرتی ہوں۔'' اسے نہیں پتہ تھا کہ وہ کیا بول رہی ہے وہ بس وہی کہہ رہی تھی جو سچ تھا۔

''نور آئی وانٹ ٹو بی آ پارٹ آف یور لائف (نور میں، میں آپ کی زندگی کا حصہ بننا چاہتا ہوں)۔'' نا چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے دل کی بات کر گیا۔

''یو آر آ پارٹ آف مائی لائف (آپ میری زندگی کا حصہ ہیں)۔'' نور نے جیسے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

''ایسے نہیں شرعی اور قانونی طور پر میں آپ کی زندگی میں شامل ہونا چاہتا ہوں، آپ کو اپنانا چاہتا ہوں۔''

نور چھوٹی تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ ان لفظوں کے مفہوم نہ سمجھ پاتی، وہ خاموش ہوا تو شب کا سکوت نور کو اپنے اندر اترتا محسوس ہوا، جہاں کی تہاں تھم گئی، وہ انگلینڈ جیسے جدید ملک سے دس سال بعد لوٹا تھا، یہ خوش اخلاقی اور دوستانہ رویہ وہ اس کے مزاج کا حصہ سمجھی تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ انداز محض نور العین حیدر کے لئے مخصوص تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خوش ہو یا ناراض۔

''مم...... بعد میں بات کرتی ہوں۔'' اس نے بے ربط سے الفاظ ڈگمگاتے لہجے میں ادا کیے اور کال کاٹ دی، وہ ٹکر ٹکر سیاہی پر نگاہیں جمائے بیٹھی تھی۔

''آپ شاید میرے جذبات و احساسات کو سمجھ نہیں پا رہیں، اٹس او کے، میں اس وقت کا انتظار کروں گا جب آپ میری محبت قبول کرنے، محسوس کرنے اور سمجھنے کے قابل ہو جائیں۔'' کچھ دیر بعد اس کا ٹیکسٹ موصول ہوا، نور جو خالی الذہنی سے بیٹھی تھی اس نے پڑھا اور سن سی بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

''یہ تصویر دیکھو وصی، اس عید پر میں تمہاری منگنی کر کے ہی دم لوں گی۔'' تائی امی کو ایک بار پھر اس کی شادی کا جوش آیا تو خوب سے خوب لڑکیوں کی تصویریں اٹھائے وہ اس کے بیڈ روم میں چلی آئیں۔

''امی ابھی مناسب وقت نہیں ہے۔''

''دو سال چپ سادھے نکال دیئے میں نے، کیا ابھی بھی مناسب وقت نہیں۔'' اس کا انکار انہیں خوب کھلا۔

''امی جلدی کس چیز کی ہے بھلا۔''

''جلدی تمہارے سر پر سہرا سجانے کی ہے اور اپنے پوتے پوتیوں کو گود میں کھلانے کی ہے۔''

اس کے بال سنوارتے ہوئے وہ محبت سے گویا ہوئیں۔

''بس کریں امی ابھی وہ بہت چھوٹی ہے۔''

اس کی زبان سے بے ساختہ پھسلا۔

''کیا کیا کون بہت چھوٹی ہے۔'' انہوں نے بات پکڑی۔

''کوئی نہیں امی۔'' اس نے دامن بچانا چاہا۔

''وصی...... ماں سے کیسی راز داری۔'' ان کا انداز تنبیہی تھا۔

اس نے ہتھیار ڈالے اور گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا، جیسے مناسب الفاظ کا انتخاب کر رہا ہو، اس نے اپنے اور نور کے گزشتہ دو سال کے تعلق پر نگاہ دوڑائی، وہ میٹرک سے نکل کر ایف ایس سی کے فائنل ایئر میں پہنچ چکی تھی، اس کی عمر سولہ سے بڑھ کر اٹھارہ سال ہو چکی تھی اور سب سے بڑھ کر وہ وصی کی محبت کو قبول کر چکی تھی، وہ اس سے آٹھ سال چھوٹی تھی اس کے علاوہ کوئی ایشو نہیں تھا، لہٰذا اب رشتہ استوار کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

''امی کیا میں جس لڑکی کو پسند کرتا ہوں آپ اسے اپنی بہو کے طور پر قبول کر لیں گی۔'' امن کدہ کے مکینوں کی ان کے بارے میں لاتعلقی اور سرد مہری سے وہ خوب واقف تھا، اس لئے تمہید باندھی۔

''کیوں نہیں، جس لڑکی کا انتخاب میرے بیٹے نے کیا ہے وہ یقیناً شاندار ہو گی۔''

''امی وہ لڑکی نور العین حیدر ہے، حیدر چاچو کی بیٹی۔'' اس نے دھماکہ کیا، تائی امی دم بخود سی رہ گئیں، حیرت و استعجاب سے گنگ، وہ ناقابل یقین نگاہوں سے اسے دیکھتی رہیں۔

''کیا کہا...... کون۔'' انہوں نے تصدیق کے لئے دوبارہ پوچھا۔

''کیا آپ خوش نہیں ہیں امی۔'' اس نے ان کے ہاتھ تھام کر سہلاتے ہوئے کہا جیسے انہیں معمول پر لانے کی کوشش کر رہا ہو۔

''تب وصی...... کیسے مطلب تم نے اسے کہاں دیکھا۔'' وہ ابھی تک ششدر تھیں۔

سادہ سی کم تعلیم یافتہ راحیلہ اور اس کی دبوسی بیٹیاں انہیں کبھی بھی پسند نہیں رہی تھیں اور وہ تو وصی کے ہانیہ کو پسند کر چکی تھیں اس کی رضامندی بس فارمیلٹی تھی ان کی اولاد ان کا فیصلہ رد نہیں کرے گی اتنا تو یقین تھا انہیں، لیکن نجانے کیسے سب کچھ دھول میں اٹ گیا۔

''یہ بات میٹر نہیں کرتی امی۔'' اس نے کہا۔

''لیکن وہ تو تم سے کافی چھوٹی ہے۔'' انہوں نے قیاس لگایا۔

''یہ چیز بعد میں مسئلہ پیدا کر سکتی ہے۔'' انہوں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''جانے دیں امی یہ پاکستان ہے اور یہاں پر تو پندرہ پندرہ سال کا ایج گیپ بھی چلتا ہے اور لڑکیاں بہت اچھی طرح مینج کرتی ہیں اور نور بہت اچھی ہے امی، آپ ایک بار اس سے مل کر تو دیکھیں آپ کے تمام شکوے جاتے رہیں گے تمام خدشات دور ہو جائیں گے۔'' دھیمی دھیمی مسکان لئے وہ کس قدر محبت و احترام سے اس کا ذکر کر رہا تھا، تائی امی حق دق رہ گئیں، وہ کل کی چھٹانک بھر کی لڑکی ان کی چھبیس سالہ کمائی لے اڑی، وہ اس قدر شاطر اور چالاک ہو گی انہیں گمان بھی نہ گزرا تھا، تنفر و حقارت سے ان کا روم روم سلگنے لگا، دماغ کسیلے دھوئیں سے بھرنے لگا۔

''امی آپ کو اعتراض ہے نور پر۔'' انہیں سوچوں میں عمیق گہرائیوں میں ڈوبتے ہوئے

دیکھ کر اس نے پوچھا۔

''آں، نہیں میں بہت خوش ہوں میں جلد ہی راحیلہ سے اپنے بیٹے کی خوشی مانگ لاؤں گی، بس مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ انکار نہ کر دے۔'' انہوں نے جبراً مسکرا کر کہا۔

''مجھے نہیں لگتا ایسا ہوگا، لیکن جب آپ میری خاطر اپنی انا کو کچل کر میری خواہش کی تکمیل کے لئے ان کی دہلیز پر جائیں گی تو اگر انہوں نے انکار کر دیا تو امی میں دوبارہ کبھی نور کا نام نہیں لوں گا، آپ کو اصرار نہیں کروں گا، لیکن مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' اس کے لب و لہجے میں قوی امید تھی۔

''خدا میرے بیٹے کی خوشیاں سلامت رکھے۔'' انہوں نے کہا۔

''تھینک یو سو مچ امی۔'' ان کے یوں اس قدر آسانی سے مان جانے پر وہ بچوں کی طرح خوشی کے مارے ان سے لپٹ گیا، جن کا دل و دماغ نور کو کسی طور قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

☆☆☆

راحیلہ چچی ساکت سی دروازہ تھامے رانیہ تائی اور رابعہ تائی کا چہرہ دیکھ رہی تھیں، وہ کہیں راستہ تو نہیں بھٹک گئیں، اتنے سالوں بعد ان کی آمد جب وہ امن کدہ کے مکینوں کی شکلیں بھی بھولنے لگی تھیں۔

''بھابھی...... آپ۔'' وہ حیرت سے چور آواز میں زیر لب بڑبڑائیں۔

''اب اندر بھی آنے دو گی یا مراقبے میں چلی گئی ہو۔'' مزاج کا طنطنہ اور گری آج بھی ویسی ہی تھی، معمولی سے لان کے سوٹ میں ملبوس دوپٹے کو پر پھیلائے وہ عام سی عورت انہیں اور بھی معمولی اور کم تر لگی، تائی امی کے دل میں نئے سرے سے زہر بھرنے لگا۔

''کیوں نہیں، اندر آئیں نا آپ۔'' آنکھوں سے چھلکتی نمی کو دوپٹے کے پلو سے رگڑتی وہ سائیڈ پر ہوئیں۔

امن کدہ کا یہ حصہ پہلے سے بھی زیادہ مختصر ہو گیا تھا، سامنے دو برابر کمرے تھے اس کے آگے برآمدہ اور پھر قدرے کشادہ صحن دائیں طرف برآمدے کے اندر کی طرف اور پہلے کمرے کے ساتھ کچن تھا، بائیں طرف واش روم تھا، کچن کی بیرونی طرف سبزیوں کی ایک کیاری تھی جس میں ٹماٹر کے پودے لہلہا رہے تھے اور ہرا دھنیا بھی بکھرا سبزی مائل قطعہ دکھا رہا تھا، داخلی دروازے کے ساتھ وہ پیپل کا تناور درخت آج بھی اپنی جگہ موجود اپنی شاخیں پھیلائے سایہ فراہم کر رہا تھا، جسے داجی نے لگایا تھا، حتی کہ سرخ ٹائلز سے بنا صحن بھی ویسے ہی تھا، کہیں کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔

''نور العین کدھر ہے۔'' برآمدے میں بچھے تخت پوش پر نخوت سے بیٹھتے ہوئے رانیہ تائی نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''وہ تو کالج گئی ہے کیوں بھابھی خیریت۔'' یوں براہ راست نور کے بارے میں پوچھنا انہیں بری طرح چونکا گیا۔

''تم واقعی ہی اتنی بے وقوف اور بھولی ہو کہ تمہیں اپنی بیٹی کے کرتوت پتہ نہیں یا یہ سب کچھ وہ تمہاری شہ پر کر رہی ہے۔'' رابعہ تائی نے تو گویا انگارے چبائے تھے، راحیلہ چچی حق دق رہ گئیں۔

''آپ کیا کہہ رہی ہیں بھابھی، مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' وہ ناسمجھی کے عالم میں تحیر سے بولیں۔

''اپنی بے وقوفی اور احمقانہ پن سے باہر نکلو

اور تمہاری بیٹی کیا گل کھلاتی پھرتی ہے اس پر نظر رکھو۔''

''کیا کیا ہے نور نے کھل کر بات کریں۔''

''کھل کر کیا بتاؤں، تمہاری جیسی احمق ماؤں کی چلتر ساز بیٹیاں ہی لوگوں کے گھر برباد کرتی ہیں ان کے بیٹوں کو ورغلاتی ہیں اور اپنا مفاد پورا کرتی ہیں، تمہاری بد چلن بیٹی نے میرے بیٹے کو پھانسا ہے تاکہ وہ سب حاصل کر سکے جس کی اسے ہوس ہے۔'' تنفر سے کھولتی وہ بھڑک اٹھیں اور بھول گئیں کہ وہ ایک بیٹی کی کردار کشی کر رہی ہیں جبکہ وہ خود ایک بیٹی کی ماں ہیں، راحیلہ چچی ششدر تھیں، وہ زمانے کے سرد گرم سے اپنی بیٹیوں اور ان کے کردار کو سینت سینت کر رکھ رہی تھیں، رانیہ نے لمحوں میں ان کی تربیت کو گالی بنا دیا اور ان کے کردار کی پاکیزگی کی دھجیاں بکھیر کر پارہ پارہ کر دیا۔

''پتہ نہیں بھئی کیسی ماں ہو تم، جس نے اپنی بیٹی کو اس قدر آزادی دے رکھی ہے جتنی ہم نے کبھی اپنے لڑکوں کو نہیں دی، شرم نہیں آئی اسے اپنے سے آدھی عمر کے بڑے لڑکے سے عشق لڑاتے۔''

''بس کریں بھابھی، یہ سراسر الزام ہے۔ میری بیٹی بہت معصوم ہے میں قطعاً اس کے خلاف ایک لفظ نہیں سنوں گی۔'' ان کا سینہ پھٹنے لگا تو مارے درد کے چلا اٹھیں۔

''تو پھر اس معصوم کو اپنے گھر تک محدود رکھو، خواہشات کی تکمیل کے لئے کسی اور پھنسائے میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دے، ایسی ایڈوانس اور بد چلن لڑکی کو میں اپنی بہو بناؤں یہ ناممکن ہے۔'' باتیں تھیں یا فولادی ضربیں، ان کو اپنا آپ لہولہان ہوتا محسوس ہوا۔

''آپ کچھ بھی کہیں مجھے اپنی اولاد پر مکمل بھروسہ ہے اور رہی بات آپ کے گھر کی بہو بنانے کی تو آپ چاہیں بھی تو اس دوزخ میں کبھی نہیں دھکیلوں گی آپ کے آنے کا بہت شکریہ۔'' دبنگ لہجے میں کہنے کے ساتھ ہی وہ اندر بڑھ گئیں، جس کا واضح مطلب تھا کہ وہ اب یہاں سے جا سکتی ہیں، وہ غصے سے بل کھاتی نکل گئیں لیکن بہر حال راحیلہ چچی کے انکار نے انہیں اندر تک شانت کر دیا، اب اس انکار کو وصی تک کس طرح پہنچانا تھا یہ وہ خوب جانتی تھیں۔

☆☆☆

رابعہ تائی کا اچانک ہی شوگر لیول گر گیا ان کی طبیعت بے حد خراب تھی اور وصی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''امی کس بات کی ٹینشن لے رہی ہیں آپ؟'' ان کی طبیعت ذرا سنبھلی تو وصی نے کوئی دسویں بار پوچھا، مگر یہ ہر بار کی طرح اب بھی وہ خاموش تھیں۔

''مجھے معاف کر دو وصی، میں تمہیں تمہاری خوشی نہیں دے سکی۔'' کہنے ک ساتھ ہی وہ رونے لگیں۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب، راحیلہ نے نور کے رشتے سے انکار کر دیا۔'' جواب رانیہ تائی کی طرف سے آیا۔

''کیا؟'' وہ بے یقینی سے بولا اور بے ساختہ اٹھ بیٹھا، خبر ہی ایسی شاکنگ تھی۔

''مگر کیوں؟'' اس کی پیشانی لمحوں میں تفکر کی لکیروں سے بھر گئی۔

''مجھ سے مت پوچھو وصی، مجھے بس معاف کر دو۔''

''نہیں امی مجھے پوری بات بتا دیں۔'' وہ مضطرب ہوا۔

''میں بتاتی ہوں۔'' رانیہ تائی نے کہا۔

''نہیں رانیہ رہنے دو۔'' رابعہ تائی نے انہیں متنبہ کرنا چاہا۔

''نہیں بھابھی، وصی کو ہر بات کا علم ہونا چاہیے ورنہ وہ ساری عمر آپ کو قصوروار سمجھتا رہے گا۔''

''پتہ بھی چلے آخر ہوا کیا ہے۔'' وصی نے الجھن آمیز انداز میں پوچھا۔

''اس نے ہمارے اس پرپوزل کو ہماری کمزوری سمجھا وصی، اس نے اتنے سالوں کی لاتعلقی کا بدلہ چکایا ہے، اس نے ہماری بہت بے عزتی کی، بھابھی نے ہاتھ پیر جوڑ کر ان سے معافی مانگی لیکن وہ پتھر بنی رہی، اس نے کہا بھابھی ان کی دہلیز پر ناک بھی رگڑیں تو بھی وہ نور کا رشتہ نہیں دیں گی۔''

''کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں چچی۔'' وہ متعجب و متحیر سا بولا، اسے کبھی راحیلہ چچی ایسی نہیں لگیں۔

''میں نے کہا تھا نا رانیہ، اسے کچھ مت بتاؤ، ماں کی عزت و وقار سے زیادہ اسے اب وہ لوگ پیارے ہیں، وہ کیوں ہماری بات سننے لگا۔'' وہ بے بسی کی تصویر بنی آنسو بہا رہی تھی۔

''میں تمہاری خاطر سو بار راحیلہ کی دہلیز پر ناک رگڑنے کو تیار ہوں۔'' لوہا گرم دیکھ کر انہوں نے مزید چوٹ کی۔

''بس کریں امی، مجھے آپ کی ہر بات پر یقین ہے، ایسا کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں اور میرے لیے آپ کی عزت نفس، انا و وقار سے بڑھ کر کچھ نہیں، آپ کی خاطر میں سینکڑوں نور قربان کر سکتا ہوں۔'' مشتعل سا کہتا وہ پلٹ گیا، وہ خودسر تھا وہ بخوبی اس بات سے واقف تھیں اور اس کی خودسری کو کہاں استعمال کرنا ہے وہ خوب جانتی تھیں۔

☆☆☆

''نور وصی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟'' وہ بیچ دے کر لوٹی ہی تھی راحیلہ نے اسے عبایا بھی نہیں اتارنے دیا، ان کے اندر بھانبڑ جل رہے تھے۔

''کیا مطلب؟'' اس نے اسکارف اتار کر نظریں جھکا کر پوچھا۔

''مطلب تو تم مجھے سمجھاؤ گی۔'' غصے سے دہکتی سرخ آنکھیں، سخت لہجہ، پیشانی کی تنی رگیں، نور نے اپنی ماں کو اتنے غصے میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''امی...... وہ میں آپ کو بتانے ہی والی تھی کہ......''

''کیا بتانے والی تھی کہ میری برسوں کی ریاضت کو لمحوں میں خاکسار کر دیا، میری تربیت اور اپنے کردار کو داغ دار بنا دیا۔'' دونوں شانوں سے اسے تھام کر اپنے سامنے کرتی وہ حواسوں میں کب دکھائی دیتی تھیں۔

''امی...... میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس سے آپ کی تربیت اور میرے کردار پر انگلی اٹھے۔'' اس نے دہائی دی۔

''بکواس بند کرو، ورنہ زبان کھینچ لوں گی حلق سے، بچپن سے اب تک مجال ہے جو کوئی دن سکون سے گزارنے دیا ہو، چھوٹی موٹی غلطیاں اور بچپنا سمجھ کر تمہاری بے وقوفیاں نظرانداز کرتی رہی مگر تم اس حد تک جاؤ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔''

''امی کیا گناہ ہے میرا، صرف ان سے محبت ہی تو کی ہے میں نے۔''

''تڑاخ۔'' راحیلہ کے زوردار تھپڑ نے اس کی چلتی زبان ایکدم حلق میں ڈال دی۔

''حد ہوتی ہے بے شرمی کی، کیسے ماں کے سامنے اپنے عشق معاشقے کا اقرار کر رہی ہو، ذرا

جھانک کر دیکھو ساتھ والے گھر میں کتنی عزت ہو رہی ہے تمہاری محبت کی اور کس قدر گدلا کر دیا ہے تمہارے جذبات کو۔'' ان کا غم و غصہ ہر گزرتے لمحے شدت اختیار کرتا جا رہا تھا، وہ حق دق ماں کا چہرہ دیکھ رہی تھی، چہرے پر ہاتھ رکھے وہ پانی بن کر بہتی جا رہی تھی۔

''آئندہ وصی سے رابطہ مت کرنا نور، بہت بری طرح پیش آؤں گی۔'' اس کے بیگ سے موبائل تلاش کر کے اپنے قبضے میں کرتے ہوئے وہ متنبہ کر گئیں، نور نے کچھ نہیں کہا وہ کچھ کہنے کے قابل ہی کہاں تھی، محبت کے ظلم کی ایسی ذلت بھری منادی کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا، وہ وہیں بیٹھ کر سسکنے لگی، محبت طمانچہ بن کر اس کے چہرے پر ثبت ہو گئی، کرب اور اذیت لمحہ بہ لمحہ اس کے اعصاب چٹخانے لگے اور ابھی تو بس آغاز تھا۔

☆☆☆

''امی وہ بڑی ہو گئی ہے آپ نے ایسا رویہ کیوں اپنایا اس کے ساتھ۔'' کشف کو پوری بات پتہ چلی تو وہ سر تھام کر رہ گئی۔

''تم نے ہی سر چڑھا رکھا ہے کشف، نادان ہے، بچی ہے کہہ کر ہمیشہ اس کی غلطیوں پر اس کا دفاع کیا ہے تم نے۔'' وہ اس پر بھی بھڑک اٹھیں، رابعہ تائی کی باتیں آگ کی طرح انہیں اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں۔

''امی پلیز۔'' کشف سخت عاجز نظر آئی۔

''اب میں کوئی بات نہیں سنوں گی۔'' وہ کوئی لچک دینے کو تیار نہ تھیں۔

''امی آپ کو تائی امی کا تو پتہ ہے رائی کا پہاڑ بنانا تو ان کی عادت ہے۔''

''اسی بات کا تو رونا رو رہی ہوں میں، کیوں ذرا سی غلطی سے ان کو اتنا سر چڑھایا، کس قدر ذلت آمیز گفتگو کی ہے میری معصوم بچی کے بارے میں، سوچ سوچ کر میری رگیں پھٹنے کو ہیں۔'' زخمی دل سے وہ بے بسی کے بے اختیار کرتے احساس کے سبب رو پڑیں۔

''میں شاید بھی بھابھی کی بات کا اعتبار نہیں کرتی لیکن وصی خود آیا تھا، میں نے بھی کہہ دیا آئندہ آنے کی زحمت نہ کرے۔''

''امی وصی بھائی کا اس میں کیا قصور، وہ تو بہت نائس ہیں اور آپ نے نور کا خیال بھی نہیں کیا، اگر وہ وصی بھائی میں انوالو ہوئی تو......''

کشف نے خدشہ ظاہر کیا۔

''بس کرو کشف، یہ پیار محبت کی باتیں قصے کہانیوں میں ہی اچھی لگتی ہیں، حقیقی زندگی میں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے، کل تک یہ دونوں سب کچھ بھول کر یوں اپنی اپنی زندگی میں معروف ہو جائیں گے کہ یاد بھی نہیں رہے گا اور ہونا بھی یہی چاہیے، میں نے دنیا دیکھی ہے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔''

''اچھا چھوڑیں امی، میں اسے دیکھتی ہوں رو رو کر ادھ موئی ہوئی ہو گی۔'' کشف نے کہا اور کمرے کی سمت بڑھ گئی۔

کمرے میں مکمل تاریکی تھی گہرا سکوت، بس نور کی سسکیاں اس سکوت کو چیر رہی تھیں۔

''نورا!'' کشف نے لائٹ جلا کر اسے پکارا، اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو کشف دہل کر رہ گئی، وہ کس قدر حال سے بے حال لگ رہی تھی، پسینے میں شرابور وجود، متورم و سرخ ڈوروں سے بھری آنکھیں، سرخ چہرہ اور اس پر ٹھہرا کرب۔

''یہ کیا حالت بنا رکھی ہے اٹھو شاباش پہلے منہ دھو کر آؤ پھر بات کرتے ہیں۔'' کشف نے محبت سے اس کے بال سمیٹے۔

''آپا امی نے میری محبت کو ہوس کہا،

انہوں نے مجھے مارا، وہ مجھ پر اعتبار نہیں کرتیں وہ کہتی ہیں میں بچپن سے انہیں تکلیف دے رہی ہوں۔'' آہیں بھرتی وہ اس کی بانہوں میں آن گری۔

''نور ای کو تائی ای کی باتوں کا غصہ ہے ورنہ کوئی اولاد اپنی ماں کے لئے تکلیف دہ نہیں ہوتی۔'' کشف نے اسے تسلی دی۔

''آپی میں ایک بار ان سے بات کرنا چاہتی ہوں مجھے اپنا سیل دے دیں۔''

''اوکے یہ لو، کر لینا لیکن پہلے فریش ہو جاؤ۔'' کشف نے کہا لیکن وہ بے آواز روتی رہی۔

☆☆☆

گزشتہ کئی روز سے وہ وصی سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ اس کی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا نہ ہی پیغامات کے جواب دے رہا تھا، اتنی طویل ناراضی تو کبھی نہیں ہوئی تھی۔

نور نے اسے منانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اسے نہیں پلٹنا تھا، وجہ بتائی نہ فرد جرم عائد کیا بس بیچ سفر میں تنہا چھوڑ گیا، وہ ابھی تک بے یقین تھی کہ وصی اس کے ساتھ ایسا سلوک کر سکتا ہے، اس کی لاتعلقی قیامت بن کر ٹوٹ رہی تھی، کچی عمر کی محبت کس قدر پختہ اور سچی ہوتی ہے شاید کوئی نہ سمجھ سکے، دل کی مسند پر صرف وصی ہی براجمان تھا، پل پل کی بے چینی و بے قراری، یادوں اور کیے گئے عہد و پیمان کا کرب و غم، بے بسی کا ہولے ہولے کاری ضربیں لگاتا احساس اور جدائی کا جان لیوا ستم محبت کے تحفے تھے جن کو اس نے آگے بڑھ کر سینے سے لگا لیا۔

محبت کے بیچ اگر انا آ جائے تو جیت انا کی ہوتی ہے اور محبت ہار جاتی ہے، نور اپنی محبت کو ہارتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھی، ہزاروں جتن کیے اسے منانے کے لئے، مگر نتیجہ تھا کہ ایک لا حاصل تمنا اور طویل و تکلیف دہ انتظار، وہ ابھی تک بے یقین تھی کہ ساری زندگی ساتھ نبھانے کا عہد کرنے والا شخص اس کے ایک پیغام کا جواب تک دینے کا روادار نہیں تھا۔

محبت کا اک اور باب جدائی اور بے وفائی پر آ کر بند ہوا، ایک اور نازک وجود محبت کی مار سے چھلنی ہو گیا، روح میں درد سے دراڑیں سی پڑنے لگیں، محبت کی خارزار پر چلنے سے پیر زخم زخم تھے، ہر طرف مایوسی اور اندھیروں کی راجدھانی تھی، اماوس کا چاند ڈھل رہا تھا اس کی محبت کی طرح۔

☆☆☆

اسے نور پر بے حد غصہ تھا، وہ ان سے بات کرنے آیا لیکن چچی نے اس کی ایک نہیں سنی، ان کے سخت رویے نے ثابت کر دیا کہ تائی امی سچ کہہ رہی تھیں، اپنی والدہ کی توہین اسے قطعاً گوارا نہیں تھی، نور کی دہائیاں، محبت کے حسین لمحوں کے واسطے کچھ بھی پڑھے بغیر اس نے سیل آف کر دیا، وہ اس کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتا تھا۔

''کیا بات ہے وصی بیٹا ابھی تک جاگ رہے ہو۔'' رات گئے اس کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر تائی امی ادھر ہی آ گئیں۔

''کچھ نہیں امی، بس ایسے ہی نیند نہیں آ رہی۔'' ان کے احترام میں وہ اٹھ بیٹھا۔

''کہیں میں نے تمہارے ساتھ ناانصافی تو نہیں کی۔''

''اوہو بس کریں امی جان، وہ لڑکی آپ سے کسی طور بڑھ کر نہیں اینڈ پلیز کلوز دا ٹاپک۔'' اس نے بے زاری سے کہا۔

''پھر مجھ سے وعدہ کرو کہ کبھی اداس نہیں رہو گے اور ہمیشہ مجھے اس چاند سے چہرے پر

مسکراہٹ نظر آئے گی۔" اس کی پیشانی چومتے ہوئے ماماتا سے لبریز لہجے میں گویا ہوئیں۔
"میں ایک ہی نقطے پر کھڑے ہونے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں زندگی متحرک رہنے کا نام ہے اور آپ ہمیشہ مجھے بڑھتا ہی پائیں گی۔" اس نے کہا اور اس کے وجود میں رگوں کے جال کی طرح پھیلی محبت نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

کشف کی شادی تھی، سعود رحمٰن اس کا سینئر تھا، کشف کی ہاؤس جاب مکمل ہو چکی تھی، سعود کی چائنہ میں لیکچرار شپ اور پریکٹس تھی وہ جلد از جلد شادی کر کے کشف کو بھی اپنے ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا، اس نے پرپوزل بھیجا تو امی نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مثبت جواب دے دیا، اس کے دل میں سوئی سی چبھی، مگر وہ خاموش رہی، اس میں اور کشف میں فرق تھا، وہ امی کی سمجھدار دکھ سکھ میں ساتھ دینے والی بردبار اور باکردار بیٹی تھی، اس کی خواہشات کی تکمیل اس کا حق تھا، مگر وہ اپنا کردار ماں کے سامنے میلا ہونے سے نہیں بچا سکی، وہ اپنی محبت کے سامنے بھی سرخرو نہیں ہو سکی۔
"کیا وصی بھائی نے تم سے کبھی کوئی رابطہ نہیں کیا؟" رخصتی سے قبل چند گھڑیاں تنہائی کی میسر آئیں تو کشف نے پوچھا، جس کے چہرے پر خوشیاں حسن و نور بن کر برس رہی تھیں۔
"میرا ان سے شکوے کا کیسا حق آپی، ہر ایک کو اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا پورا حق ہے تو انس اد کے۔" نظریں جھکائے سادہ سے لہجے میں کہتی وہ کس قدر پرسکون دکھائی دیتی تھی۔
"بہت ہی سیلفش انسان ہیں وہ۔" کشف کو بے طرح غصہ آیا۔
"پلیز انہیں کچھ مت کہیں، انہوں نے اپنی راہ الگ کر لی تو اس کا مطلب یہ نہیں میں ان کے بارے میں منفی سوچوں یا ان کا برا چاہوں، بس اپنے اپنے نصیب کی بات ہوتی ہے۔" اس کے لہجے میں محبت تھی، عقیدت تھی، احترام تھا۔
"تمہارے دل میں اتنی گنجائش کیوں ہے نور۔" کشف نے تاسف سے کہا۔
"مجھے تو بس اتنا پتہ ہے جس سے محبت کی جائے اس کی خامیاں بھی خوبیاں ہی لگتی ہیں۔"
وہ عشق کے کلمے پڑھ رہی تھی اور کشف کو اندازہ ہوا کہ جسے ہر لمحہ مسکراتا دیکھ کر وہ سمجھتی تھی کہ وصی عباس قصہ پارینہ ہو گیا وہ تو اسے دل کی دھڑکنوں پر تسبیح کی طرح پڑھتی تھی، اس مسکراہٹ کے پیچھے اس کی محبت کی ادھوری داستان رقم تھی۔
"امی کا خیال رکھنا۔"
"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" نور نے مسکراتے ہوئے اسے گلے لگایا۔
مگر نجانے کیوں آنکھوں کی سطح گیلی سی محسوس ہوئی اور کشف اس کی ذات کے خالی اور ادھورے پن کے احساسات دامن میں سمیٹتی رخصت ہو گئی، جہاں سعود کے سنگ خوشیاں بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھیں۔
دن بھر ہنسنے مسکرانے والی، خوش باش زندگی سے بھرپور نظر آنے والی نور، اندھیرا پھیلتے ہی وصی عباس کے سنگ یادوں کے بھنور میں ڈوب جاتی، آنسو قطرہ قطرہ پگھل کر تکیے میں جذب ہوتے، اس کا جذبوں سے لبریز گمبھیر لہجہ، وفاؤں اور چاہتوں میں بھیگے الفاظ کچھ کھو دینے کا شدتوں سے احساس دلاتے۔
وہ نجانے کتنے پہر روتی اور یہ تو روز کا معمول تھا، یہ درد اور آنسو تو محبت کی سوغات تھے، جنہیں وہ بحفاظت اور خندہ پیشانی سے سنبھالتی

تھی، اس کے لبوں پر آج تک وصی عباس کا نام نہیں آیا تھا، امی نے اسے کبھی روتے نہیں دیکھا تھا، وہ سمجھی تھیں کہ شاید وقت نے اسے جیت لیا، مگر وہ وقت کے ساتھ چل ہی کب رہی تھی وہ تو آج بھی وہیں کھڑی تھی جہاں وصی عباس نے اس کا ہاتھ چھوڑا، وصی عباس تو اس کے اندر زندگی کے احساس کی طرح بستا تھا، وہ زندہ تھی تو محض اس احساس کے تحت وگرنہ کوئی اس کے اندر جھانک لیتا تو خواہشوں کے قبرستان، مردہ لفظوں کے سکوت اور خالی پن کے علاوہ کچھ نہ تھا، وہ لفظ وہ باتیں جو اس نے شب بیداریوں میں وصی عباس کے ساتھ کیں، اپنے دن بھر کے معمولات اپنا ضبط اپنے لبوں پر بندھے قفل اور بین کرتی محبت صرف اس سے شیئر کرتی، جو اس کے تخیل کے علاوہ کہیں نہیں تھا چند گھنٹوں کے یہ آنسو اس کے لئے آکسیجن کا کام کرتے تھے، اگلے دن خود کو تر و تازہ اور غموں سے آزاد دکھانے کے لئے یہ توانائی بھرتے تھے ورنہ تو ہر جگہ بس وہی تھا، صرف وہی۔

☆☆☆

''ردا کس قدر خوش ہے وصی۔'' رابعہ تائی نے اسے دیکھ کر کہا اور خود وہ نہال ہوتی جا رہی تھیں، ماورا، ہانیہ وغیرہ کے درمیان بیٹھی ردا ان کی چھیڑ چھاڑ پر جھینپتی سرخ ہوئی جا رہی تھی، شادی کے بعد پہلی بار وہ امن کدہ آئی تھی۔

''جی امی دیکھ رہا ہوں، منیب بلاشبہ ایک بہترین انسان ہے۔''

''وصی اگر میں کچھ کہوں تو برا تو نہیں مانو گے۔''

''مجھ سے کیسی اجازت درکار امی، آپ حکم کریں۔'' اس کے انداز میں ماں کے لئے محبت و عقیدت کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

''ہانیہ سے شادی کر لو بیٹا، رانیہ نے اب تک اپنی جوان بیٹی تمہارے انتظار میں بیٹھا رکھی ہے ورنہ اسے رشتوں کی کیا کمی، ماشاء اللہ اس سال اکتیس کے ہو جاؤ گے، کب میری یہ خواہش پوری ہو گی، یا دل میں دبائے ہی اس دنیا سے منہ موڑ لوں گی۔'' تائی امی جیسے تھک گئیں۔

''امی جیسے آپ کی مرضی، میں نے آپ کو کب روکا ہے۔'' اس نے رضامندی دے دی۔

''یو آر مائن اینڈ آئی ایم یورز (تم میری ہو اور میں تمہارا) بس اتنی سی بات یاد رکھو اور باقی سب بھول جاؤ۔'' ایک بار اس نے نور سے کہا تھا، نور نے اندر سے شکوہ کناں نگاہوں سے گھور کر اسے دیکھا مگر اس نے نظریں چرا لیں۔

''جیتے رہو، خدا میرے بیٹے کو دائمی خوشیوں اور راحت سے نوازے۔'' اس کی پیشانی چومتے ہوئے تائی امی بے حد مسرور تھیں۔

''میں ابھی تم دونوں کی باقاعدہ منگنی کا اعلان کرتی ہوں۔'' وہ قدرے جوش سے کہتی اٹھیں اور وصی عباس شکست خوردہ سا لاؤنج میں بچھے صوفہ کم بیڈ پر بیٹھ گیا، وہ اداس تھا بے حد اداس، مگر وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

''تھینک یو حماد، تمہاری ہیلپ کے بغیر یہ کبھی ممکن نہیں ہوتا۔'' نور العین حیدر نے دلی خلوص سے اس کا شکریہ ادا کیا۔

''آپ کو کیسے سمجھاؤں مادام، یہ سب میں نے آپ کے لئے نہیں، خصوصی طور پر اپنے مفاد کے لئے کیا ہے، کسی کی مسکراہٹ دیکھنے کے لئے اتنے جتن کیے ہیں۔'' اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا تو نور کہتے ہوئے چل دی۔

''حماد تم پھر شروع ہو گئے، بہت فلرٹی ہو۔''

''ہاں وقفے وقفے سے ٹرائی کرتا رہتا ہوں

کیا پتہ پوزیٹو رسپانس مل ہی جائے۔'' وہ مکمل شرارتی موڈ میں تھا، نور نے ایف ایس سی کے بعد بی بی اے اور ایم بی اے میں ٹاپ کیا، اب اس نے اپنی اکنامکس کی کتاب لکھی جس کی لیگل Requirements کاپی رائٹس پبلیشنگ وغیرہ جیسے تمام کاموں میں حماد نے بے حد تعاون کیا تھا، حماد ایم بی اے میں اس کے ساتھ پڑھتا تھا، اپنی دوستانہ فطرت کے سبب وہ بے حد روڈ اور پوزیسیو نور کو بھی اپنی دوست بنانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

نور کی کتاب شائع ہو کر نا صرف مارکیٹ میں دستیاب تھی بلکہ بیچلر لیول پر کورس میں Recommend بھی کر دی گئی۔

''تمہیں پتہ ہے حماد، آج امی نے مجھے سینے سے لگایا میری پیشانی چومی اور کہا کہ ان کو مجھ پر ناز ہے کہ میں ان کی بیٹی ہوں، برسوں بعد لگا اپنی ماں سے ملی ہوں۔'' اس کے لہجے میں کیسا کرب اور نا تمام حسرتیں ہوک رہی تھیں۔

حماد کا دل چاہا اس کے سارے دکھ چن لے مگر وہ اجازت کب دیتی تھی۔

''تم کیوں نہیں مانتی ہو نور العین۔'' وہ اس کے انکار سے جیسے تھکنے لگا۔

''کیونکہ میں تمہارے ساتھ انصاف نہیں کر پاؤں گی تم بہت اچھے ہو حماد، تم ایک ایسی لڑکی ڈیزرو کرتے ہو جو روح کی گہرائیوں تک تمہاری ہو کر رہے۔'' چار سال پرانا جواب ایک بار پھر دہرایا گیا۔

''کوشش تو کی جا سکتی ہے نا۔'' اس نے ایک اور چانس لیا۔

''جو ہمارے لئے سب کچھ ہو ہم اس کے لئے کچھ بھی نہ ہوں یہ بات کس قدر تکلیف دیتی ہے شاید کوئی نہ سمجھ سکے، کہیں زخم بھی نہ ہو اور درد کا احساس رگوں کو لمحہ بہ لمحہ چیر ڈالے اور شدت سے آنسو نکل آئیں تو ایسی کیفیات کو کیا نام دیں گے، ایک ادھوری اور ناکام لڑکی کے شکست خوردہ جذبات سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا اور حقیقت یہی ہے مجھے اس درد میں بھی کسی کی حصہ داری برداشت نہیں۔'' اس کے چہرے پر کیسا جمود اور سکون طاری تھا، اس کے لہجے میں کیسا ٹھہراؤ تھا، نجانے اندر سے اس کی روح کیسے تلاطم خیز موجوں میں ہچکولے کھا رہی تھی، حماد کے بار بار پرپوز کرنے پر نور نے مجبوراً اسے اپنے اور وصی کے بارے میں بتا دیا کہ شاید وہ پیچھے ہٹ جائے مگر وہ آج تک اس کے ساتھ تھا اس کا عزم شاید پختہ تھا۔

☆☆☆

''حوریہ کے گھر سے کوئی نہیں آیا اس کا رزلٹ کارڈ ایسے ہی پڑا ہے۔'' نور العین نے اپنے سٹاف کے ساتھ ہونے والی منتھلی میٹنگ میں سکول کا ریکارڈ چیک کرتے ہوئے کہا۔

''میم ان کے گھر سے کوئی نہیں آیا، مڈٹرم کا رزلٹ بھی ویسے ہی پڑا ہے۔'' ایک اسٹاف ٹیچر نے جواب دیا۔

''اوکے مجھے حوریہ کی فائل بھجوا دیں اور ہائی بلاک کی ٹیچرز مجھے اس منتھ کا لیسن پلان فائنل کر کے بھجوا دیں، آرٹ ٹیچرز مونٹیسوری بلاک کی ڈیکوریشن اور پینٹنگ چیک کر لیں مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے رپورٹ کریں۔''

آخری چند ایک جملے ادا کر کے اس نے میٹنگ برخاست کر دی۔

آٹھ سال بیت گئے وصی عباس کو نور العین حیدر سے دامن چھڑائے، بظاہر بہت کچھ بدل گیا، اس کی تعلیم مکمل ہو گئی، اس نے ملک و قوم کی خدمت کے لئے اپنی خدمات کتاب کی صورت

میں پیش کیں، وصی عباس کے قدموں پر چلتے ہوئے وہ تعلیم کی علمبردار بن گئی، جب اسے وصی کی شادی ہانیہ کمال سے ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے امن کدہ چھوڑ دیا، امن کدہ کا یہ حصہ بیچ کر انہوں نے ایک فلیٹ خرید لیا اور باقی رقم سے سکول کھول لیا جو اس کی محنت اور حماد کی مدد کے سبب جلد ہی شہر کے بہترین سکولوں میں شمار ہونے لگا اور دن بدن مزید نکھار آتا جا رہا تھا، سکول کا ایک حصہ مونٹیسوری اور دوسرا ہائی تھا، آج اس نے ماہانہ اجلاس بلایا تھا، جس میں مختلف معاملات پر روشنی ڈالی گئی۔

اب وہ حوریہ کی فائل دیکھ رہی تھی، کانٹیکٹ نمبر پر نظر دوڑا کر اس نے اس کے گھر کال کی جس میں ان کے پیرنٹس کو خصوصی طور پر سکول آنے کا پیغام دیا۔

☆☆☆

''سب کو رمضان مبارک۔'' رمضان المبارک شروع ہو چکا تھا، اس نے چاند دیکھ کر وصی عباس کے لئے ڈھیروں خوشیوں کی دعا مانگی اور آنسو پونچھتی ٹیرس سے اپنے کمرے میں آ گئی، جب موبائل کی مسلسل بجتی بپ نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروالی، دوسری طرف وہی تھا حماد، اس کا تمنائی۔

''بہت شکریہ۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''کیا کر رہی ہو؟'' اس نے دریافت کیا۔

''کچھ نہیں بس فری ہی ہوں۔''

''تو مجھے کال کر لیتی ظالم لڑکی۔'' اس نے شکوہ کیا۔

''کس خوشی میں۔'' وہ انجان بنی۔

''رمضان جیسے پاکیزہ اور مقدس مہینے کی برکتیں مجھے وش کرنے کے لئے محترمہ۔'' اس بے اعتنائی پر اسے غش آنے کو تھا۔

''تم موقع دو تو میں کروں نا۔'' اس اسے مزید تپایا۔

''مجھے لگتا ہے اگر میں نے تمہارا انتظار کیا تو یہ دوریاں کبھی نہیں سمیٹیں گی یہ سفر طویل اور صدیوں پر محیط ہو جائے گا، اس لئے میں خود ہی تمہاری طرف دوڑ پڑتا ہوں، کچھ تو فاصلہ ختم ہو گا۔'' اس کے لہجے میں شدتیں تھیں۔

''اچھا رات بہت ہو گئی ہے، صبح سحری کے لئے بھی اٹھنا ہے اس لئے گڈ نائٹ۔'' اس نے صاف دامن بچایا۔

''اس عید پر تمہیں اپنے نام نہ لگا لیا تو پھر کہنا، دہائیاں دیتی رہ جاؤ گی اور تمہاری ایک نہیں سنوں گا۔'' اس کے فرار پر تپتا وہ چڑ کر بولا اور باقاعدہ دھمکی سے نوازا۔

''اچھا یہ کوشش بھی کر لو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور کال کاٹ دی۔

''آپ کے پاس صرف دو سال ہیں نور، جو کچھ پڑھنا ہے پڑھ لیں اب مجھ سے انتظار نہیں ہوتا۔'' وہ ایف ایس سی کے فرسٹ ائیر میں تھی جب وصی نے اسے کہا تھا۔

''دو سال میں بھلا کون سی اسٹڈیز کمپلیٹ ہوتی ہے۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''مجھے نہیں پتہ بس یہ تمہاری ڈیڈ لائن ہے۔'' وہ ضدی پن سے کہتا تو نور العین اتنی چاہتوں پر نازاں ہوتی اور اب آٹھ سال بیت گئے، وہ ہانیہ کے سنگ زندگی گزار رہے تھے اور وہ اس کی شکل دیکھنے اور آواز سننے کو بھی ترس گئی۔

''رمضان المبارک بہت بہت مبارک ہو، اس مہینے کی تمام برکتیں اور رحمتیں آپ کے آنگن میں اتریں آمین۔'' اس نے بے لوث چاہت سے دعا مانگی اور تکیے پر سر رکھتے ہی اپنے محبوب مشغلے میں مگن ہو گئی۔

☆☆☆

''میم حوریہ کے فادر آئے ہیں۔'' پیون نے ہلکی سی دستک دے کر اجازت طلب کی اور اس کے سر کے اشارے پر اندر آ کر اطلاع دی۔

''او کے انہیں بھیج دیں اور حوریہ کی ٹیچر کو بھی بھیج دیں۔'' اس نے کہا اور سر پر اسکارف جمانے لگی۔

''پلیز ہیو آ سیٹ۔'' حوریہ کا رزلٹ کارڈ فائلز میں سے ڈھونڈتے ہوئے اس نے دیکھے بغیر نو وارد سے کہا اور جب نظریں اٹھا کر دیکھا تو پلکوں نے جھپکنے سے انکار کر دیا اور نظریں پلٹنے کو تیار نہ تھیں، اسے دیکھ کر اس کے لئے وقت تھم گیا، سانسیں رک گئیں، ''وصی عباس'' اس کے دل نے گردان شروع کی۔

ایش گرے ٹو پیس میں ملبوس بے حد سنجیدہ اور جاذبیت، رعب و تمکنت سے لبریز وصی عباس کس قدر خوبصورت لگ رہا تھا۔

آٹھ سال بعد نور العین حیدر اس کے سامنے تھی، وہ چلبلی، معصوم سی اس کی محبت کا دم بھرتی نازک سی نور پہلے سے بھی زیادہ حسین ہو گئی تھی، سیاہ پلکوں کی جھالر تلے شدت ضبط سے سرخ پڑتی سنہری آنکھیں، خمیدہ لبوں کو کاٹتی، سرخ و سفید رنگت اور سانچے میں ڈھلے وجود کے ہمراہ وہ کس قدر شاندار لگ رہی تھی، سب سے بڑھ کر چہرے پر چھلکتی سنجیدگی اور وقار اسے کس قدر خوبصورت اور منفرد بنا رہا تھا، وصی نے تصدیق کے لئے ٹیبل پر پڑی پرنسپل کی نیم پلیٹ پڑھی ''نور العین حیدر'' بڑے خوبصورت اور واضح حروف میں لکھا تھا۔

''حیدر میموریل مونٹیسوری اینڈ ہائی سکول۔'' اس نے ایڈمیشن فارم پر کرتے ہوئے یہ نام پڑھا تھا مگر اسے گمان بھی نہیں گزرا تھا کہ یہ سکول نور کا ہے۔

آٹھ سال سے بہتے جدائی کے سمندر میں سونامی آ گئی، وہ دونوں ڈوبنے لگے۔

''کیسی ہیں آپ نور؟'' اس طویل اور حیرت انگیز خاموشی کے وقفے کو وصی نے ہی بالآخر توڑا۔

نور لب کاٹ رہی تھی، اس کا سفید چہرہ سندوری ہو رہا تھا، یقیناً وہ آنسو پی رہی تھی اور کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ بمشکل کہہ پائی۔

''کیا آپ خوش ہیں۔'' کس قدر اچانک اور تکلیف دہ سوال تھا، اس نے بے ساختہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو آپ کو نہیں پتہ۔

''جی میں بہت خوش ہوں۔'' اس نے کہا اور باوجود ضبط کی ہزار کوششوں کے اس کی آواز بھیگ گئی، وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی مگر وہ بہارد بھی نہیں تھی۔

''میری چھوڑیں یہ بتائیں کیا ہانیہ آپی حوریہ پر توجہ نہیں دیتیں پچھلے دو ٹرم سے اس کا رزلٹ کارڈ نہیں پڑا ہے اور بچی بھی اداس اداس سی لگتی ہے، پلیز آپ اس پر توجہ دیں۔'' اسے تیزی سے سنبھلتے دیکھ کر وصی کو اندازہ ہوا کہ نور بڑی ہو گئی ہے۔

''بہت اچھا سیٹ اپ ہے آپ کا، مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ آپ اس کی آنر ہیں۔'' وصی کا انداز نارمل تھا، اس کی بات وہ سرے سے نظر انداز کر گیا۔

''مجھے بھی اندازہ نہیں تھا کہ حوریہ آپ کی بیٹی ہے، ویسے آپ سے زیادہ اس کے فیس کٹ ردا آپی سے ملتے ہیں۔'' بڑے سکون سے گفتگو کرتی وہ وصی کو کس قدر پر وقار لگی تھی، جو دل کے چھالے چھپائے مسکرانے کا فن سیکھ گئی تھی۔

''ہاں وہ تو ہوں گے ہی، خیر آپ بتائیں روزہ ہے آپ کا۔'' اس نے صاف بات پلٹی۔
''میں نے آٹھ سالوں سے ایک روزہ بھی نہیں چھوڑا۔'' وہ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پائی محض اثبات میں سر ہلا دیا، وہ دونوں جب کانٹیکٹ میں تھے تو نور العین صرف جمعہ کے روزے رکھتی تھی مگر اب تو پابند تھی کیونکہ وصی عباس نے اسے کہا تھا۔
''نور روزے مت چھوڑا کرو، آپ ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہو، میں ہر لحاظ سے آپ کی ذات کی تکمیل دیکھنا چاہتا ہوں۔'' تب سے اب تک اس نے ہمیشہ پورے روزے رکھے تھے۔
''نور!'' اس نے دھیرے سے پکارا، نور کو لگا یادہ لمحوں کی گرفت میں جکڑنے لگی ہے۔
اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر دروازے پر ہوئی دستک پر دونوں چونک گئے، نو وارد حوریہ کی کلاس ٹیچر تھی۔
''آئیں مس سندس، یہ حوریہ کے فادر ہیں، حوریہ کے بارے میں جو بھی ڈسکس کرنا ہو ان سے کرلیں۔'' وہ والدین کو ہمیشہ کلاس انچارج سے ملواتی تھی کہ وہ بچوں کے ساتھ زیادہ دن گزارتی ہیں تو وہی بچوں کی سرگرمیوں کے بارے میں بہتر ڈسکس کر سکتی ہیں، اس لئے اس نے حوریہ کی کلاس ٹیچر کو وصی عباس سے ملوایا۔
وصی اچھا خاصا چڑا، لیکن بہرحال وہ بات کرنے لگا اور اس دوران نور بلاوجہ یہ فائلز چیک کرنے لگی، پھر سر جھکا کر ہاتھ میز پر رکھ کر پوری توجہ سے وصی کا لب ولہجہ سننے لگی، وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ہلکا سا ٹیبل پر جھکا، نور نے ٹھٹک کر اس کی سمت دیکھا۔
''ایکسکیوزمی میم، حوریہ کا کارڈ چھوڑ دیں۔'' اسے حق دق دیکھ کر مس سندس نے وضاحت کی، تو اس نے ہڑبڑا کر اپنا ہاتھ ہٹایا، اس کی سمت دیکھے بغیر وہ تیزی سے نکل گیا اور وہ باوجود کوشش کے اسے روک بھی نہیں پائی، اسے لگا اس نے ایک بار پھر اسے کھو دیا ہے۔

☆☆☆

وہ دن کسی قیامت سے کم نہیں تھا، برسوں سے جن جذبات واحساسات اور خواہشات کو وہ تھپک تھپک کر سلا رہی تھی وہ شخص آیا اور لمحوں میں قیامت برپا کر کے چلا گیا، اس کا روم روم سلگ اٹھا وہ جل جل کر راکھ ہو گئی مگر کچھ بھی نہیں کر پائی، کرب و اذیت کے اس لامتناہی سلسلے کو شکست نہیں دے پائی، وہ تین دن سے کہیں نہیں گئی تھی اور سیل بھی آف تھا۔
''نور بیٹا کیا ہوا ہے اتنی مرجھائی سی کیوں لگ رہی ہو۔'' اسے اٹھتا دیکھ کر امی نے پوچھا۔
''کچھ نہیں امی بہت تھک گئی ہوں۔'' اس نے کہا اور ان کے شانے پر سر رکھ دیا۔
''بس کردو نور، بہت کچھ کرلیا تم نے، اب آرام کرو کچھ توجہ اپنی صحت پر توجہ دو بیٹا۔'' انہوں نے محبت سے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔
''جی۔'' وہ مختصراً بولی۔
''اچھا بتاؤ تمہیں حماد کیسا لگتا ہے۔'' امی نے پوچھا۔
''انتہائی فضول۔'' اس نے چڑ کر کہا۔
''سنجیدگی سے بتاؤ۔''
''کیوں امی کیا ہوا ہے۔'' وہ خواہ مخواہ چڑنے لگی۔
''کل ان کی والدہ تمہارے لئے پرپوزل لے کر آئی تھیں، لڑکا محنتی اور خوبرو ہے، گزشتہ چار سال سے ہم اسے جانتے ہیں فیملی بھی اچھی ہے میرے خیال میں تمہارے لئے یہ رشتہ مناسب ہے تم کیا کہتی ہو۔''

''مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔'' اس نے فوراً انکار کیا اور سلیپر پاؤں میں اڑس کر فریش ہونے کی غرض سے کمرے سے ملحقہ واش روم کی سمت جانے لگی۔

''کہیں انکار کی وجہ وصی تو نہیں۔'' انہوں نے پیچھے سے پکارا تو وہ تھم سی گئی، اس نے پلٹ کر انتہائی سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

''حماد کے پرپوزل کے لئے ہاں کر دیں امی، لیکن خدا کا واسطہ ہے مجھے بے اعتباری کی اس اذیت سے بری کر دیں۔''

انتہائی سکون سے نمی چراتی پلکوں کو جھپکاتی نور نے دہائی دی اور کچھ بھی سنے بغیر واش روم میں گھس گئی، راحیلہ بیگم نے کچھ کہنے کے لئے لب وا کیے لیکن وہ جا چکی تھی۔

☆☆☆

اس نے تمام معاملات میں چپ سادھ لی تھی، امی نے اس کا رشتہ طے کر دیا کہاں اور کس سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی اور عید کی شام کو نکاح کے ساتھ ساتھ رخصتی بھی رکھ دی، وجہ یہ تھی کہ چار سال بعد کشف بھی عید کی چھٹیوں میں پاکستان آ رہی تھی، لہٰذا اس کی آمد کو مدنظر رکھ کر پروگرام ترتیب دیا گیا، وہ خاموشی سے خالی خالی نگاہوں سے ہر تیاری دیکھ رہی تھی، اس کا وجود دھیرے دھیرے سلگ رہا تھا جیسے کسی نے برف کی سل پر لیٹا دیا ہو، ہزاروں جتن کر کے وہ وصی عباس کو بھلانے کی کوشش میں مگن تھی مگر اس کوشش نے اسے نڈھال کر ڈالا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی۔

کشف دو دن پہلے ہی آ چکی تھی، خدا خدا کر کے رمضان المبارک اختتام پذیر ہوا اور عید آنے کا عندیہ سنایا، عید کی صبح امی نے اس کی ہزاروں بلائیں لے ڈالیں، مہندی سے سجے اس کے ہاتھوں اور پرسوز حسن کو بارہا سراہا۔

''میری بیٹی سادگی میں اس قدر غضب ڈھا رہی ہے تو دلہن کے روپ میں تو قیامت ہی آ جائے گی میری جان کہیں تمہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔'' انہوں نے بے ساختہ کہا۔

بیوٹیشن کے ماہرانہ ہاتھوں نے اسے مزید پرکشش اور نظر لگ جانے کی حد تک حسین بنا دیا۔ وہ واقعی نور تھی بے حد شفاف، اجلی، معصوم اور ایماندار، گولڈن اور اسکائی امتزاج کے لہنگے میں خوب ٹوٹ کر دلہناپے کا روپ برسا تھا اس پر، اس کی وجود کی چاندنیاں چار سو پھیل رہی تھیں۔

نکاح کا وقت آن پہنچا، نور کا نکاح اس کے کمرے میں ہی ہونا تھا، چھن کی آواز سے دھیرے سے اس کے اندر کچھ ٹوٹ گیا اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلا، مولوی صاحب اندر آئے تو کشف نے اس پر بڑی سی چادر پھیلا دی۔

''نور العین حیدر ولد حیدر شہزاد کیا آپ کو وصی عباس ولد عباس شہزاد بحق مہر سوا لاکھ ازدواجی زندگی میں بحیثیت شوہر قبول ہیں۔''

قطرہ قطرہ پگھلتے آنسوؤں کو پینے کی کوشش کرتی نور کو شدید جھٹکا لگا، اس نے بے ساختہ جھکی گردن اٹھا کر مولوی صاحب کو دیکھا، جیسے اپنی قوت سماعت پر شک گزرا ہو، اس کے یوں گھورنے پر کمرے میں موجود لڑکیوں کے چہروں پر دبی دبی مسکان بکھر گئی، جن میں کشف کی سہیلیاں اور اس کے سکول کا اسٹاف شامل تھا، اس نے تصدیق کے لئے امی کی طرف دیکھا انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

مولوی صاحب نے پھر دوبارہ وہی جملے دہرائے، اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا اسے نہیں پتہ تھا اس نے اقرار کیا یا انکار، وہ بس سن ہوتے دماغ کے ساتھ صدماتی کیفیت کے زیر اثر بیٹھی تھی اس نے غائب دماغی سے نکاح نامے پر

دستخط کیے سب اسے تنہا چھوڑ کر چلے گئے، وہ ابھی تک شاکڈ تھی اس کے حواس سلب ہو کر رہ گئے۔

☆☆☆

جب حواس کچھ بحال ہوئے اور اس بات پر مہر ثبت ہوگئی کہ اس کا نکاح وصی عباس سے ہی ہوا ہے تو وہ بری طرح بپھر گئی۔

''امی یہ سب کیا ہے، مجھ سے پوچھے بغیر آپ نے کیسے کر دیا اتنا سب۔'' وہ بے حد الجھن میں بولی۔

''نور ماں ہوں میں تمہاری، سب سمجھتی ہوں۔''

''امی میں نے ایسی خواہش کبھی نہیں کی، میں خود غرض نہیں ہوں حور یہ کا کیا قصور ہے اس میں۔'' وہ جتنا سوچتی اتنا الجھتی۔

''میں رخصتی نہیں چاہتی۔'' اس نے دوٹوک انکار کیا راحیلہ چچی اور کشف کی کوشش بھی اس مد میں ناکام گئیں۔

''کچھ بھی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ بات سوچ لینا کہ تمہارے لبوں پر بندھے قفل کے پیچھے میں نے وصی کے نام کی پکار سنی ہے، تمہاری خاموشی میں اس کے احساس کی آہٹیں محسوس کی ہیں میں نے، تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ تمہاری لبوں کی مسکراہٹ دیکھ کر میں دھوکہ کھا جاؤں گی کہ تم خوش ہو اور تمہاری آنکھوں کی نمی کی لکیروں کو نظر انداز کر دوں گی، جب تمہاری تائی نے برسوں بعد سب کچھ بھلا کر وصی کے لئے دامن پھیلایا تو میں نے ہی حماد پر اسے فوقیت دی، جب اتنی اکھڑ اور خود غرض بھابھی اپنی اولاد کی خاطر جھک سکتی ہیں تو میں کیوں نہیں، تمہاری خوشی کی خاطر میں نے خود وصی کو چنا ہے۔''

''امی اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔'' سسکتے ہوئے وہ ان کی بانہوں میں سما گئی۔

☆☆☆

بہت عرصے بعد وہ پہلے سی ضدی نور لگ رہی تھی، کسی کی بات کا اس پر کوئی اثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا، کشف اور چچی نے اپنے طور پر کوشش کر کے دیکھ لی مگر ناکامی کے بعد انہیں صورتحال وصی کو بتانی ہی پڑی۔

''مجھے ایک بار اس سے بات کرنے دیں کشف اور پلیز مجھے مکمل پرائیویسی چاہیے۔'' اس نے کشف کے کان میں سرگوشی کی۔

''فکرمت کریں سارا انتظام ہو جائے گا۔'' کشف نے کچھ شرارتی انداز میں کہا اور تھوڑی دیر بعد اس نے وصی کو اس کے کمرے میں بھیج دیا۔

دروازہ ادھ کھلا تھا وہ بلا اجازت اندر داخل ہو گیا، وہ بیڈ پر قدرے مضطرب سی بیٹھی تھی اور ہاتھوں میں پہنے گجروں کی پتیاں نوچ نوچ کر پھینک رہی تھی، دروازے کی چرچراہٹ پر نور نے نظریں اٹھا کر دیکھا، میرون شیروانی پہنے وہ کس قدر خوبصورت مردانہ وجاہت کا شاہکار لگ رہا تھا، اسے سامنے پا کر وہ ٹھٹک گئی۔

دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا، اس نے گڑبڑا کر فوراً نگاہیں جھکالیں، وصی عباس اس خیرہ کن حسن پر مبہوت رہ گیا، لیکن جلد ہی سنبھل گیا، کہ ابھی سے تمام حالات سے آگہی بخشنا باقی تھا۔

''یہ کیا ڈرامہ بازی شروع کر رکھی ہے آپ نے۔'' وہ درشتی سے بولا۔

نور العین جس کا دل دھڑک دھڑک کر بے حال ہو رہا تھا اور وہ جو اس کی موجودگی سے خائف تھی اس لب ولہجے پر ششدر رہ گئی۔

''ڈرامہ بازی میں نے کی ہے یا آپ نے، پہلے خود ہی دھتکار دیا اور اب ایک عدد بیوی اور بچی کے ہوتے ہوئے بھی مجھ سے شادی

رجا لی، کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے، کوئی بازار میں بکنے والا کھلونا ہوں جب من چاہا کھیلا دل بہلایا اور جب من چاہا توڑ کر پھینک دیا، جس کا جی چاہے میرے جذبات کو گالی بنا دے میرے لئے، جب جی چاہے مجھے ٹھوکر مار کر آگے بڑھ جائے، نہیں اب میں خود کو پامال کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گی کسی کو بھی نہیں دوں گی، آپ کو بھی نہیں۔''

اس بے رخی اور کج ادائی پر وہ چیخ اٹھی اور اس کی کرب واذیت پر وصی عباس کو احساس ہوا کہ اس کے دامن میں کتنی تکلیف ڈالی تھی اس نے، ندامت اور تڑپ کا بے بس کرتا احساس اسے اندر سے کاٹنے لگا، آٹھ سال کا پنپتا لاوا لفظوں کے راستے بہہ رہا تھا، وہ تڑپ رہی تھی مچل رہی تھی اور اس کی بے بسی پر وہ ندامت سے کٹا جا رہا تھا، وصی نے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھاما۔

''مت چھوئیں مجھے، دور رہیں مجھ سے۔''
وہ کسی طور لچک دینے کو تیار نہ تھی۔

''نکاح ہوا آپ سے اب کیوں لڑائی کر رہی ہیں مجھ سے، جناب آج کی رات تو کم از کم لڑنے کی نہیں۔'' اس نے آنکھ دبا کر شرارت سے کہا تو وہ سراسیمہ سی پلٹ گئی۔

''آپ نے ایسا کیوں کیا، ہانیہ اور حوریہ کا کیا ہوگا۔'' وہ اس کے برابر کھڑا ہوا تو اس نے پرشکوہ کناں نگاہیں اس کے وجیہہ چہرے پر جما کر پوچھا۔

''نور ادھر بیٹھو اور میری بات غور سے سنو۔''
وصی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا، جسے چھڑانے کی اس نے کوشش کی تو اس مذاحمت پر وصی نے اسے قدرے سنجیدگی اور تنبیہی نگاہوں سے دیکھا کہ اس نے مذاحمت چھوڑ دی اور نگاہیں جھکا لیں، اس کی اس قدر فرمانبرداری پر وصی کو جی بھر کر اس پر پیار آیا تھا جس کا وہ ابھی قطعاً اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

''جب میں نے آپ کے لئے پرپوزل بھیجا تو امی نے راحیلہ چچی کے رویے اور انکار کے بارے میں مجھے مس گائیڈ کیا اور کچھ ایسی باتیں بتائیں جو میرے لئے ناقابل برداشت تھیں، امی کی انسلٹ اور آپ سے دوری کی ساری فرسٹریشن آپ پر نکل گئی اور آپ کے کانٹیکٹ کرنے پر بھی میں نے آپ کو نظر انداز کیا۔'' وہ لحظہ بھر کو رکا، وہ بہت غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''پھر میں گھر گیا لیکن چچی نے مجھے آپ سے ملنے نہیں دیا اور بہت روڈلی بی ہیو کیا، میں مزید متنفر اور بے زار ہو گیا، وقت گزرتا گیا لیکن آپ میرے اندر ہمیشہ موجود رہیں بس میں ہی اس موجودگی سے بھاگتا رہا اور انکار کرتا رہا، انہی دنوں ردا کی شادی منیب سے ہو گئی اور وہ ایک بچی کی ماں بن گئی، رامش چاچو اپنی فیملی کے ساتھ دوبئی شفٹ ہو گئے، حمزہ ہائر اسٹڈیز کے لئے لندن چلا گیا، امی نے مجھے ہانیہ کے لئے راضی کر لیا، میں ایک طویل عرصے سے دامن چھڑاتا آ رہا تھا، امی کی نگاہوں کی ناتمام حسرتیں دیکھ کر میں مزید انکار نہیں کر پایا، شادی کے دن میں ردا کے ساتھ اس کی ساڑھی ٹیلر سے ٹھیک کروانے گیا تو ہماری کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور ردا......'' وہ رک گیا تو نور کا دل بے تحاشہ دھڑک اٹھا وصی نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر آنکھوں پر رکھے جیسے اپنے آنسو چھپا رہا ہو۔

''کیا ہوا ردا آپی کو؟'' اس نے لرزتے ہوئے پوچھا۔

''ردا ہمیں چھوڑ کر چلی گئی نور۔''

''کیا؟'' اس کی دبی دبی چیخ نکل گئی۔

''میری دائیں ٹانگ فریکچر ہوگئی، امن کدہ کے مکینوں کے لئے یہ دن قیامت سے کم نہیں تھا نور، ڈاکٹرز نے میرے ایکسرے اور رپورٹس چیک کیں تو مکمل ناامیدی کا اظہار کرتے ہوئے ٹانگ کاٹنے کا مشورہ دیا، ہانیہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے امی کے منہ پر یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ ایک اپاہج کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تھی، اک ردا کا غم، دوسرا میری ٹانگ اور اس پر ہانیہ کا یہ رویہ امی ٹوٹ گئیں نور، مجھے آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا تو پتہ چلا کہ ٹانگ میں معمولی سا فریکچر ہے بعد میں پتہ چلا کہ میری رپورٹس کسی پیشنٹ کے ساتھ ایکسچینج ہوگئی تھیں، تھوڑے عرصے بعد میری ٹانگ ٹھیک ہوگئی مگر قدرت کے اس کھیل میں ہانیہ اور رانیہ تائی کی خود غرضی کھل کر سامنے آ گئی، ردا کی بیٹی حوریہ کو میں نے اپنے پاس رکھ لیا، ایک بیٹی کو امی کھو چکی تھیں اب امی مجھے کسی صورت داؤ پر نہیں لگانا چاہتی تھیں وہ ہر صورت میں میری خوشی چاہتی تھیں انہوں نے مجھے راحیلہ چچی کے بارے میں جو مس گائیڈ کیا تھا سب بتا دیا لیکن مجھے امی پر غصہ نہیں آیا نور، میں کبھی امی کو غلط سمجھ ہی نہیں سکتا وہ غلط ہوں بھی تو نہیں سمجھ سکتا، بس ایسا ہی رشتہ ہے میرا اور ان کا، وہ پہلے ہی بہت اذیت میں مبتلا تھیں میں انہیں اور دکھی نہیں کر سکتا تھا، مجھے آپ کی ضرورت تھی مگر آپ تو کہیں گم ہو گئیں، پھر ایک دن حوریہ کے سکول سے کال آئی اور امی نے مجھے جانے کے لئے کہا وہاں مجھے آپ ملی، میں آپ کو سب بتا دینا چاہتا تھا مگر آپ غلط فہمی کا شکار تھیں کہ شاید میری شادی ہانیہ سے ہو چکی ہے اور حوریہ میری بیٹی ہے لہٰذا آپ کچھ سننے کے موڈ میں دکھائی نہیں دیتی تھیں، میں نے امی کو آپ کے بارے میں بتایا تو انہوں نے فوراً آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، بعد کے مدارج بہت تیزی سے طے ہوئے امی نے سب کچھ سچ سچ راحیلہ چچی کو بتا کر معافی مانگ لی تھی تو چچی نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور امی کی طرف سے دیئے گئے رشتے کے لئے ہاں کہہ دی اور اب آپ میری ہیں وصی عباس کی۔''

تمام روداد سنانے کے بعد وہ ہلکا پھلکا ہوتا اس کے سامنے بیٹھا تھا، جبکہ نور کی زبان گنگ تھی، سارے الفاظ جیسے کہیں کھو گئے۔

''نور معافی مانگنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ساری زندگی آپ کے شکوے شکایات سننے کے لئے آپ کو اپنا بنا لیا جائے۔''

اسے خاموش دیکھ کر وصی نے کہا اور کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر اس کے بہت قریب بیٹھ گیا، اس نے کھسکنا چاہا مگر وصی نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے اسے بالکل اپنے ساتھ لگا لیا۔

''وصی پلیز چھوڑیں مجھے۔'' اس نے بے اختیار کہا، خفت سے وہ سرخ پڑتی جا رہی تھی، پہلی بار وہ اس کے اس قدر قریب تھا اس کی حواس باختگی قابل دید تھی۔

''کیا کہا ایک بار پھر کہو۔'' اس کے کان کے قریب چہرہ لا کر وصی نے گھمبیر سرگوشی کی، اپنے نام کی پکار اس کے دل کی دھڑکنوں میں جلترنگ بجا رہی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ کپکپاتے لبوں کو دانتوں تلے دباتی بولی۔

''پہلے کہو ورنہ ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔'' گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس نے حصار تنگ کیا، وہ بری طرح مچلی آزادی کے لئے۔

''کیا کہوں؟'' اس نے وصی کو دیکھ کر پوچھا جواباً اس نے اس کی نگاہوں میں جھانک کر دیکھا جیسے اسے اندر تک پڑھ رہا ہو۔

''وصی...... مجھے ایسے مت دیکھیں۔'' کہتے

ہوئے شرم وحیاء سے گلابی ہوتی وہ اس کے سینے میں منہ چھپا گئی۔
''تھینک یو نور۔'' اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھتے ہوئے وہ مشکور ہوا جبکہ نور کی پیشانی سلگ اٹھی۔
''آپ نے مجھے بہت رلایا ہے۔'' اس کی بڑھتی شرارتوں پر گھبراتی نور نے موضوع بدلنا چاہا۔
''کیوں روتی تھی آپ۔'' اسے چھوڑتے ہوئے وہ بھی سیدھا ہوا۔
''کیونکہ میں آپ سے......'' کہتے کہتے وہ رک گئی اس کی آنکھوں سے چھلکتی شرارت اور لبوں پر مچلتی مسکان سے وہ اس کے اقرار کروانے کا بھید فوراً پا گئی۔
''بہت خراب ہیں آپ۔'' کہتے ہوئے وہ اس کے برابر سے اٹھ گئی۔
''آپ مجھ سے......کیا؟......پلیز بتاؤ نا۔'' وہ بدستور اپنی ضد پر قائم تھا۔
''کچھ نہیں۔'' نروٹھے پن سے کہتی وہ ڈریسنگ کے سامنے چوڑیاں اتارنے لگی۔
''اوں ہوں محترمہ، ابھی تھوڑی دیر بعد آپ کی رخصتی ہے اور یہ ڈیوٹی آپ کے ہزبینڈ بخوبی نبھا دیں گے سو ڈونٹ بودر (زحمت نہ کریں) ابھی تو میں نے جی بھر کر آپ کو دیکھا بھی نہیں، ابھی تو میری نگاہیں آپ کے دیدار سے سیر نہیں ہوئیں اور آپ سب اتارنے چل دیں، آپ میرے لئے سجی ہیں نور اور میں کہتا ہوں ابھی سجی رہو۔'' اس نے فرمائش کی۔
''کشف آپی کہاں ہیں؟'' اس کی بے لگام ہوتی نگاہوں سے گھبرا کر اس نے فرار چاہا۔
''کشف کی بچی پہلے یہ بتاؤ کیا آپ کو مجھ سے کوئی شکوہ نہیں۔''
''شکوے تو بہت تھے مگر آپ کو دیکھ کر سب دم توڑ گئے، اب تو ایسا لگتا ہے جیسے مجھے کوئی دکھ چھو کر بھی نہیں گزرا۔'' وصی نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا، یہی وہ باتیں تھیں کہ وہ خود کو نور العین سے محبت کرنے پر مجبور پاتا تھا۔
''نور عید مبارک، آٹھ سال بعد میری عید آئی ہے۔''
''کیا مطلب؟'' وہ چونکی۔
''مطلب آپ میری عید کا چاند ہیں آپ آج میری ہوئی ہیں تو میری عید بھی آج ہی ہوئی ہے اور اب تو ہر روز عید اور ہر رات شب برات ہے نور آپ نے مجھے پیار کرنا سکھایا ہے آپ سراپا محبت ہیں تو پھر محبت سے کوئی محبت کیوں نہ کرے، مجھے اقرار ہے کہ مجھے نور العین سے محبت ہے، بے حد وحساب بے تحاشہ جس کا ثبوت میں اسے ہر لمحہ دوں گا اگر وہ چاہے تو ابھی بھی......'' آخر میں وہ پھر پینترا بدل گیا جبکہ اس کی چاہت کے اقرار نے نور کو معتبر کر دیا۔
''باقی کا ثبوت اپنے گھر جا کر دیجئے گا اب محفل برخاست کریں کیونکہ تائی امی اور تایا ابو اپنی بہو کی رخصتی کے لئے آ رہے ہیں۔'' کشف نے بروقت انٹری دی، تو نظروں سے اسے چھوتا وہ مسکراتا ہوا پلٹ گیا، نور مطمئن تھی اور بے حد سرشار، طویل اور کٹھن انتظار کے بعد اس کی محبت جیت گئی، محبتیں سچی ہوں تو منزل مل ہی جایا کرتی ہے، آسمان کی بانہوں میں عازم سفر ہلال عید کو دیکھ کر نور نے سوچا، تو چاند نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

تیری دید سے میری عید

ثروت انمول

وہ کچن سے جیسے ہی نکلنے لگی دروازے کے بیچوں بیچ مصطفیٰ کو دیکھ کر اسی کے ماتھے کی تیوری چڑھ گئی۔

''راستہ چھوڑو مصطفیٰ۔'' اس کی جذبوں سے لودیتی آنکھوں کو یکسر نظرانداز کر کے اس نے اپنا لہجہ حتی الامکان نرم رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں کڑواہٹ گھل گئی تھی۔

''اگر میں کہوں میں اپنا راستہ نہیں چھوڑتا تو۔'' دونوں بازوں سینے پر لپیٹے وہ شرارت سے گویا ہوا۔

''دیکھو مصطفیٰ نہ مجھے یہ مسخرہ پن اچھا لگتا ہے اور نہ ایسا بے ہودہ مذاق سو پلیز مہربانی کر کے راستے سے ہٹ جاؤ ورنہ۔''

''ورنہ کیا کرلو گی تم بولو۔''

''میں وہ کروں گی جو تمہاری ایک سو بہتر گرل فرینڈز نہیں کر پائی۔'' برداشت کا مادہ اب بالکل ختم ہو چکا تھا اور غصے سے اس کی حالت بری ہو رہی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا اسے کھری کھری سنا دے۔

''وہ تو تم بہت پہلے کر چکی ہو مائی سویٹ کزن میرا چھین وسکون چھین کر۔'' اس کے تلخ لہجے کے باوجود وہ بہت محبت سے مخاطب ہوا تھا، نجانے اسے یہ بحث کیوں اتنی دلچسپ لگ رہی تھی جو اسے راستہ دینے کی بجائے اسے اور بھی تپا رہا تھا۔

''اپنی زبان کو قابو میں رکھیں اور آئندہ یہ بے ہودہ القابات میرے لئے استعمال کرنے کی بجائے اپنی ان چہیتوں کے لئے استعمال کیجئے جنہیں یہ سب سننے کی عادت بھی ہے اور مزہ بھی آتا ہے۔'' وہ اسے پرے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھی لیکن اسے رکنا پڑا، کیونکہ اس کے ڈوپٹے

مکمل ناول

کے سرے کا آخری کونا مصطفیٰ کے ہاتھ میں تھا۔
''مصطفیٰ دوپٹہ چھوڑو۔'' بغیر پلٹے اس نے غراتے ہوئے کہا۔
''نہیں چھوڑتا آج تو بالکل نہیں جب تک تم صاف بات نہیں کر لیتی آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے، میں تو ایک بار نہیں ہزار بار کہہ چکا ہوں میں تم سے محبت کرتا ہوں، میری اتنی سی بات تمہیں سمجھ نہیں آتی، کیوں میرے جذبے میرے احساسات کی پرواہ نہیں کرتی، لاکھوں لڑکیاں مجھ پر فدا ہیں مگر مصطفیٰ احمد صرف تم پر مرتا ہے، تمہاری اک جھلک دیکھنے کے لئے دیوانہ وار یہاں لپکتا ہے، کیوں کر رہی تم میرے ساتھ ایسا پلیز مناہل میری محبت کو سمجھ کر تو دیکھو نفرت کی نگاہ سے نہیں اک بار صرف محبت کی نگاہ سے دیکھو، سوچو پھر تمہیں مجھ میں کوئی برائی......''
''محبت کی تو تم بات ہی نہ کرو۔'' اس کی بات بیچ میں کاٹ کر وہ شروع ہو چکی تھی۔
''اتنا لمبا لیکچرار کم از کم مجھے مت دو مصطفیٰ کیونکہ میں تمہاری خصلت اور فطرت کو بخوبی جانتی ہوں، تمہیں عادت ہے صرف جیتنے کی اور اپنی پسند کی ہر چیز حاصل کرنے کی، لیکن میں نہ کوئی چیز ہوں اور نہ ہی کوئی کھلونا، جیتی جاگتی مناہل انوار ہوں، جو سانس لیتی ہے اور زندگی کو اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے گزارنا چاہتی ہے اور ویسے بھی مجھ پر تمہارے یہ گھسے پٹے ڈائیلاگ ذرا بھی اثر نہیں کریں گے جو تم ہر دوسری سیریل میں کسی نہ کسی کو کہہ رہے ہوتے ہو، سو پلیز بند کرو اپنی بکواس ورنہ تایا ابو کو بتانے میں ایک پل نہیں لگاؤں گی، کیسے شخص ہو تم کہ اپنے ہی چچا کی بیٹی سے فلرٹ کرتے ہوئے ذرا بھی تمہیں شرم نہیں آتی جیسے رشتوں کی اہمیت اور تقدس کا خیال نہ ہو وہ مناہل کی پسند نہیں ہو سکتا اور تم تو کبھی بھی نہیں انڈر اسٹینڈ۔'' وہ ایک جھٹکے سے اپنا دوپٹہ چھڑواتی بغیر پیچھے دیکھے تیزی سے چلی گئی، اک بار اگر مڑ کے دیکھ لیتی تو شاید اسے مصطفیٰ احمد کی محبت پر ہمیشہ کے لئے یقین آ جاتا۔
اس نے بے بسی سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے وہ اپنا دامن اس سے چھڑوا کر گئی تھی، اپنی آنکھوں کی نمی کو دوسرے ہاتھ سے صاف کرتا ہوا بہت مجبور لگا اس کے چہرے پر اک کرب پھیلا ہوا تھا، اس کی شرارت بھری آنکھوں میں اس پل اداسی نے ڈیرے ڈال لئے تھے، شاید محبت سب کا امتحان لیتی ہے اور وہ جان گیا تھا محبت میں انا اور سود و زیاں کا حساب بالکل نہیں ہوتا، تبھی اسے چاچی کی آواز سنائی دی۔
''ارے مصطفیٰ تم یہاں کیا کر رہے ہو اور تمہاری یہ آنکھیں لال کیوں ہو رہی ہیں۔'' انہوں نے پریشانی سے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''وہ میں پانی پینے آیا تھا لیکن شاید کچن میں سالن بن رہا تھا شاید اسی لئے آنکھیں لال ہو گئی ہے۔'' اپنا بھرم رکھنا بہت مشکل ہے وہ آج یہ جان گیا تھا سو مسکراتے ہوئے چاچی کو تسلی دی۔
''لو بیٹا ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارو اتنے میں، میں کھانا لگاتی ہوں۔'' فریج سے پانی کی بوتل نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ محبت سے کہہ رہی تھیں۔
''اتنی محبت اتنی اپنائیت آپ کی بیٹی کو کیوں نہیں ہے مجھ سے کیوں ہمیشہ وہ میرے خلاف رہتی ہے، کیوں نہیں وہ مجھ سے پیار کرتی کیا میں اس کی نظر میں اتنا برا ہوں کہ میں اس سے فلرٹ کروں گا وہ میری محبت کو فلرٹ سمجھتی ہے۔'' یہ باتیں وہ چچی سے کہہ نہیں سکتا ہے اس لئے دل ہی

دل میں چچی سے مخاطب ہوا۔
''کیا سوچ رہے ہو؟'' اسے گم صم کھڑا دیکھتے ہوئے چچی نے سوال کیا۔
''چچی جان مجھے اک کام کے سلسلے میں جانا ہے کھانا باہر کی کھاؤں گا اس وقت کام بہت ضروری ہے، ورنہ میں آپ کے ہاتھ کا کھانا کبھی مس نہیں کرتا۔'' وہ جلدی جلدی ان کے ماتھے پر بوسہ دیتا ہوا باہر نکل گیا۔
''شریر۔'' بوتل فریج میں رکھتے ہوئے ناصرہ بیگم دھیرے سے مسکرائی۔
☆☆☆
مصطفیٰ احمد، سارہ بیگم اور حسن احمد کا اکلوتا بیٹا تھا، اس لئے لاڈلا بھی بہت تھا، اتنے لاڈ و پیار نے اسے بگاڑا نہیں تھا، مگر تھوڑا سا ضدی اور خودسر بنا دیا تھا۔
اپنی ضد کی وجہ سے اس نے میڈیکل کی پریکٹس چھوڑ کر اداکاری کا پروفیشن اپنا لیا تھا، اداکاری اس کا جنون تھا اور اس فیلڈ میں انتھک محنت کر کے اس نے اپنا اک مقام بنا لیا تھا، شوبز کی رنگین اور چکا چوند دنیا اسے اچھی لگتی تھی اس کی فرینڈ لسٹ میں لڑکیوں کی تعداد لڑکوں کے مقابلے زیادہ تھی اس کی بے شمار گرل فرینڈز تھیں کچھ ایسی بھی جو اس سے شادی کی خواہش رکھتی تھیں، لیکن اس نے کسی کو بھی شادی کے خواب نہیں دکھائے تھے اس کے لئے وہ صرف فرینڈ تھیں، وہ خوبصورت تھا، ایجوکیٹڈ ہونے کے ساتھ ساتھ شوبز کی دنیا کا چمکتا ہوا ستارہ تھا اور جو بے انتہا دولت کا مالک تھا، اس کا ساتھ پانا ہر لڑکی کی خواہش ہو سکتی تھی یہ بات اسے بھی اچھی طرح معلوم تھی، لڑکیاں پکے ہوئے آم کی طرح اس کی جھولی میں آ گرتی، جب لڑکیوں کو اپنی عزت اور وقار کی فکر نہیں تھی تو وہ کیوں کرے اس خیال نے اسے اور بھی آزاد کر دیا تھا، لیکن اتنی آزادی کے باوجود اس نے کبھی اپنی حد کراس نہیں کی تھی۔
☆☆☆
''پتا ہے آپی آج مصطفیٰ بھائی مجھے کالج چھوڑنے گئے آپ یقین کریں آپی پورا کالج گیٹ پر اکٹھا ہو چکا تھا اور سب لڑکیاں میری طرف رشک بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی، یہاں تک وہ تک چڑھی نشاء بھی میرے پیچھے دم ہلاتی پھر رہی تھی، اپنی تو الگ ہی تور بن گئی تھی، سچ بڑا مزا آ رہا تھا، مصطفیٰ بھائی کی وجہ سے مجھے بھی خاص پروٹوکول ملا آج۔'' کالج سے آتے ہی وہ مصطفیٰ نامہ شروع کر چکی تھی، تعریفوں کے پل پر پل کھڑے کیے جا رہے تھے جبکہ مناہل کے ماتھے کی لکیروں میں اچھا خاصہ اضافہ ہو چکا تھا۔
''مجھے تو حیرت لڑکیوں پر اتنا پاگل کیوں ہو جاتی ہیں وہ شوبز کے کسی بھی فرد کو دیکھ کر وہ بھی انسان ہوتا ہے اس کی بھی دو آنکھیں دو کان اور ایک ہی ناک ہوتی ہے اور تمہیں کہا کس نے تھا اس جوکر کو اپنے کالج لے جانے کے لئے۔'' وہ مسلسل ناک منہ چڑھا کر بول رہی تھی۔
''پلیز آپی آپ تو رہنے ہی دیں، مصطفیٰ بھائی کی تعریف آپ کو کہاں برداشت ہو گی حالانکہ اتنے پیارے اتنے سویٹ ہیں، عورتوں کی عزت کرنا اور اچھی گفتگو کرنا کوئی ان سے سیکھے، خوبصورتی تو ان پر ختم ہوتی ہے میں نے کسی مرد کو اتنا خوبصورت نہیں دیکھا بالکل یونانی دیوتاؤں کی طرح حسین پتہ نہیں آپ کیوں ان سے اتنی اکھڑی اکھڑی رہتی ہیں۔'' ایمان غصے سے واک آؤٹ کر چکی تھی، کیونکہ مصطفیٰ کے خلاف وہ ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی جبکہ مناہل کے پاس بیٹھنے کا مطلب مصطفیٰ احمد کی برائیوں کی داستان سننا تھا جو وہ بالکل نہیں سن سکتی تھی۔

☆☆☆

"ایمی مجھے اکثر یہ فیل ہوتا ہے مناہل تمہاری بہن نہیں ہے تم اتنی معصوم اتنی خوبصورت، لوگوں سے ملنے ملانے والی، فن کی قدر کرنے والی اور ان سب سے بڑی خصوصیت تم میں یہ ہے تم باتیں بہت اچھی کرتی ہو جبکہ مناہل اپنے آگے کسی کو اچھا نہ سمجھتی ہے نہ سمجھنا چاہتی ہے، بلکہ وہ تو کسی کو گھاس ہی نہیں ڈالتی، خوبصورت تو وہ بالکل نہیں ہے، توے جیسی سیاہ رنگت اور اس پر یہ بڑی بڑی گائے جیسی آنکھیں اف اللہ مجھے معاف کرنا میں کیا کہہ رہا ہوں مگر ہے تو ایمی سچ ہی نا۔" نہایت معصومیت سے کہتا وہ ایمان کو ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

جبکہ باہر کھڑی مناہل کا دل چاہا وہ اس کا سر توڑ دے۔

"گندمی رنگت کو توے جیسی سیاہ، اتنی خوبصورت اور غزالی آنکھوں کو گائے جیسی آنکھ اور اس ایمان کو بچی کو تو میں بتاؤں گی اچھی طرح کیسے منہ پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہی ہے اور یہ منحوس انسان روز آ جاتا ہے دل جلانے کو یا اللہ میں نے ایسا کون سا گناہ سرزد کیا تھا جو تو نے اس شخص کو بھیج دیا میرا ضبط آزمانے کو۔" وہ خود کلامی کرتی ہوئی واپسی مڑ چکی تھی۔

"مصطفیٰ بھائی آپ نے یہ سب آپی کو آتا دیکھ کر کہا ہے نا۔" وہ یقین سے بولی تھی۔

"آف کورس مائی سویٹ سسٹر بہت جانتی ہو اپنے بھائی کو پھر یہ بھی جانتی ہو گی میں نے یہ سب کیوں کہا۔" مصطفیٰ نے پہلو بدلتے ہوئے کن انکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی جانتی ہوں انہیں تپانے کے لئے تاکہ وہ غصے میں آپ کے روبرو آ کر دو چار کھری کھری سنا جائے، پر اس طرح آپ کا مسئلہ سلجھنے کے بجائے مزید الجھ جائے گا۔"

"مسئلہ تو پہلے سے الجھا ہوا ہے جناب اس سے زیادہ کہاں الجھ پائے گا۔"

"اس طرح آپ کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا مصطفیٰ بھائی، وہ مناہل ہے اس کو سمجھنا بہت مشکل ہے آپ سیدھی طرح تایا ابو اور تائی امی سے بات کریں اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں ماما پاپا انکار نہیں کریں گے۔" قسم اللہ پاک کی اس نے واقعی بہن بن کر آسان اور سیدھا راستہ اسے بتایا تھا۔

"ہاں لیکن ایمی میری پرابلم یہ ہے مجھے اس سے شادی سے پہلے محبت کرنی ہے۔" وہ بے چارگی سے اس نے کہا۔

"پھر ہو گئی آپ کی اس سے شادی۔" دونوں ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے ایمان نے کہا۔

"یہ بات آپ اور میں دونوں اچھی طرح جانتے ہیں اسے یہ سب پسند نہیں ہے اس لئے محبت کا خیال دل سے نکال کر سیدھا سیدھا پرپوزل بھیجئے تاکہ ہم لوگ ایکسپٹ کر کے انہیں آپ کے سپرد کر دیں۔" اس کے کندھے میں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ شرارت سے مسکرائی تھی جواباً مصطفیٰ کے لب بھی کھل اٹھے تھے۔

☆☆☆

"جو رشتوں کا تقدس پامال کریں وہ میری پسند ہرگز نہیں ہو سکتا۔" اس کی آواز اس کے کانوں میں برچھی کی طرح لگ رہی تھی۔

"میں تم سے نفرت کرتی ہوں اتنی نفرت اگر دنیا میں تم آخری شخص بھی ہوتے تو میں تم سے شادی کرنے کی بجائے خود کو ختم کرنا زیادہ بہتر سمجھوں گی۔" اس نے بے بسی سے اپنی آنکھوں کو بند کیا تھا۔

''کیا ان سب باتوں کے باوجود مجھے اپنا پروپوزل بھیجنا چاہیے اگر اسے کچھ ہوگیا تو وہ کیا کرے گا، اگر اس نے اپنی بات پوری کرنے کے لئے خود کو نقصان پہنچایا تو کیا وہ جی لے گا اس کے بغیر۔'' اب بے شک وہ اس سے نفرت کرتی ہے، اس کی زبان صرف میرے لئے زہر اگلتی ہے، مگر ہے تو میری آنکھوں کے سامنے زندہ سلامت لیکن اگر وہ کسی اور کی ہوگئی تو یہ خیال ہی اس کے لئے سانس رکنے کے لئے کافی تھا، بھی ایمان کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

''آپ اپنا وقت برباد کر رہے بھیا آپی اس ٹائپ کی نہیں ہے انہیں یہ سب چھچھورا پن لگتا ہے، ماما پاپا انکار نہیں کریں گے آئی پراس اپنی بہن پر اعتبار کر وہ آپ کا ساتھ دے گی منائل کو منانے کے لئے اپنی جان لڑا دے گی۔'' اس کے بھینچے ہوئے لب مسکرا اٹھے تھے، نگاہوں کے سامنے ایک دلکش چہرہ آ سما گیا تھا۔

☆☆☆

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا کمرے کا حلیہ دیکھ کر اس کے ماتھے پر سلوٹوں کا اضافہ ہوا، کیپ سر سے اتار کر اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور الماری کی طرف بڑھا لیکن الماری میں رکھی چیزیں اور کپڑے دیکھ کر اس کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا تھا۔

''کتنی بار منع کیا ہے اسے میری چیزوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کیا کرے مگر اسے سکون نہیں ملتا جب تک مجھے بے سکون نہ کر دے۔'' وہ غصے سے آؤٹ آف کنٹرول ہو رہا تھا، اپنے غصے کو کنٹرول کرتا وہ سیدھا بی جی کے کمرے میں داخل ہوا تھا، لیکن بی جی کمرے میں موجود نہیں تھیں، شاید انہیں پتہ چل گیا ہے ان کا اکلوتا بیٹا حویلی پہنچ چکا ہے، اس کا رخ اب کچن کی طرف تھا، اسے سو فیصد یقین تھا بی جی کچن میں اس کے لئے کوئی نہ کوئی ڈش بنوا رہی ہوں گی، لیکن وہاں کچن میں اسے کام کرتا دیکھ کر اس کا خون جل گیا۔

''تمہیں معلوم ہے بی جی کہاں ہیں؟'' اتنے ماہ کے بعد وہ اس سے مل رہا تھا، مگر اس کا حال پوچھنے یا پھر اس کی طرف دیکھنے کی اس نے ضرورت محسوس نہیں کی، بنا اس کی طرف دیکھے وہ رکھائی سے اس سے مخاطب ہوا۔

میرب کے دل نے اسے اپنے قریب پا کر اک بیٹ مس کی تھی، اس کے دل کی دھڑکنوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا، دل اسے اک نظر دیکھنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا مگر اس کے سامنے نظریں اٹھانے کی جسارت کم از کم میرب نہیں کر سکتی تھی۔

''بی جی احمر بھائی کی شادی میں شرکت کے لئے گئی ہوئی ہیں، صبح تک آ جائیں گی۔'' بمشکل اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا تھا، احمر اس کا دو پار کے کزن تھا، اس کے ہاتھ تیزی سے روٹیاں بنا رہے تھے، روٹیاں بناتے ہوئے اس کی چوڑیوں کی جلترنگ ماحول میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

''آپ کو بھوک لگی ہے تو میں کھانا لگا دیتی ہوں۔'' اس نے اسے دروازے میں جمے دیکھ کر کہا، کیونکہ اس کی موجودگی میں وہ کام نہیں کر پا رہی تھی۔

''پہلے تم مجھے یہ بتاؤ میرے بلیک کلر والی شرٹ اور ہاف وائٹ سوٹ نہیں مل رہا، وہ کہاں رکھا تم نے، میرے منع کے باوجود تم کیوں میرے کمرے کو صاف کرتی ہو، کیا ملتا ہے یہ سب کر کے کیوں میری زندگی میں بار بار اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہو، بابا مجھے اچھی طرح معلوم ہے، تم میری زندگی کا وہ حصہ ہو جو زبردستی

مجھ پر مسلط کیا گیا ہے، مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس طرح کی اوچھی حرکتیں مت کرو مجھے ایک گھنٹے میں اپنا کمرہ ویسا ہی چاہیے جیسا میں چھوڑ کر گیا تھا اور کھانا لگاؤ مجھے بھوک لگی ہے۔'' اپنا سارا غبار اور بھڑاس نکال کر وہ اب کچن میں رکھی ٹیبل کے پاس کرسی کھسکا کر بیٹھ چکا تھا یہ دیکھے بنا اس کے لفظوں کے نوکیلے تیر کسی کے دل کو زخمی کر گئے تھے۔

اس نے اپنی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا، وہ کھانے نکالنے لگی کچن میں صرف برتنوں کی آواز گونج رہی تھی، اس نے کھانا ٹیبل پر رکھا پانی کا جگ رکھ کر وہ اک کونے میں کھڑی ہو گی، جانتی تھی کھانے کے فوراً بعد اس دشمن جان کو فوری چائے چاہیے ہوتی ہے وہ کھانے سے فارغ ہوا تو اس نے چائے لا کر ٹیبل پر رکھ دی اس کا چہرہ کسی بھی جذبات سے عاری بالکل سپاٹ تھا آنکھوں کی جوت مدھم ہو چکی تھی، وہ برتن اٹھانے لگی، برتن اٹھاتے وقت اس کی چوڑیوں کی آواز پھر بلند ہوئی تھی، چائے پیتے عالم نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے چوڑیوں کا شور بالکل پسند نہیں اس لئے میرے سامنے یہ مت پہنا کرو۔'' وہ چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

میرب نے ایک نظر اس ظالم شخص کی طرف دیکھا جو اس کے دل میں بہت اونچی جگہ پر پورے استحقاق سے براجمان تھا، وہ اسے سہاگ کی نشانی اتارنے کو کہہ رہا تھا، کیوں نہیں اس کا دل میری حالت دیکھ کر تڑپتا ہے کیوں اسے مجھے ستانے میں مزہ آتا ہے سب کے ساتھ اس کا رویہ دیکھ کر کسی کے لئے بھی یہ اندازہ لگانا مشکل تھا وہ تنہائی میں میرب کے ساتھ اتنا بدتر سلوک کرتا ہے۔

''سنا نہیں تم نے میں نے کیا کہا اتارو ان چوڑیوں کو۔'' اس کی آنکھوں میں آگ جیسی لپک تھی، نجانے وہ یہ سب کیوں کر رہا تھا۔

''آپ جانتے ہیں بی جی کو برا لگے گا اگر انہوں نے میری کلائی خالی دیکھی، پلیز یہ سب مت کیجیے، میں نے آج تک آپ کی ہر بات مانی ہے لیکن یہ میرے بس میں نہیں ہے۔'' وہ آنسو پیتے ہوئے آہستگی سے بولی، اس کے سامنے ایک بھی آنسو گرانا اپنے آپ کو خود ذلیل کروانا تھا۔

''او کے جب میں مر جاؤں گا تب بھی انہیں پہن کر رکھنا یا پھر توڑ کر اتارو گی۔'' طنز کے تیر چلانا کوئی اس سے سیکھتا، میرب نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں آپ کیوں نہیں میری...... آپ جانتے ہیں میں یہ سب، او کے جیسے آپ کی مرضی۔'' وہ چوڑیاں اتار کر اِدھر اُدھر پھینک رہی تھی اور آنسو تواتر سے اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے اور وہ ظالم انسان بہت آرام اور سکون سے چائے پیتے اسے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ جلے پیر کی بلی کی طرح اِدھر سے اُدھر مسلسل گھوم رہی تھی، غصے سے اس کا دماغ آؤٹ آف کنٹرول ہو رہا تھا۔

''اس ذلیل گھٹیا انسان کی ہمت کیسے ہوئی تایا ابو اور تائی امی کو اپنا پرپوزل دے بھیجنے کی، جبکہ میں ایک نہیں ہزار بار اس کے منہ پر منع کر چکی ہوں، پھر بھی وہ ایک نمبر کا گھٹیا انسان جیسے اپنی عزت کی کوئی پرواہ نہیں، وہ سمجھتا ہے یہ سب کر کے وہ منال کو پالے گا بھول ہے اس کی مجھے اس کی خوش فہمی دور کرنی ہوگی۔'' سوچ سوچ کے

دماغ اس کا شل ہو چکا تھا، مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا، فیصلہ اب ماما بابا کی کورٹ میں تھا اور وہاں تک اپنا انکار پہنچانا وہ بھی ان کے لاڈلے مصطفیٰ کے لئے دل گردے کا کام تھا اور یہ اسے ہر حال میں کرنا تھا۔

''بابا!'' وہ کافی لے کر آئی تھی ٹیبل پر ٹرے رکھ کر اس نے ایک کپ بابا کی طرف بڑھایا اور دوسرا خود تھام کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

''میری بیٹی کچھ پریشان نظر آ رہی ہے خیریت ہے نا۔'' اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے انوار صاحب نے کہا، مناہل کو تھوڑی سی ڈھارس ملی تھی۔

''بابا میں......'' اس نے اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بات کا آغاز کرنا چاہا۔

''بیٹا بلا جھجک کہہ ڈالو جو دل میں ہے سمجھو تمہارے سامنے تمہارا بابا نہیں بلکہ تمہارا بہت اچھا دوست بیٹھا ہے۔''

''بابا مجھے مصطفیٰ سے شادی نہیں کرنی ابھی میں ایم ایس سی کرنا چاہتی ہوں پلیز پلیز بابا میری بات مان کر آپ تایا ابو کو منع کر دیں۔'' آنکھیں بند کر کے وہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

''لو بیٹا اتنی سی بات۔'' بابا کے کہنے پر اس کے لب مسکرا اٹھے اسے امید نہیں تھی بابا اتنی جلدی مان جائیں گے لیکن دوسرے ہی پل اس کی ہنسی غائب ہو چکی تھی بابا کہہ رہے تھے۔

''بیٹا ہم کون سا ابھی شادی کر رہے ہیں تقریباً دو تین سال بعد دیکھیں گے تم مکمل کرو اپنی پڑھائی بے فکر ہو کر، بیٹا وہ میرا بڑا بھائی ہے، جن کی عزت میں دل سے کرتا ہوں اور مصطفیٰ مجھے جان سے پیارا ہے اور تم بھی میری جان ہو بے فکر رہو وہ تمہارے لئے بہترین انتخاب ہے جو وقت ثابت کرے گا، اب تو کوئی اعتراض نہیں۔'' کافی کا مگ ٹرے میں رکھتے ہوئے انہوں نے اس سے استفسار کیا۔

اس کا سر بے اختیار نفی میں ہلا تھا، اس کی تربیت اسے اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی وہ بابا سے اس موضوع پر کھل کر اپنی رائے دے سکیں اور وہ بھی مصطفیٰ کے خلاف جس کی محبت میں وہ پور پور ڈوبے ہوئے تھے۔

''چلو ابھی تو منگنی ہو گی، دو تین سال کا ٹائم ہے میرے پاس کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ لوں گی۔'' وہ فیصلہ کر چکی تھی اور دل نے بھی اس کی تائید کی وہ ٹرے اٹھا کر بابا کو گڈ نائٹ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

انگیج منٹ کا فنکشن بڑے پیمانے پر کیا گیا تھا، مصطفیٰ کے شوبز میں ہونے کی وجہ شوبز کے کافی لوگ بھی مدعو تھے عین منگنی والے دن ہی مصطفیٰ نے نکاح کے لئے اصرار کیا تو مجبوراً انوار صاحب کو اپنے لاڈلے مصطفیٰ کی یہ ضد بھی ماننا پڑی، مولوی صاحب اس سے نکاح کے سائن لینے آئے تو اس نے شکایت بھری نظروں سے پہلے بابا کو اور پھر ماما کو دیکھا، اس کے بعد بہت ہی مشکل سے وہ سائن کر پائی، نکاح کے بعد اسے مصطفیٰ کے پہلو میں لا کر بٹھا دیا گیا، مصطفیٰ کی شوخیاں اور شرارت عروج پر تھی وہ مسلسل ہنس رہا تھا، جبکہ سب اسے کہہ رہے تھے تھوڑا سا مسکرا دے مگر وہ لب سختی سے بھینچ کر بیٹھی رہی، فنکشن ختم ہونے کے فوراً بعد وہ کمرے میں جا کر ان سب چیزوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی آنسو روانی سے اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

''ہیلو۔'' فون او کے کر کے اس نے کان سے لگایا تھا اور جو کچھ اس سے کہا گیا تھا وہ اس

کے لئے شاکڈ تھا اس نے بے بسی سے موبائل کو پھینکا تھا اب وہ زور زور سے آواز کے ساتھ رو رہی تھی، تبھی ایمان اندر داخل ہوئی۔

''کیا بات ہے آپی کیوں رو رہی ہو آپ۔'' وہ بیڈ پر سامنے دو زانو بیٹھ کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بہت پیار سے پوچھ رہی تھی، مگر اس کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

''آپی آخر ہوا کیا ہے؟'' ایمان نے تقریباً اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔

''تم بھی اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو جاؤ یہاں سے ماما بابا سب اس کے ساتھ ملے ہوئے ہیں تم نے سب نے مل کر مجھے برباد کر دیا، تباہ کر دیا مجھے میری ہستی کو میری ذات کو مذاق کا نشانہ بنا دیا، جاؤ یہاں سے جشن مناؤ باہر جا کر اس کی جیت اور میری ہار کا جاؤ یہاں سے۔'' منال بے دم ہو کر، جو فرش پر گر چکی تھی ایمان تیزی سے اس تک آئی تھی۔

''جو ہونا تھا وہ ہو گیا آپی اس کو دل سے قبول کر لو پلیز پھر آپ کو تکلیف نہیں ہو گی، وہ شخص اتنا بھی برا نہیں ہے جتنا آپ سمجھتی ہیں، بچپن سے دیکھ رہی ہوں اس کا آپ کی طرف رجحان لیکن آپ پتہ نہیں کیوں ان سے اتنی نفرت کرتی ہیں، کیا بگاڑا ہے انہوں نے آپ کا حالانکہ وہ تو آپ سے بہت پیار کرتے ہیں لوگ تو ترستے ہیں ایسے شخص کی محبت کے لئے مگر آپ۔'' وہ خاموش ہو چکی تھی۔

''ہاں میں کرتی ہوں اس سے نفرت کیونکہ وہ میری خوشیوں کا قاتل ہے، بچپن میں بھی میری ہر چیز پر قابض ہو جاتا تھا حتیٰ کہ ماما بابا پر بھی اس نے قبضہ کر لیا، پھر تم آئی میری بہن ہونے کے باوجود تم اس کی سائیڈ لیتی رہی وہ تمہارا فیورٹ رہا میں تمہیں نہیں رہی، میں خاموشی سے کنارہ کشی اختیار کرتی گئی، اس نے اپنی ضد پوری کرنے کے لئے اس نے یہ اوچھا ہتھکنڈا اپنایا، منگنی کرتے کرتے نکاح کر لیا، اس کی گھناؤنی سازش تھی، ابھی جس کا مجھے فون آیا ہے، وہ اس کی ایکس گرل فرینڈ تھی جس کے ساتھ اس کے تعلقات بہت آگے تک جا چکے ہیں اور اب وہ مجھے ہوس کا نشانہ بنانے کا سوچ رہا ہے اس کمینے کی یہ آرزو تو میں مر کر بھی نہ پوری کروں۔'' وہ غصے سے ہانپنے لگی تھی۔

''آپی پلیز سکون سے بیٹھ جایئے اس طرح آپ کی طبیعت مزید خراب ہو گی ہم اس موضوع پر پھر بات کریں گے۔'' ایمان ہر ممکن طریقے سے اسے پرسکون رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تم نے نہیں دیکھا اس کا اصل چہرہ میں نے دیکھا وہ روپ جب اسے اپنی مرضی کی چیز مل جاتی ہے تو اس کے چہرے پر چمک آ جاتی ہے بہت بھیانک چمک، میں جانتی ہوں وہ کس کے ساتھ کس حد تک گیا ہے، میرے لئے اس جیسا بد کردار شخص ہی ملا تھا ماما بابا کو۔'' وہ چلا اٹھی تھی۔

''مجھے کراہت آتی ہے اس سے اور اسے ہی ماما بابا نے میرا ساتھی بنا دیا، مجھے اس کا پل دو پل کا ساتھ گوارا نہیں تھا اور بابا نے اسے میری زندگی بھر کا ساتھی بنا دیا اچھا نہیں کیا بابا بہت برا کیا نہیں معاف کر پاؤں گی انہیں بھی۔'' وہ ایکدم تیورا گر پڑی تھی، جبکہ ایمان اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔

''وہ کیا کہہ رہی تھی کیا ہم نے واقعی غلط کیا اس پر اپنی مرضی اپنی دھونس جما کر مجھے مصطفیٰ پیارا ہے تو منال بھی پیاری ہے بلکہ وہ زیادہ پیاری ہے، بہن ہے وہ میری۔'' وہ منال پر جھکی تھی جس کے گالوں پر آنسوؤں کے نشان باقی تھے جو اس کے دکھ سنا رہے تھے۔

''میں آپ سے پیار کرتی ہوں آپی بابا بھی آپ سے بہت پیار کرتے ہیں اور وہ شخص بھی آپ کو چاہتا ہے جس کی چاہت کو آپ نے ہوس کا نام دے دیا وہ مر جائے گا اگر اسے یہ پتہ چلا کہ آپ اس کے بارے میں ایسا سوچتی ہیں۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی تھی، مناہل کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی کہ ایمان نے پورا گلاس اس پر انڈیل دیا، مگر اسے ہوش نہیں۔

''آپی، مناہل آپی۔'' اس کے گالوں کو تھپتھپاتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

☆☆☆

بی جی شادی سے صبح ہی لوٹ آئی تھیں انہیں عالم شاہ کی آمد کی خبر مل چکی تھی، وہ یہ خوشی کی خبر سنتے ہی فوراً گاؤں سے حویلی جانے کے لئے نکلی تھیں، کیپٹن عالم کے کمرے میں جیسے ہی وہ داخل ہوئیں تو سامنے اس کا مسکراتا چہرہ تھا، وہ شاید ابھی سو کر اٹھا تھا اس لئے ابھی تک بیڈ پر کسلمندی سے لیٹا ہوا تھا، بی جی کو دیکھ کر پھرتی سے کھڑا ہوا، بی جی نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما عالم نے بی جی کو اپنی مضبوط بانہوں میں بھر لیا تھا، وہ اس کے گلے لگ کر رو دی، ان کی ترسی ہوئی آنکھیں اپنے لخت جگر کا چہرہ بہت محبت سے دیکھ رہی تھیں آخر وہ پورے سات ماہ بعد واپس آیا تھا۔

''کتنے دنوں کی چھٹی پر آئے ہو؟'' انہوں نے محبت سے اپنے بیٹے کے بال سنوارے تھے جو ان کی آغوش میں چھوٹے بچے کی طرح لیٹ چکا تھا۔

''خوش ہو جائیں بی جی پورے ایک ہفتے کی چھٹی پر ہوں۔'' آنکھیں موندیں موندیں اس نے جواب دیا۔

''ایک بات کہوں پتر۔'' انہوں نے بدستور بالوں میں انگلیاں چلاتے چلاتے اجازت چاہی تھی۔

''آپ کو مجھ سے کوئی بھی بات پوچھنے یا پھر کہنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہے بی جی آپ حکم کیا کریں بندہ تابعدار ہے۔'' ان کی گود سے اٹھتے ہوئے اس نے سر کو ذرا سا خم دیا۔

''بیٹا میں جانتی ہوں میں نے تیری اور میرب کی شادی زبردستی کروائی ہے اور تو نے میری اس بات کی لاج رکھی ہے، تجھے میرب پسند نہیں تھی مگر میرے لئے تو نے اس سے شادی کی، لیکن سچ یہ ہے کہ عالم تم نے اسے دل سے قبول نہیں کیا، عالم وہ میرے اکلوتے بھائی کی نشانی ہے، دو ماہ کی تھی جب وہ میری گود میں آئی، اپنی بیٹی کی طرح اسے پال پوس کر پروان چڑھایا، اس کی ہر خواہش ہر خواب کو پورا کرنے کے لئے میں نے ہر ممکن کوشش کی، بہت لاڈ پیار سے پالا اور پھر اسے میں نے اپنے اس بیٹے کو سونپ دیا جو اپنی ہر ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھاتا ہے، لیکن شاید وہ اپنی ماں کی دی ہوئی ذمہ داری اٹھانا نہیں چاہتا، میں جب اپنی معصوم سی بچی کی آنکھوں میں آنسو دیکھتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے، اس کے لبوں پر جب مسکراہٹ آتی ہے تو اس زخمی مسکراہٹ دیکھ کر دل چاہتا وہ نہ مسکرایا کرے، تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں پتر میری بچی کو خوشیاں دے دے۔'' ان کے جوڑے ہاتھ دیکھ کر وہ تڑپ اٹھا تھا۔

''بی جی کیوں گناہ گار کر رہی ہیں مجھے میں آپ کی دی ہوئی کسی بھی ذمہ داری سے ناک منہ نہیں چڑھاتا، اگر ایسا ہوتا تو میں نکاح بھی نہ کرتا، اچانک مجھے واپس جانا پڑا تھا اس لئے رخصتی نہیں ہو سکی پھر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے

مجھے آپ کی پسند، پسند نہیں ہے، اب میں آپ کی ساری غلط فہمیاں دور کر دوں گا چاہئیں تو اس ایک ہفتے میں آپ باقاعدہ اسے رخصت کروا کر میرے روم میں منتقل کر سکتی ہیں، اگر آپ کی لاڈلی راضی ہو تو۔'' وہ محبت سے ان کے دل میں موجود اپنی ساری بدگمانیاں مٹا رہا تھا۔

''تو سچ کہہ رہا ہے۔'' بی جی نے کھوجتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''سو فیصد سچ۔'' وہ محبت سے ان کے گلے لگ گیا۔

☆☆☆

شادی کے پورے دس سال بعد جب بی جی اور ملک شہباز مایوس ہو چکے تھے تو قدرت کو ان پر رحم آ گیا اور عالم کو ان کی جھولی میں ڈال دیا، پورے گاؤں میں مٹھائیاں تقسیم کی گئیں اور پورے تین دن تک غریبوں اور یتیموں میں کھانا تقسیم کیا گیا، عالم میں ملک شہباز اور زہرہ کی جان اٹکی رہتی اور صرف اس کے مستقبل کی خاطر بورڈنگ میں بھیجنے کے بجائے انہوں نے شہر میں ہی کوٹھی لے لی تھی بی جی کو بھی اس کے ساتھ شہر بھیج دیا تھا، ملک شہباز جب گاؤں کے مسئلوں سے فارغ ہوتے تو وہ بھی شہر ہی کا رخ کرتے تھے۔

عالم کی سالگرہ آنے والی تھی ملک شہباز اور زہرہ اس کی سالگرہ کی تیاریاں زور و شور سے کر رہے تھے، بی جی کے بھائی اپنی بیوی اور اپنی ننھی سی دو سال کی گڑیا کو لے کر عالم ہاؤس پہنچ چکے تھے، یہ سالگرہ سے ایک دن پہلے کی بات تھی جب وہ عالم کو اس کی سالگرہ کا ڈریس دیکھا کر لاؤنج میں آئی تھی، تو بھائی اور بھابھی کو کہیں جاتے دیکھا۔

''بھائی کہاں جا رہے ہیں۔'' دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے اس نے نک سک سے تیار بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے زہرہ جانا کہاں ہے بس تھوڑی سی شاپنگ کرنی ہے عالی کی سالگرہ ہے تو اس کے لئے کچھ گفٹ لانے ہیں۔'' جواب بھابھی کی طرف سے آیا تھا۔

''اچھا تو پھر جایئے۔'' زہرہ نے مسکراتے ہوئے اجازت دی تھی۔

''اللہ نگہبان۔'' مسکراتے ہوئے وہ دونوں باہر نکل گئے۔

وہ دوپہر کے کھانے کی ہدایات دے رہی تھی تبھی فون کی گھنٹی بجی۔

''اس کم بخت فون کی گھنٹی تو بم جیسی ہے۔'' ناگواری سے وہ فون کی طرف بڑھی۔

''ہیلو۔'' جھنجھلاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

دوسری طرف سے جو خبر انہیں سنائی گئی تھی اس خبر نے ان کے ہوش حواس چھین لئے تھے، ان کے ہاتھ سے ریسور گر چکا تھا، وہ صوفے پر ڈھے گئیں، ماسی بتول نے ان کی حالت دیکھ کر بھاگ کر پانی لا کر انہیں زبردستی پلایا، ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، جیسے تیسے یہ خبر ملک شہباز کو بتا کر وہ ہاسپٹل دوڑی۔

وہاں جا کر پتہ چلا ان کی تو دنیا ہی لٹ چکی تھی، ان کا جان سے پیارا بھائی جو صرف ان کے پیارے بیٹے کی خوشی میں شامل ہونے کے لئے آیا تھا کیا پتہ تھا زندگی بھر کا غم دے جائے گا، بھابھی کی طبیعت بہت سیریس تھی، وہ ڈھے سی گئی ان پر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی، ملک شہباز بھی ہاسپٹل پہنچ چکے تھے۔

''میرا بھائی چلا گیا شہباز۔'' وہ روتے ہوئے بلک رہی تھیں، ملک شہباز نے انہیں بڑی مشکلوں سے سنبھالا تھا، تبھی آئی سی یو کا دروازہ کھلا

تھا، ملک شہباز تیزی سے ڈاکٹر کی طرف بڑھے۔

''دیکھئے حالت بہت سیریس ہے ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا، آپ لوگ دعا کیجئے ہم دوا کر رہے ہیں باقی جو اللہ کی مرضی آپ میں سے جو ملنا چاہتا ہے وہ مل لے شاید پھر آپ......'' ڈاکٹر نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''چلو زہرہ بھابھی تمہیں بلا رہی ہے۔'' وہ آہستگی سے چلتے ہوئے ہمت کر کے زہرہ سے مخاطب ہوئے تھے، جو رو رو کر نڈھال ہو چکی تھی۔

''بھابھی ٹھیک ہے نا۔'' انہوں نے خوفزدہ ہو کر ان کا ہاتھ تھاما۔

''ہاں وہ ٹھیک ہے تم چلو میرے ساتھ اور پلیز خود پر کنٹرول رکھنا۔'' انہوں نے جیسے انہیں تنبیہہ کی۔

''بھابھی!'' زہرہ پٹیوں میں جکڑے وجود کو دیکھ کر سسک اٹھی۔

''زہرہ۔'' ان کی آنکھوں سے آنسوؤں رواں ہو گئے، انہوں نے تڑپ کر ان کا ہاتھ تھاما تھا۔

''میری بیٹی کا خیال رکھنا زہرہ...... اس کو ماں بن...... کر پالنا...... میری خواہش کا...... احترام کرو گی...... نا اسے اپنی بیٹی بنا لینا زہر مجھے...... سکون...... سے...... مرنا...... ہے...... میری بیٹی کو اپنی بیٹی بناؤ گی نا مجھ سے...... وعدہ کرو...... خدا...... کے لئے اک مرتی ہوئی...... ماں......کو سکون پہنچا دو۔'' فریدہ کی سانسیں تیز ہو گئی تھیں۔

''بھابھی!'' زہرہ انہیں زبردستی چپ کرانے لگی، ملک شہباز بھی ساتھ ہی کھڑے تھے۔

''مجھے جواب...... چاہیے...... دو......۔''

انہوں نے آکسیجن ماسک جھٹکتے ہوئے کہا، ملک شہباز نے ان کا ہاتھ تھام کر اسے یقین دلایا تبھی انہوں نے آخری ہچکی لی تھی، شاید اک ماں کو ان کا جواب مل گیا تھا تبھی وہ پرسکون ہو گئیں۔

''اٹھیے بھابھی اٹھیے۔'' وہ رو رہی تھی لیکن ان کے رونے سے جانے والے واپس نہیں آ جاتے، وقت سب سے بڑا مرہم ہے اور وقت نے ان کا یہ گھاؤ بھی بھر دیا تھا، زہرہ کی توجہ دن بدن عالم سے ہٹ کر ننھی میرب پر زیادہ ہو گئی، عالم کی بڑی سے بڑی خواہش کو نظر انداز کر کے وہ میرب کی چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو دل و جان سے پوری کرتی اور یوں وقت گزرتا رہا عالم کو میرب سے خدا واسطے کا بیر ہو چکا تھا۔

اور یہ نفرت تناور درخت اس وقت بنی جب بی جی نے عالم کو میرب سے شادی کے لئے کہا عالم کو لگا اس کو کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''بی جی یہ ناممکن ہے۔'' آج تک اس نے بی جی کی کسی بات سے انکار نہیں کیا آج واضح اور دو ٹوک انکار نے بی جی کے غصے کو ہوا دی تھی۔

''کیوں نہیں ہو سکتا؟'' بی جی کا لہجہ تیز ہو چکا تھا۔

''وہ میرے ٹائپ کی نہیں ہے بی جی سمجھئے اس بات کو۔'' ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے زمین پر وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

''وہ میرے بھائی کی اکلوتی نشانی ہے جیسے میں نے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھا اور میں اسے خود سے دور نہیں کروں گی اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے وہ ہی اس گھر کی بہو بنے گی اور ہمیشہ میرے ساتھ میرے پاس رہے گی اور یہ میری اور بھابھی کی بھی خواہش تھی۔''

''مرے ہوئے لوگوں کے لئے آپ مجھے

کیوں مار رہی ہیں بی جی، ان کی خواہش زیادہ ضروری ہوتی ہے یا پھر زندہ انسانوں کی خوشی۔'' عالم کی آواز ضرورت سے زیادہ اونچی ہوگئی تھی۔

''عالم میں نے تمہیں پڑھایا لکھایا، تا کہ تم تہذیب دار انسان بن جاؤ اس لئے نہیں تم بدتمیزی پر اترو، کل کو میرے لئے بھی یہی الفاظ استعمال کرو گے تم، یہی سکھایا ہے میں نے تمہیں جو تم کر رہے ہو وہ ٹھیک نہیں ہے اور میں یہ ہونے بھی نہیں دوں گی۔''

''یاد رکھو ہو گا وہی جو طے ہے ورنہ تم میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے یاد رکھنا، میں اپنی ضد کی کتنی پکی ہوں۔'' دوٹوک انداز میں اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں تھیں۔

میرب کو اس رشتے کا پتہ چلا تو اس کے چہرے سے اس کی خوشی صاف نظر آ رہی تھی، بی جی کو لگا آج وہ سرخرو ہوگئی ہے۔

''یا اللہ ان کی خوشیاں سلامت رکھنا۔'' صدق دل سے انہوں نے دعا کی تھی۔

بہت دھوم دھام سے میرب فخر عالم کی زندگی میں داخل ہوئی تھی، ایک نئے خواب نئے سپنوں کے ساتھ۔

☆☆☆

وہ آئی سی یو کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، اسے جب یہ اطلاع ملی تو اس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا، اسے لگا اس کے حواس مختل ہو گئے، ماما بابا کے ساتھ پینتالیس منٹ کا فاصلہ بیس منٹ میں طے کر کے جب وہ یہاں پہنچا تو چچی کی حالت غیر ہو رہی تھی، چچا بمشکل انہیں سنبھال پا رہے تھے، ایمان اسے دیکھتے ہی اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، ماما نے چچی کو جا کر سنبھالا مگر وہ تو جیسے حواسوں میں نہیں تھا، سسکنے کی حالت میں بس خاموش تماشائی بنا سب کچھ دیکھ رہا تھا، ڈاکٹرز کے مطابق مناہل کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور اب اس کی حالت بہتر ہے، ایک دو گھنٹے میں اس سے ملا جا سکتا ہے، یہ خبر اسے ایمان نے آ کر بتائی، ایکدم پرسکون ہو کر گھٹنوں کے بل زمین پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا، اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، وہ شکرانے کے آنسو تھے جو اپنی دعاؤں کی قبولیت کی وجہ سے بہہ رہے تھے۔

''پتہ ہے مصطفیٰ بھائی میری جان نکل گئی تھی آپی کی حالت دیکھ کر مجھے لگا میں اپنی بہن کو کھو دوں گی، لیکن شکر ہے پروردگار کی ذات کا اس نے مناہل آپی کو ہمیں لٹا دیا، لیکن ایک بات ہے مصطفیٰ بھائی جس کی وجہ سے میں بھی آپ سے ناراض ہونے کا سوچ رہی ہوں۔'' اس کے آنسوؤں پونچھتی ہوئی وہ اسے باتوں میں الجھا رہی تھی۔

''کس وجہ سے میری بہن مجھ سے ناراضگی کا سوچ رہی ہے۔'' مصطفیٰ نے حیرانگی سے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کتنا خوبصورت دل ہے آپی مصطفیٰ بھائی کا، آپ کی محبت میں یہ خود کو تقریباً بھول چکا ہے، لڑکیاں تو خواب دیکھتی ہیں ایسے ہم سفر کے اور قدرت نے آپ کو بن مانگے یہ سب دے دیا ہے مگر آپ کو قدر نہیں۔'' وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

''کہاں گم ہو گئی؟'' مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی۔

''نہیں کہیں نہیں۔'' وہ ایکدم چونک اٹھی۔

''کیا یہ شخص آپی کو دھوکا دے سکتا ہے، کیا یہ کسی بھی لڑکی کے ساتھ فلرٹ کر سکتا ہے اس کی تو رگوں میں بھی شاید مناہل آپی کی محبت گردش کر رہی ہے مجھے کچھ نہیں بتانا چاہیے جو آپی مصطفیٰ بھائی کے بارے میں سوچتی ہے، ہاں یہ ٹھیک

ہے۔''

''ایمان اور مصطفیٰ آ جاؤ مناہل کو روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے، آ جاؤ اسے دیکھ لو تم لوگ بھی۔'' تبھی تائی امی کی آواز سنائی دی۔

''چلیے مصطفیٰ بھائی ملتے ہیں مناہل آپی سے اور خوب ڈانٹیے گا انہیں بتایئے گا انہیں اپنا حال دل۔'' ایمان نے شرارت سے آنکھیں پٹپٹائیں تھیں، تبھی مصطفیٰ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑوایا تھا۔

''تم چلو میں اک کال کر کے آتا ہوں۔'' وہ اس ظالم حسینہ کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا تبھی ایمان کو جانے کا اشارہ کیا کندھے اچکاتی ایمان اسے جلدی آنے کا کہہ کر چل دی۔

وہ ہاسپٹل سے گھر آ چکی تھی، ماما اس کا پہلے سے بڑھ کر خیال رکھ رہی تھیں ایمان مسلسل اس کی تیمارداری میں لگی ہوئی تھی، روز شام کو بیگم احمد بھی اپنی بہو کی خیریت معلوم کرنے آ جاتی یا پھر فون کر کے اس کا حال احوال دریافت کر لیتی، ایک کسی نے نہیں پوچھا وہ مصطفیٰ تھا، جس نے مسلسل بارہ دن سے انوار ہاؤس کے مکینوں کو اپنی شکل نہیں دیکھائی تھی، ناصرہ بیگم کئی بار مصطفیٰ کے لئے پیغامات بھیج چکی تھی سیل آف ہونے کی وجہ سے کوئی بھی اس سے رابطہ نہیں کر پا رہا تھا، بیگم حسن بھی اسے کئی بار کہہ چکی تھیں لیکن ہر بار وہ ان سنی کر جاتا اس کی اس حرکت سے حسن احمد اور سارہ بیگم خود بہت شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔

''کیا بات ہے جناب کی نکاح کروا کے تو تم انوار ہاؤس کا راستہ ہی بھول گئے ہو۔'' طنزیہ لہجہ ہرگز اس کی جان سے پیاری ماں کا نہیں ہو سکتا، کیونکہ آج تک انہوں نے اسے ہمیشہ پیار سے مخاطب کیا تھا، موبائل میں گیم کھیلتے مصطفیٰ نے چونک کر اپنی ماں کی طرف دیکھا جو سچ مچ اس سے ہی مخاطب تھیں۔

''ماماوہ......'' اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

''ہاں بھئی تم بہت بزی رہتے ہو، شوٹنگ چل رہی ہیں، ٹائم نہیں ہے تمہارے پاس بے شمار فرینڈز ہے انہیں بھی ٹائم دینا ہوتا ہے، پتہ ہے مجھے تم یہی سب کہو گے لیکن ایک بات کہوں مصطفیٰ پہلے بھی یہ سب باتیں ہوا کرتی تھیں، لیکن ان سب باتوں کے باوجود ٹف شیڈول سے تم مناہل کے لئے وقت نکال ہی لیا کرتے تھے ایک دو گھنٹے تمہارے انوار ہاؤس کے لئے مخصوص تھے، مگر شاید اب تم وہاں جانا ہی نہیں چاہتے، تمہاری چچی اتنے پیغامات بھیج چکی ہیں تمہارے لئے اب تو مجھے شرمندگی ہونے لگی ہے مگر تم یہ سب کہاں سمجھو گے، تمہیں یاد کراتی چلوں اس گھر میں تمہاری منکوحہ بھی رہتی ہے، جس سے محبت کے تم دعویدار تھے، جس کے بنا تمہیں لگتا تھا تم مر جاؤ گے، وہ موت کے منہ سے واپس آئی ہے، وہ بھی تمہاری راہ دیکھتی ہو گی مگر تمہیں کیا پرواہ کسی کی۔'' وہ غصے سے بولتی چلی گئی۔

''ماما آپ کو کیسے بتاؤں وہ میری نہیں میرے مرنے کی راہ دیکھ رہی ہو گی، اس کے ہر عضو کی صرف ایک دعا ہے مصطفیٰ احمد مر جائے اور اس کا پیچھا چھوٹ جائے آپ کہتی ہیں میں اس کے لئے وہاں آ جاؤں میں اس کے لئے تو نہیں جا رہا ہوں میں نہیں چاہتا کہ وہ میری شکل دیکھ کر ذہنی اذیت میں مبتلا ہو اور پھر سے وہاں چلی جائے جہاں سے لوٹ کر آئی ہے۔''

''میری اذیت کا اندازہ کوئی بھی نہیں لگا سکتا جیسے دیکھے بنا میرا ایک پل نہیں گزرتا تھا بارہ دن سے میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی ہے اس کی آواز نہیں سنی ہے کتنی مشکل سے میں نے خود کو روک رکھا ہے یہ میں جانتا ہوں صرف میں جانتا

ہوں۔'' اس نے دکھ سے اپنی آنکھیں موند لیں تھیں، نہیں چاہتا تھا اس کی ماں اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر مزید پریشان ہو۔

''مصطفیٰ میرے بیٹے ناصرہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے وہ تجھ میں اپنا بیٹا تلاشتی ہے اور اب تو مناہل کی وجہ سے تو اسے اور بھی پیارا ہو گیا ہے، آج چلے جانا یاد سے۔'' اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے انہوں نے اسے یاد کروانا ضروری سمجھا۔

''یو ڈونٹ وری ماما میں وہاں جائے بغیر رہ ہی نہیں سکتا بس کچھ کام کی مصروفیت بڑھ گئی تھی اس لئے نہیں جا سکا شام میں انشاء اللہ ضرور جاؤں گا۔'' وہ انہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے مصطفیٰ تم کچھ دنوں سے پریشان لگ رہے ہو۔'' کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے علینہ نے پہلا سوال ہی یہ کیا تھا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' مصطفیٰ نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کی نفی کی تھی۔

''تمہارے کہنے یا پھر نہ کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، یہ جو تمہارا چہرہ ہے نا سب بتا دیتا ہے، تمہاری سچائی اور تمہارا جھوٹ۔'' وہ پیپر ویٹ سے کھیلتے ہوئے اسی انداز میں بولی۔

''میرے چہرے کو پڑھ کر سب اندازہ لگا لیتے ہیں میرے دل کے حال کا، لیکن نہیں سمجھتی تو ایک وہی جس کو میری ہر بات سب سے پہلے پتا ہونی چاہیے۔''

''دیکھا مصطفیٰ میں نے کہا تھا کوئی تو پریشانی ہے تمہیں اور پریشانی کی وجہ بھی پتہ چل گئی۔'' اس نے اس کے سامنے کاغذ لہرایا۔

مصطفیٰ نے چونک کر اس کاغذ کو دیکھا جہاں بے اختیاری میں وہ اس ظالم لڑکی کا نام کئی بار لکھ چکا تھا۔

''مناہل کی وجہ سے پریشان ہو۔'' دوستانہ انداز میں ایک بار پھر سے وہ اسی موضوع پر آئی تھی۔

''تم جانتی ہو علینہ مناہل کبھی بھی مصطفیٰ کے لئے پریشانی نہیں بن سکتی اور مصطفیٰ بھی کبھی بھی مناہل کو پریشانی نہیں سمجھتا، مصطفیٰ کی زندگی ہے وہ اور زندگی بہت قیمتی ہوتی ہے اور میرے لئے مناہل قیمتی تو ہو سکتی ہے مگر پریشانی کبھی بھی نہیں۔'' مسکراہٹ لبوں پر آ چکی تھی۔

''اس لڑکی میں ایسی کیا بات ہے جو اس کا نام لبوں پر آتے ہی پھلجھڑیاں کھلنے لگتی ہیں۔'' وہ یہ بات صرف سوچ کر رہ گئی۔

''اُف خدایا اتنی محبت قسم سے مصطفیٰ مناہل واقعی کوئی چیز ہے جس نے تمہیں اپنے قابو میں کر لیا۔'' نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں طنز آ گیا، لیکن جن کے دل آئینے کی طرح شفاف ہوتے وہ ایسی باتیں سمجھ نہیں پاتے سو مصطفیٰ نے بھی مسکراتے ہوئے علینہ کی بات کی تائید کی تھی۔

☆☆☆

آہستگی سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تھا، میرب کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، وہ جانتی تھی وہ اسے پسند نہیں کرتا مگر اپنے دل کا کیا کرتی جو اس کی محبت میں بچپن سے پور پور ڈوبا ہوا تھا وہ خوش تھی اس کے نکاح میں آ کر مگر کسی ایک احساس کے تحت اس کا حلق خشک ہو رہا تھا وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا یہ سوچ کر ہی اس کے بدن میں جھرجھری سی دوڑ گئی، اس میں اتنی طاقت نہیں تھی وہ مقابل کا سامنا نظریں اٹھا کر کرتی، سو جھکا ہوا سر مزید جھکانے میں عافیت سمجھی۔

''تم نے بے کار میں اپنا ٹائم ضائع کیا میرا انتظار کر کے حالانکہ تم جانتی تھی نہ تو میں تمہارے حسن کے قصیدے پڑھوں گا اور نہ ہی کوئی فلمی ڈائیلاگ بول کر اپنا اور ٹائم ضائع کروں گا کیونکہ میرے پاس ضائع کرنے کے لئے وقت نہیں، بہت ٹف شیڈول ہے میرا۔'' اس نے اندر داخل ہوتے ہی لفظوں کی گولہ بھاری شروع کر دی تھی۔

اس کی شعلے اگلتی زبان نے میرب کو تڑپانے کا سامان مہیا کر دیا تھا ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں رواں ہو گئے، وہ نا چاہتے ہوئے اس پتھر دل انسان کے سامنے رونے پر مجبور ہو گئی تھی۔

''ایک تو شادی کے نام پر اتنی فضول اور بے کار رسمیں انسان کو تھکا ڈالتی ہے اور شادی بھی، وہ جس میں انسان کا اپنا دل ہی خوش نہ ہو اوپر سے پر زور اصرار کہ بیٹا ذرا مسکرا تو لو، ذرا قریب تو آ کر مووی بناؤ زہر لگ رہے تھے مجھے وہ سب لوگ اب تمہیں کیا باقاعدہ دعوت نامہ بھیجنا پڑے گا کہ بیڈ خالی کر دو مجھے سونا ہے، بیٹھی تو ایسی ہو جیسے کسی ریاست کی ملکہ ہو۔'' مسلسل تیزی سے بولتا اچانک وہ اس کے کان کے بالکل قریب آ کر غرایا۔

سر جھکائے میرب نے ایکدم اپنی آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا، کاجل بری طرح بہہ چکا تھا، یک ٹک اسے اپنی جانب دیکھتے ہوئے عالم نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا مجھے کھانے کا ارادہ ہے۔'' کاٹ دار انداز میں ایک بار پھر سے طنز کیا گیا۔

میرب نے نظریں فوراً جھکا لی اور بھاری بھرکم لہنگا کو سنبھالتی بیڈ سے اترنے کی کوشش کرنے لگی، قریب کھڑے عالم سے خائف ہوئی تھی یا پھر اپنا توازن سنبھال نہ سکنے کی وجہ سے لڑکھڑا کر بیڈ سے نیچے گر گئی، میرب کراہ کر رہ گئی اسے بری طرح چوٹ لگی تھی۔

''سنبھال نہیں سکتی تو پہن کر بیٹھنا ضروری تھا۔'' اسے گرتا دیکھ کر تھوڑی سی انسانیت اس میں جاگی تھی ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھانا چاہا، لیکن میرب نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اپنے گھٹنوں میں سر دے لیا، مضبوطی سے لب بھینچے وہ بے آواز روتی رہی، تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔

''میڈم اگر آپ کا مزید رونے کا پروگرام ہے تو پلیز کہیں اور جا کر کر لیں مجھے سونا ہے، میں بہت تھکا ہوا ہوں۔'' اس کے رونے کی آواز سے وہ ڈسٹرب ہو رہا تھا اس لئے غصے سے چلا پڑا، میرب کی آواز حلق میں ہی کہیں دب گئی۔

اس کی تلخ آواز میں بے زاری کے نشتر اسے اپنے وجود میں گڑھتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے اس قدر بے وقعتی اور ذلت پر وہ لب بھینچے واش روم کی طرف بڑھی تھی، ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا، دل تو اس کا ٹوٹ کر بکھر چکا تھا اس کے ارمانوں اور خواہش کا مذاق اڑایا گیا تھا، اس کی محبت کی اتنی ناقدری وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی عالم اس کے ساتھ یہ سلوک روا رکھے گا، اتنی ذلت اور رسوائی پر اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا، زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، اسے کیا پتہ تھا اس کا خواب اس کے لئے عذاب بن جائے گا، زندگی بھر کا عذاب ایک ان چاہے رشتہ میں بندھنے کی تکلیف وہ سہہ رہی تھی، وہ درد برداشت کر رہی تھی جو بنا قصور کے ملا تھا، اسے آج اندازہ ہوا عالم اس سے کتنی نفرت کرتا ہے

بلک بلک کر وہ ایک ایک چیز اتار کر پھینک رہی تھی آنسوؤں تواتر اس کے گالوں کو گیلا کر رہے تھے، پوری رات اس نے آنکھوں میں کاٹی تھی اور عالم بے حس بنا اپنے دل کی ساری نفرت ساری بھڑاس اس پر نکال کر آرام سے پرسکون نیند سو رہا تھا۔

☆☆☆

ولیمہ کی تقریب شام کو ہونا تھی، میرب نے خود کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا، بی جی کے ہر سوال کا جواب وہ اطمینان اور مسکرا کر دے رہی تھی، کل کی رات نے اسے جھوٹ بولنا بھی سکھا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اپنا بھرم کیسے رکھا جا سکتا تھا، کزنز کی شرارت بھری باتوں پر وہ سر جھکا کر مسکرا دیتی تو بی جی اس پر اور نہال ہو جاتیں، عالم کو اس نے صبح سے دیکھا نہیں تھا، اس لئے وہ ریلیکس فیل کر رہی تھی، بیوٹیشن فنکشن کے لئے اسے تیار کر کے جا چکی تھی، میرون کلر کے کامدار لہنگے میں اس کی سفید رنگت لشکارے مار رہی تھی، حیاء کے رنگوں سے لبریز اس کی پلکیں جھکی جا رہی تھی۔

''آج تو عالم بھائی آپ کو دیکھ کر بے ہوش ہو جائیں گے۔'' کسی کزن کی آواز پر اس نے گردن جھکا لی، مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ ہر اک کی بات کا جواب دے رہی تھی۔

بلیک شلوار قمیض میں ملبوس عالم بھی اپنے حسن اور وجاہت کی داد وصول کر رہا تھا، ہر چہرے پر خوشی اور مسکان تھی بی جی کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی، مگر جن کے لئے یہ فنکشن منعقد کیا گیا تھا، وہ دونوں ایک دوسرے سے لاتعلق بنے اسٹیج پر ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، رات گئے وہ جب کمرے میں داخل ہوا تو اس نے اطراف میں نگاہ ڈال کر سکون کا سانس لیا، پھولوں سے سجی سیج کو نوچ کر صوفے پر رکھ دیا گیا تھا، بیڈ بالکل خالی تھا، اس نے کمرے میں ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تو صوفے پر اس کا وجود اسے نظر آیا یعنی وہ اس کے آنے سے پہلے چینج کر کے سونے کے لئے لیٹ گئی، عالم نے اک گہری سانس خارج کی، اب وہ خود کو قدرے ہلکا محسوس کر رہا تھا، پرسکون ہو کر وہ بیڈ پر لیٹ چکا تھا، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ گہری نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا، صوفے پر سونے کی ایکٹنگ کرتی میرب نے اپنی آنکھیں پونچھ کر کروٹ اس کی طرف کر لی۔

☆☆☆

''چچی جان یہ سب میں کیسے کھاؤں گا میرا تو اچھا خاصا وزن بڑھ جائے گا یہ تو سراسر زیادتی ہے چچی جان۔'' وہ کھانے کے اتنے لوازمات دیکھ کر حیران ہوتے ہوئے بولا۔

''خبردار مصطفیٰ کوئی بھی بہانہ نہیں چلے گا اتنے عرصے بعد آئے ہو یہ سب تو تمہیں کھانا ہی پڑے گا تھوڑے سے سموسے، پکوڑے، کیک، بسکٹ، دہی بڑے اور آلو کی چاٹ ہی تو ہے ابھی تو تمہیں ڈنر ہمارے ساتھ کرنا ہے۔'' وہ ایک ہی سانس میں گنواتے ہوئے بولی۔

''یہ اتنا کچھ صرف ہے۔'' وہ تقریباً چلایا تھا اور بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کرنے لگا جب اندر آتی ایمان نے اپنی سیٹ سنبھال لی۔

''کیا بات ہے سردار جی بڑے تیار شیار ہو کر آئے ہو۔'' ایمان نے شرارت سے اس کی سمپل سی تیاری کو خاص بنا دیا تھا۔

''وہ کیا ہے نا کنیز جی بندہ ناچیز پہلی بار اپنی سسرال آیا ہے تو سوچا ذرا بھن ٹھن کر جایا جائے اتنا تو حق ہے میرا ویسے آپس کی بات ہے تم نہیں سمجھو گی جب سسرال میں جاؤ گی تب تمہیں میری

حالت کا اندازہ ہو گا، ظالم سسرال چیز کیا ہے۔"
شان بے نیازی سے تفصیلی جواب دیا گیا اور یہ جواب سن کر ایمان کا ہنسنا تو لازمی تھا۔
"سردار جی اس وقت آپ سسرال میں ہیں یاد ہے اور ہم آپ کی اکلوتی سالی ہے اور سالی کا مطلب آدھی گھر والی اور یہ آدھی گھر والی آپ کی پوری گھر والی سے ملوا سکتی ہے اور مجھ سے بگاڑ آپ کا نقصان کروا سکتا ہے اور ویسے بھی ان میڈم تک آپ کے آنے کی اطلاع مل چکی ہے تو شاید افطاری کرنے بھی وہ نہ آئے تو سوچ لیجیے آپ۔" ابھی اس کی بات پوری طرح مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ چچی کے دو تھپڑ اس کے سر پر لگے تھے۔
"کیا سسرال سسرال کی رٹ لگائی ہے وہ اپنی ماں کے گھر آیا ہے میرا بیٹا ہے یہ سمجھ میں آئی تیرے بات اور تمیز سے بات کیا کر تیرا بڑا بہنوئی بھی ہے اور بھائی بھی دو دو رشتے ہے تیرے۔"
امی کی کلاس لگتے دیکھ کر وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا اور کھلکھلا کر ہنس دیا۔
اس کی ہنسی کی آواز سن کر سائرہ بیگم نے اس کی بلائیں لینا شروع کر دی۔
"ایسے ہی ہنستا رہا کر مصطفیٰ تیزی ہنسی کی گونج اس گھر میں ہی نہیں اس گھر میں بھی گونجنی چاہیے، تیری مسکراہٹ مجھے بہت ہی پیاری لگتی ہے میرے بچے۔" وہ والہانہ انداز میں اس پر نثار ہوتے ہوئے بولی جس اس کی نظر اوپر کھڑی مناہل پر پڑی جو غصے سے لال پیلی ہوئی بہت پیاری لگ رہی تھی، اس کی چمکتی آنکھوں کی چمک میں ایکدم اضافہ ہوا تھا، اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے امی سے اشارتاً کچھ کہا تھا۔
"ماما کیا بھیا اور مناہل کا آپس میں پردہ ہے۔" وہ اشارہ ملتے ہی بے دھڑک سائرہ بیگم سے مخاطب ہوئی اور ہوئی بھی تو کس طرح مصطفیٰ کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔
"کیوں بیٹا مصطفیٰ اور مناہل کا آپس میں نکاح ہو چکا ہے اور ویسے بھی یہ کون سا شروع سے آپس میں پردہ کرتے تھے اور ویسے بھی نہ ہمیں پہلے کوئی اعتراز تھا اور نہ اب یہ جیسے چاہیے آپس میں مل سکتے ہیں ہمیں اپنے بچوں پر پورا اعتماد ہے۔" مسکراتے ہوئے سائرہ بیگم نے جیسے اسے عندیہ دیا ہو۔
وہ اس کے کمرے میں پہلی بار نہیں آیا تھا مگر آج جس رشتے کی حیثیت سے وہ اندر داخل ہو رہا تھا یہ سوچ کر اس کے لب کھل اٹھے، جبکہ غصے سے کھولتی ہوئی کمرے میں اِدھر اُدھر چکر لگاتی مناہل کو جیسے بریک لگ گئے۔
"کیسی ہو تم۔" بے حد اپنائیت اور محبت سے پوچھا گیا تھا۔
"میں مروں یا جیوں تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔" جواب نہایت غصے اور بد لحاظی سے دیا گیا۔
"تمہیں کس نے کہہ دیا مجھے فرق نہیں پڑتا۔" وہ دو قدم آگے بڑھا تھا۔
"دیکھو مصطفیٰ میں......" وہ ابھی جملہ مکمل بھی نہیں کر پائی تھی کہ بیچ میں مصطفیٰ نے اچک لیا۔
"دیکھ ہی تو رہا ہوں جان مصطفیٰ۔" وہ محبت سے مسکرایا تھا۔
"یہ تمہارے لیے انگیج منٹ کے لیے لی تھی مگر اچانک پھر سب پروگرام بدل گیا اور منگنی کے بجائے نکاح اور پھر تمہارا ہاسپٹل میرے تو ارمانوں پر جیسے اوس پڑ گئی اتنی محبت سے تمہارے لیے خریدی گئی یہ انگوٹھی اتنے دنوں سے میری جیب میں پڑی رہی، آج یہاں آنے کا پروگرام

ہوا سوچا تمہاری چیز تمہیں دے دوں، ویسے اب تو نہیں کہوں گی تمہارا تایا کا بیٹا اپنی چچا کی بیٹی سے فلرٹ کر رہا ہے، بلکہ اب تمہیں یہ کہنا چاہیے وہ اس لڑکی سے فلرٹ نہیں بے انتہا محبت کرتا ہے۔'' وہ سوچ کر آیا تھا اسے تنگ نہیں کرے گا مگر اس کی شکل دیکھتے ہی ساری شوخی شرارت لوٹ آئی تھی، اب وہ مکمل اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا، اس نے انگوٹھی مناہل کی طرف بڑھائی مگر مناہل نے یکسر انداز کر دیا اس کی بات اور ہاتھ میں پکڑی انگوٹھی کو۔

''مصطفیٰ میں سیریس ہوں اور چاہتی ہوں تم بھی سیریس ہو کر میری بات پوری توجہ اور سنجیدگی سے سنو۔'' وہ سنجیدگی سے اس سے مخاطب ہوئی، مصطفیٰ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا واقعی وہ سنجیدہ تھی۔

''یہ سچ ہے کہ تم نے مجھ سے نکاح کر کے میرے تمام اختیارات اپنے نام کروا لئے یہ بھی سچ ہے مصطفیٰ تم صرف اختیارات نام کروا سکے ہو میرے دل میں اپنی محبت نہیں جگا سکے، مجھے لگتا ہے تم نے یہ سب ضد میں آ کر......'' مصطفیٰ نے کچھ بولنا چاہا تو مناہل نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''پہلے میری سن لو مصطفیٰ ایسا نہ ہو کہ یہ سب سہتے سہتے میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں، میں چاہ کر تم سے محبت نہیں کر پا رہی ہوں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچ پاتی مجھے تم سے نفرت محسوس ہوتی ہے اور یہ نفرت میں تو کیا کوئی بھی ختم نہیں کر سکتا، تم میرے وجود تک تو رسائی حاصل کر لو گے مگر دل تک نہیں، میں یہ نہیں کہتی مجھے کسی اور سے محبت ہے، میرا دل اس وقت شفاف سلیٹ کی مانند ہے یہ سب کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مصطفیٰ مجھے زبردستی اس بندھن میں باندھ کر تم نے بابا نے سب نے مل کر میرے ساتھ بہت غلط کیا اور اس غلطی کو تم ہی سدھار سکتے ہو، مجھے اس رشتے سے آزاد کر کے۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے مصطفیٰ کی طرف دیکھ رہی تھی جو سکتے کے عالم میں کھڑا تھا ہاتھ میں پکڑی انگوٹھی کافی دیر پہلے ہی گر چکی تھی، مصطفیٰ کو لگا پورا کا پورا انوار ہاؤس اس کے اوپر گر چکا ہے، وہ اس سے کیا مانگ رہی تھی، وہ تڑپ ہی تو اٹھا تھا محبت کی اس بے قدری پر، اس نے حیرانگی سے مناہل کی طرف دیکھا جیسے شاید کوئی فرق نہیں پڑا تھا اس لڑکی نے ہمیشہ اس کے پیار اس کی وفا اس کے خلوص کا صرف مذاق اڑایا تھا، لیکن وہ اس کی ہر بات کو صرف مسکرا کر برداشت کر لیتا اس کے طنز میں بھی اس کی محبت تلاش لیتا، وہ جان بھی مانگ لیتی تو شاید مصطفیٰ اک پل میں اس پر اپنی جان نثار کر دیتا مگر وہ تو وہ مانگ رہی تھی جو وہ کبھی نہ کر سکتا تھا جسے اتنی مشکلوں سے اپنایا تھا اسے کیسے وہ چھوڑ سکتا تھا۔

''کہو مصطفیٰ کیا کہتے ہو؟'' وہ اس کے پر کاٹ چکی تھی یا پھر موت کا پروانہ پڑھ کر کہہ رہی تھی بتاؤ مرنا ہے یا پھر نہیں۔

''تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو میں اور تم ایک خاندان کے بچے ہیں تم بھول رہی ہمارے ماں باپ ایک دوسرے کے سگے بھائی ہیں، جو ایک دوسرے پر جان دیتے ہیں تم کہہ رہی ہو میں ان دونوں کی جان لے لوں، ہماری مائیں سگی بہنیں نہیں ہے مگر ایک دوسرے کے لئے سگوں سے بڑھ کر ہیں اور تم کہہ رہی ہو تم سے تعلق توڑ لوں مناہل میرا اور تمہارا رشتہ نہیں ٹوٹے گا دو خاندان دو بھائی جدا ہوں گے اور وہ جدا ہو کر زندہ نہیں رہ پائیں گے کیا تم انوار ہاؤس اور احمد ہاؤس کے لوگوں کو ایک دوسرے کو بددعا دیتا دیکھ سکتی ہو، کیا تم انہیں اجڑتا دیکھ سکتی ہو، میں تمہیں

آزاد کر بھی دوں تو کیسے مجھے جواب چاہیے، سوچ لینا تو مجھے تمہاری خوشی چاہیے، محبت کا کیا ہے وہ تو کسی کسی کے حصے میں آتی ہے اور شاید وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوں گے جنہیں محبت کا ساتھ میسر ہو اور میں خوش قسمت ہرگز نہیں ہوں، مگر میری دعا ہے تم ہمیشہ خوش رہو، میری محبت کو تم سمجھ نہیں سکتی شاید بھی سمجھو بھی نا مگر خدا سے دعا ہے تم جیسے چاہو وہ تمہیں مل جائے۔'' وہ اندر سے بری طرح ٹوٹ چکا تھا۔

ابھی ابھی وہ اپنے دل میں یہ دعوا کر رہا تھا کہ اس لڑکی کو اب اور اپنی محبت سے کھیلنے نہیں دے گا مگر یہ دل کم بخت اتنا ذلیل ہو کر بھی اس کے آنچل میں سمانے کے لئے مچل رہا تھا، کیوں محبت امتحان لیتی ہے کیوں اتنا تڑپاتی ہے، کسی کو پا کر کھونا کسے کہتے ہیں یہ کوئی مصطفیٰ احمد سے پوچھتا وہ بکھر چکا تھا اور بکھرے ہوئے وجود کو سنبھالنے میں اسے وقت چاہیے تھا، اس نے ایک نظر اس سنگدل کے چہرے پر ڈالی جو شاید کسی تذبذب کا شکار تھا۔

''تم فکر مت کرو مناہل میں تمہارے ساتھ غلط نہیں ہونے دوں گا، جو کچھ بھی ہوا اس کے لئے معذرت۔'' اسے تسلی دے کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اس کے چہرے پر شکستگی صاف لکھی ہوئی تھی، اس کی مسکراتی آنکھوں میں آنسوؤں تحریر تھے، اس کے چال میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی، مناہل کو ایک لمحے کے لئے کچھ ہوا تھا، مصطفیٰ کی آواز نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے۔

''بہت مشکل ہے مناہل خود کو سنبھالنا مگر میں یہ بھی کرلوں گا تم تو جانتی ہو میں کتنا جولی ہوں اور روشنیوں کی جس دنیا میں رہتا ہوں وہاں یہ سب معمول ہے میں سنبھل جاؤں گا آخر ایک سو بہتر گرل فرینڈ کس دن کام آئے گی۔'' وہ دروازہ کھول کر نکل چکا تھا جبکہ مناہل نے اپنے اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس کیا۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ خلاف معمول دیر سے کھلی تھی، انگڑائی لیتے وقت بے ساختہ عالم کی نگاہیں صوفے پر گئی تو وہ وہاں موجود نہیں تھی، کمبل خود پر سے ہٹا کر وہ بیٹھ چکا تھا، یقیناً وہ واش روم میں تھی، چند لمحوں بعد وہ سادہ سے پنک کلر کے سوٹ میں ملبوس برآمد ہوئی، کھلے بال اس کی کمر سے نیچے جھول رہے تھے، جن سے پانی ٹپک رہا تھا، بڑی بڑی سیاہ آنکھوں پر بنی جھالر پر پانی کے قطرے اسے اور پیارا بنا رہے تھے مگر عالم نے اس پر سرسری نگاہ ڈال کر رخ موڑ لیا تھا، اس کے سائیڈ سے نکل کر وہ واش روم میں جا چکا تھا اور میرب بت بنی کھڑی اس بے رحم انسان کو سوچتی رہی جو اک نگاہ ڈالنا بھی گناہ سمجھتا تھا۔

عالم جب فریش ہو کر واش روم سے باہر آیا تو اسے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بالوں میں برش کرتا دیکھ کر بری طرح جھنجلا گیا۔

''کیا مصیبت ہے ہر چیز میں اتنی سست کیوں ہو تم مہربانی کر کے سائیڈ پر ہو کر اپنی زلفوں سے جتنی دیر چاہے کھیلتی رہیں۔'' طنزیہ لہجے میں کہتا وہ اسے خوابوں کی نگری سے ہوش میں لایا تھا، میرب تیزی سے سائیڈ پر ہوگئی، عالم گنگناتے ہوئے اپنے بال سیٹ کرنے لگا جبکہ میرب نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر کو جھکا لیا۔

دن تیزی سے پر لگا کر گزر رہے تھے عالم کی چھٹیاں بھی اب ختم ہونے والی تھی، بی جی کا خیال تھا وہ میرب کو ساتھ لے کر جائے گا مگر عالم کے کہنے کے مطابق ابھی اسے گھر جا کر سیٹ کروانا ہوگا پھر وہ میرب کو آ کر لے جائے گا، بی جی اس

کی بات سے کچھ حد تک مطمئن ہوگئی تھیں اور رہا سہا اطمینان انہیں میرب نے دے دیا تھا جو بی جی کے سامنے ہردم مسکراتی رہتی، عالم کا رویہ بھی بی جی کے سامنے میرب کے ساتھ کافی دوستانہ رہتا، مگر تنہائی میں وہ اسے کاٹنے کو دوڑتا، میرب بھی زیادہ وقت اس کے سامنے نہ آتی، لے دے کر رات کو اس کے کمرے میں جاکر سونا پڑتا تو یا تو وہ پہلے جاکر لیٹ جاتی یا پھر اس کے سونے کا انتظار کرتی۔

☆☆☆

وہ کافی دیر سے سڑکوں پر اِدھر اُدھر گاڑی دوڑا رہا تھا، تھک کر اس نے گاڑی کا رخ حویلی کی طرف موڑ لیا، بی جی کو اپنے انتظار کرتے دیکھ کر اسے شرمندگی نے آگھیرا۔

''کہاں تھے عالم بیٹا میں کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔'' انہوں نے پریشانی سے استفسار کیا۔

''بی جی آپ اتنی رات تک میرا انتظار کیوں کر رہی ہیں، آپ کی بہو صاحبہ کہاں ہیں۔'' الٹا اس نے ہی سوال داغ دیا۔

''میری فکر ہوتی تو اتنی رات کو مجھے انتظار کرواتے۔'' انہوں نے اس کی طرف ناراضگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''معذرت چاہتا ہوں بی جی آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا، دراصل اک دوست مل گیا بس وہیں ٹائم کا پتہ ہی نہیں چلا۔'' بلیک پینٹ شرٹ زیب تن کیے بکھرے بالوں کے ساتھ وہ کافی نڈھال اور ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

''خیریت تو تھی نا۔'' بی جی نے اک بار پھر سے سوال دہرایا۔

''ہاں جی سب خیریت تھی آپ بھی آرام کریں میں بھی سونے جاتا ہوں کافی تھک چکا ہوں۔'' ان کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی، دو کشتیوں کا مسافر بن کر زندگی گزارنا نہیں چاہتا تھا۔

میرب سے لاتعلق ہونے کا مطلب بی جی کو کھونا تھا، اس کا دل اس کی طرف مائل ہو نہیں رہا تھا، مگر پھر بھی مجھے اس رشتے کو لے کر اک کوشش کرنی چاہی، دروازہ کھولتے ہی اسے احساس ہوا وہ کسی سے بات کر رہی تھی آواز بالکل سرگوشیانہ تھی، فطری تجسس سے مجبور ہوکر اس نے ان کی باتیں سن لیں۔

محبت انسان کو مار کر رکھ دیتی ہے جیسے آپ اپنا سب کچھ سمجھتیں وہی آپ پر اک نگاہ محبت کی نہ ڈالیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے ساتھ نبھانا چاہیے یا ساتھ چھوڑ دینا چاہیے یا پھر اسے وہ حق دے دیا جائے وہ جو مرضی سلوک روا رکھیں مگر ہم نے اف نہیں کرنی یہ سچ ہے وہ میرب کے ساتھ جو بھی سلوک کریں مگر میرے مرتے دم تک اس کی رہے گی دوسری طرف سے نجانے کیا کہا تھا وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

میرب کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی وہ کیا اور کس کے بارے میں کہہ رہی تھی یہ بات وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا سارے دن کی تھکن اور کوفت سے اس کا برا حال تھا رہی سہی کسر میرب کے انداز نے پوری کردی تھی۔

اس نے ایک جھٹکے سے فون اس سے جھپٹ کر زمین پر دے مارا اس اچانک افتاد پر میرب بری طرح بوکھلا گئی اسے سمجھ میں نہیں آیا اتنا غصہ کس بات پر۔

''بی جی تمہیں پاکیزہ اور پارسا سمجھتی تھی ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آئی مجھے تم بی جی کو بے وقوف بنا سکتی ہو مگر

مجھے ہرگز نہیں، بی جی تمہیں بہت پاکیزہ مضبوط کردار والی بہت ہی اچھی لڑکی سمجھتی رہی اور میں خود گلٹی فیل کرنے لگا کہ میں تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں کر رہا مگر تم یہی ڈیزرو کرتی ہو، تم اسی کے لائق ہو۔" اسے بالوں سے دبوچ کر وہ اس کے کان کے قریب آ کر غرایا تھا، میرب درد کی شدت سے کراہ اٹھی تھی مگر اس پر جیسے کوئی جنون سوار تھا، میرب کی دس منٹ میں اس نے حالت خراب کر دی تھی۔

"عالم پلیز آپ غلط سمجھ رہے ہیں، میں اپنی دوست سے بات کر رہی تھی، چاہئیں تو آپ فون کر کے معلوم کر لیں، وہ میری دوست بلوشہ تھی۔" وہ اپنی صفائی میں مسلسل بول رہی تھی، لیکن عالم کے ایک زوردار تھپڑ نے اس کی آواز حلق میں دبا لی۔

"اتنا بھی بے غیرت نہیں ہوں میں کہ تمہاری جاسوسی کرتا پھروں اور تمہارے دوستوں سے کال کر کے پوچھوں تمہارے بارے میں، میں نے جو سنا اور جو کچھ میں دیکھ چکا ہوں وہ تمہاری اصلیت بتانے کے لئے کافی ہے اور تمہارے پاس یہ چیز ہی نہیں ہو گی جس سے تم کسی سے رابطہ میں رہو میں تمہیں اپنی عزت سے کھیلنے نہیں دوں گا، یہ بات ذہن نشین کر لو۔" وہ غصے سے پھنکارا اور ایک جھٹکے سے اسے خود سے قریب کیا عالم نے اسے اتنی مضبوطی سے پکڑ کر خود سے قریب کیا ہوا تھا، کہ اس کی گرم سانسیں میرب کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ شرما کر نظریں جھکا لیتی مگر اب وہ ٹکٹکی باندھے اس شخص کی طرف رہی تھی جیسے احساس ہی نہیں تھا وہ کیا کہہ رہا ہے اور کس بنیاد پر الزام لگا رہا ہے، کیا وہ اسے اتنا گرا ہوا سمجھتا ہے، کم مائیگی کا احساس اسے شدت سے ہوا تھا اسے احساس ہوا اس شخص سے محبت کرنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی، اپنی بے بسی پر اس کا دل شدت سے رونے کو چاہ رہا تھا، آنسوؤں اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے، عالم کا چہرہ غصے کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا، اس نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا تھا، وہ اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھی، تیورا کر بیڈ پر اوندھی گری، وہ اپنی سفاکیت دکھا کر آندھی طوفان کی طرح لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا، میرب نے اس شخص کی طرف دھندلاتی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

قسمت نے اس کے ساتھ بدترین مذاق کیا تھا، اس نے ایسی زندگی کے خواب تو نہ دیکھے تھے۔

وہ شہزادوں جیسی شخصیت رکھنے والے شخص کا یہ روپ دیکھ کر سکتے میں تھی، وہ تو پر یقین تھی وہ اپنی محبت سے اس پتھر دل انسان کو جیت لے گی، وہ تو اس سے شدت سے محبت کرتی تھی، جس کی محبت میں وہ پور پور ڈوبی ہوئی تھی وہ شخص اس پر اتنا گھٹیا اور رکیک الزام لگا رہا تھا اس کی محبت کو گالی دے کر گیا تھا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا عالم اس کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے، اسے نفرت محسوس ہو رہی تھی اس سے خود سے ہر چیز سے میرے ساتھ ہی ایسا کیوں میرے اللہ وہ تڑپ تڑپ کر اپنے رب کو پکار رہی تھی۔

عالم صبح ہوتے ہی لاہور کے لئے نکل چکا تھا، یہ اطلاع بی جی کو نوکروں سے ملی تھی انہیں حیرانی ہوئی وہ ان سے ملے بغیر ہی کیسے چلا گیا، میرب سے استفسار کیا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا، اس کا افسردہ چہرہ اس کے دل کی ہر بات کی ترجمانی کر رہا تھا، اسے گئے ہوئے دو ماہ ہو چکے تھے لیکن اس نے وہاں پہنچ کر کسی کو اطلاع نہیں کی تھی۔

☆☆☆

رمضان المبارک کی آمد ہو چکی تھی، آج نواں روزہ تھا، ہر شخص رمضان کی برکتیں سمیٹنے میں مصروف تھا، مصطفیٰ نے بھی رمضان کے احترام میں شوبز کے کام سے فی الوقت کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی، عید کے پروجیکٹ اس نے رمضان سے پہلے ہی ختم کروا لئے تھے۔

آج خاص طور پر سائرہ بیگم نے مصطفیٰ کو جلدی گھر آنے کی تاکید کی تھی کیونکہ آج انہوں نے ناصرہ بیگم اور انوار صاحب کو مناہل اور ایمان کے ساتھ افطاری میں مدعو کیا ہوا تھا، افطاری کا ٹائم ہونے والا تھا لیکن مصطفیٰ کا کہیں نام و نشان نہیں تھا، جس کی وجہ سے ان کی پریشانی مزید بڑھ گئی تھی، افطاری سے کچھ دیر پہلے اس کا میسج آ رہا تھا۔

''وہ اپنے کسی دوست کے ہاں انوائٹ ہے۔'' سائرہ بیگم اس کے نہ آنے کی وجہ سب کو بتا رہی تھی۔

مناہل نے سکون کا سانس لیا، وہ نہیں آئے گا یہ جان کر وہ پرسکون ہو چکی تھی، سب افطاری سے فارغ ہو چکے تھے اور اب چائے کا دور چل رہا تھا، سب کے اصرار پر ایمان چائے بنانے جا چکی تھی، سائرہ بیگم اور حسن احمد مصطفیٰ کی حرکت کی وجہ سے شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔

''کوئی اہم مسئلہ ہوگا ورنہ وہ لازمی آ جاتا۔'' چائے پیتے ہوئے ناصرہ بیگم نے سائرہ بیگم سے کہا ان کی تائید گردن ہلا کر انوار صاحب نے بھی کی۔

''سب اسے مس کر رہے تھے مگر اک مناہل تھی جو اس کے نہ ہونے کی وجہ سے کافی سکون محسوس کر رہی تھی، ویسے تائی امی افطاری بہت لذیذ اور مزے دار تھی بہت مزہ آیا۔'' سچ میں مناہل نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بہت پیار سے کہا۔

''میری بیٹی کو پسند آئی اور کیا چاہیے۔'' اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''یعنی میرے لئے کچھ بھی نہیں تھا سب مناہل آپی کے لئے تھا واہ جی واہ۔'' ایمان کے منہ بسورنے پر سبھی مسکرا دیئے۔

☆☆☆

مسلسل بزی رہنے کا بہانہ بھی وہ آخر کب تک بناتا اس سے دور رہنے کی وہ ہر ممکن کوشش کر رہا تھا لیکن اپنی اس کوشش میں وہ ہر بار ناکام ہو جاتا، وہ اپنے دل کو اس سے دور رکھنے کے لئے بمشکل قائل کر پاتا کہ وہ اچانک سامنے آ کر اس کے ہر منصوبے اور مضبوط ارادے کو ناکام بنا دیتی، وہ تھک چکا تھا خود سے جنگ کرتے کرتے بالآخر اس نے ان سب سے بچنے کا حل ڈھونڈ لیا تھا، ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں اسے کافی عرصہ ملک سے باہر رہنا تھا، وہ وہاں جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

شاید یہ میرے اور اس کے لئے بہتر ہو پچھلے دو گھنٹے سے وہ بالکونی میں کھڑا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا، آج اس کا دل صبح سے ہی بوجھل بوجھل سا تھا وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا وہ اس کو اس کی خوشی کے لئے چھوڑ دیں یا پھر اپنی خوشی کے لئے اسے اپنے پاس رکھے، محبت کو چھوڑنا اس کے لئے آسان نہیں تھا، اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی پرندہ ہو جو پنجرے میں قید ہو اور کسی نے اس کے پر کاٹ دیے اور اسے اڑنے کو کہا جائے، وہ جانتا تھا وہ اس سے محبت نہیں کرتی۔

''صرف ایک بار وہ میرا یقین کر کے مجھ پر اعتبار کر لیں پھر میں اسے خود ہی محبت کرنا سکھا دوں گا، اے اللہ اک بار وہ جان لے مجھے اس

سے کتنی محبت ہے، میں اس کی جدائی اور نفرت کا عذاب کس طرح سہہ رہا ہوں وہ جان جائے یہ عذاب کتنا دردناک ہوتا ہے، وہ جان جائے میں لمحہ لمحہ بکھر رہا ہوں اس کی محبت میں ٹوٹ رہا ہوں، مجھے اختیار نہیں رہا خود پر اپنے دل پر، نہ جلتا ہوں نہ بجھتا ہوں، صرف رت جگے منا رہا ہوں اس کی ڈیمانڈ نے مجھے مار دیا ہے وہ جان جائے کتنے دن گزر گئے میں سو نہیں پایا میری ان جلتی ہوئی آنکھوں کو قرار دے دو۔'' آنکھیں موندیں دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھا، رات کا سناٹا بڑھتا جا رہا تھا، فضا میں بھی خنکی کافی بڑھ چکی تھی اور رات کے اس پہر جب سارا عالم مزے کی نیند سو رہا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ بن کر گر رہے تھے۔

☆☆☆

''کیسی ہو تم؟'' کافی دنوں کے بعد اسے سامنے پا کر وہ پھر سے خود سے کیا گیا وعدہ فراموش کر بیٹھا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں آپ سنایئے کیسے مزاج ہے آپ کے؟'' خلاف معمول بہت آرام سے جواب ملنے مصطفیٰ کو حیرانی ہوئی۔

''کافی دنوں بعد آپ نے چکر لگایا کہاں مصروف تھے۔'' زبردست قسم کا اک اور جھٹکا مصطفیٰ کو لگا۔

''مناہل تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ کے سوال پر مناہل مسکرا دی۔

''جی میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے، میں سوچ رہی تھی جب آپ نے وعدہ کر لیا ہے تو ایفا بھی ضرور کریں گے سو آپ کا اور اپنا خون کیوں جلاؤں جب جدا ہونا طے ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنے اچھے اخلاق کی وجہ بتا رہی تھی اور مصطفیٰ کو مسکراتے لب سکڑ گئے تھے اسے لگا اک بار پھر سے اس کا دل نوچ کر پھینکا جا رہا ہے اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا جبکہ مناہل آرام سے کسی میگزین میں گم تھی۔

وہ اک جھٹکے سے وہاں سے اٹھا تھا۔

''ماما سے نہیں ملو گے۔'' میگزین کے ورق گردانی کرتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

''نہیں میری طرف سے سلام کہہ دینا اوکے بائے۔'' وہ تیزی سے وہاں سے نکلا تھا، اگر ایک پل وہاں ٹھہرتا تو اس کا بھرم بھی بکھر جاتا ہے۔

مصطفیٰ کے کسی دوست کے ہاں افطار ڈنر پارٹی تھی اور اس کے دوست نے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ مناہل کو ساتھ ضرور لائے، مصطفیٰ نے پہلو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر ہار ماننا ہی پڑی، اس نے بات ایمان کے کان میں ڈال دی تھی اور ایمان نے مصطفیٰ کی بات ماما تک پہنچا کر اس کا ووٹ بھی مصطفیٰ کے حق میں کر لیا تھا اور جب ماما نے اسے افطار ڈنر اٹینڈ کرنے کو کہا تو اس کو پتنگے لگ گئے۔

''ماما آپ کو پتہ ہے مجھے پارٹی اٹینڈ کرنے کا کوئی شوق نہیں۔'' وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''بیٹا ایسے نہیں کہتے مصطفیٰ کے ساتھ تمہارا جانا ضروری ہے، ورنہ اس کے دوست کیا سوچیں گے، تم ٹائم سے تیار ہو جانا شام کو آئے گا مصطفیٰ تمہیں لینے۔'' ماما اسے سمجھا رہی تھیں۔

''کمینہ انسان۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی تھی، مرتی کیا نہ کرتی جانا تو تھا اس لئے تیار ہونے لگی۔

وہ جب لینے اسے گھر پہنچا تو سکائی بیلو کلر کے سوٹ میں ملبوس اس کے دل کی دھڑکنوں کو ڈسٹرب کر گئی، اس کے گالوں پر جھولتی لٹ کو مصطفیٰ کا دل چاہا ہاتھ بڑھا کر چھو لے، مصطفیٰ کی

۔۔ اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھی۔

''سادگی میں بھی تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو، بالکل کسی شہزادی کی طرح۔'' وہ اس کی تعریف کیے بنا نہ رہ سکا۔

''تم چلتے ہو یا میں اندر جاؤں۔'' منائل کی دھمکی کام کر گئی وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا، منائل کا رویہ بتا رہی تھا اسے زبردستی بھیجا گیا ہے۔

''پلیز اپنا موڈ وہاں ٹھیک رکھنا ورنہ میرے فرینڈ کیا سوچیں گے یہ کیسا کپل ہے۔'' مصطفیٰ نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''جسے جو بھی سمجھنا ہے سمجھے مجھے فرق نہیں پڑتا، ہر کام مجھ سے زبردستی کروایا جاتا ہے۔'' منائل کے لہجے میں تلخی در آئی۔

''تمہیں میرے ساتھ جانے پر کوئی ایشو تھا تو پلیز منع کر دیتی اپنے ساتھ زبردستی نہ کرتی میں تو کوئی نہ کوئی بہانہ بنا ہی لیتا۔'' اس کے پھولے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے دلگرفتگی سے کہا۔

''میں جتنا اس تعلق کو چھپانا چاہتی ہوں آپ سب لوگ مل کر اتنا ہی اس تعلق کو دنیا کے سامنے لا رہے ہیں، نہیں چاہتی لوگ آپ کے حوالے سے مجھے جانے، مجھے بالکل پسند نہیں آئے گا کہ آپ کے نام سے متعارف ہونا مگر کیا کیا جائے۔'' ناک سکوڑ کر اس نے جواب دیا، مصطفیٰ کی رنگت ایکدم سرخ ہوئی تھی۔

اتنی تذلیل اتنی توہین یہ نہیں تھا منائل یہ سب پہلی بار کہہ رہی تھی اسے تو شاید یہ سب کہنے کی عادت پڑ چکی تھی، یہ اسے فرق نہیں پڑتا تھا کہ کسی کا دل اس کی باتوں سے ہرٹ ہوتا ہے، مصطفیٰ کا صبر جیسے ختم ہو گیا، جس کے لئے وہ یہ سب کر رہا تھا، جس کی خوشی کے لئے وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی قربان کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا یہ سوچے بنا کہ اس کی حرکت سے اس کے گھر والے بھی اس سے دور ہو جائیں گے، اپنے گھر والوں سے دور سات سمندر پار جانے کے لئے تیار تھا، وہ اس کے لئے تھوڑی دیر کسی سے مسکرا کر بھی نہیں مل سکتی تھی جیسے اس کا ساتھ شرمندگی محسوس کراتا تھا، جو اس تعلق کو اک غلطی کہتی تھی جیسے مصطفیٰ اپنی زندگی کہتا تھا۔

''اگر یہ حوالہ اتنی ہی شرمندگی کا باعث ہے تمہارے لئے اور تم مجھ سے ہر قیمت پر جان چھڑانا چاہتی ہوں تو پلیز یہ سب مجھے کہنے کے بجائے اپنے ماما بابا کو منع کر دیتی تا کہ یہ نکاح ہو ہی نہیں پاتا اور نہ ہی تمہارا نام میرے نام کے ساتھ جڑتا اور نہ تمہیں کسی کے بھی سامنے شرمندہ ہونا پڑتا۔'' وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے زور سے پھنکارا تھا، منائل نے حیرانگی سے مصطفیٰ کی طرف دیکھا اس کے لئے اس کا یہ روپ بالکل نیا تھا، اس نے ہمیشہ اسے آرام اور محبت سے بات کرتے دیکھا تھا پھر نہایت بدلحاظی سے اس سے مخاطب ہوئی۔

''میں نے تم سے اصرار کیا تھا مجھ سے نکاح کرنے کے لئے، نہیں نا مگر بلکہ مجھ پر تو ظلم و جبر کیا گیا ہے، میری مرضی جانے بغیر مجھ سے سائن کروائے گئے، مجھے زبردستی پنجرے میں بند کیا گیا ہے، گھٹن ہوتی ہے مجھے آپ کے ساتھ سے، میں نے تو طلاق مانگی ہے آپ سے، دے مجھے طلاق اور جان چھوڑیں میری۔'' دونوں ہاتھ جوڑ کر اس نے تلخی سے کہا۔

مصطفیٰ نے تیزی سے گاڑی کا رخ موڑا تھا اس کی برداشت کی حدیں ختم ہو چکی تھی اگر اک لمحے میں وہ اس کے ساتھ رہتا تو شاید بہت کچھ

غلط ہو جاتا گاڑی انوار ہاؤس کے قریب روک کر اس نے تیزی سے باہر نکل کر دروازہ کھول کر اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

''اس سے پہلے میں اپنے حواس کھو بیٹھوں یہاں سے چلی جاؤ۔'' اس نے طیش زدہ انداز میں زور سے اس کا بازو دبوچا اور ایک جھٹکے سے اسے گاڑی سے باہر نکالا۔

''کیوں سچ سننا برداشت نہیں ہوا تم سے۔'' مناہل کو اس پر غصہ تھا اس لئے چپ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''مناہل!'' اس کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا تھا مگر اس کا ہاتھ فضا میں ہی رک گیا، وہ اس لڑکی کو کیسے مار سکتا تھا، جن کو دل کی سب سے اونچی سنگھاسن پر بیٹھا چکا تھا، مناہل سکتے میں کھڑی اسے گھور رہی تھی، جبکہ مصطفیٰ کا تنا ہوا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو چکا تھا، لب بھینچے اس نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور فراٹے سے گاڑی کو فل اسپیڈ پر چھوڑ دیا، مناہل خاموشی سے اندر داخل ہوئی بڑی مشکل سے ماما کو مطمئن کیا اور کمرے میں بند ہو گئی، وہ عادی نہیں تھی، اس کے اس رویے کی، اس نے ہمیشہ مصطفیٰ کو خود پر محبت لٹاتے دیکھا تھا، یہ کون سا روپ تھا وہ جس سے انجان تھی، وہ کیا بات تھی جو اس کو اتنا غصہ آیا، مناہل کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اس کے رویے کے بارے میں۔

وہ حق دق بیڈ پر بیٹھی نا چاہتے ہوئے سوچ رہی تھی، مصطفیٰ جان لیتا تو شاید خوشی سے پاگل ہو جاتا کہ مناہل اس کو سوچ رہی تھی ہے نا حیرانی کی بات۔

☆☆☆

بہت ہی طوفانی موسم تھا، ایک طوفان اس کے دل میں آ رہا تھا اور ایک طوفان موسم کی صورت میں بھی نظر آ رہا تھا، آندھی، بارش اور بجلی کی گرج چمک وہ تیز رفتاری سے گاڑی دوڑا رہا تھا، سڑک سنسان اور ویران تھی، اس نے گاڑی کو سائیڈ پر روکا، آنسو بارش کے ساتھ گھلنے لگے تھے ایک پل میں ہی اس کا وجود گیلا ہو چکا تھا مگر دل میں لگی آگ کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، مناہل کی باتیں اسے ازبر ہو چکی تھیں اور جو کچھ اس نے کہا تھا وہ سب باتیں وہ کئی بار کر چکی تھی، مگر آج دل میں اتنا درد کیوں ہو رہا تھا کیوں اسے لگ رہا تھا اس کا دل نوچ رہا ہے کوئی، بارش کی بوندوں اور کرب کی انتہا پر بہتے آنسوؤں وہ چلا اٹھا تھا، بارش میں بھیگتے ہوئے اسے کافی دیر ہو چکی تھی۔

موسم کے تیور بگڑے جا رہے تھے، اس نے ماتھے پر آئے بالوں کو پیچھے کیا اور بے بسی سے کار میں جا بیٹھا، کار ایک بار پھر سے برق رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی، دل میں اک طوفان تھا جو کسی طور کم نہیں ہو پا رہا تھا۔

''محبت پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے میرا، رسوا کر دیا اس نے میری پاکیزہ محبت کو، اس پر میں اپنی جان بھی لٹا دوں تو شاید پھر بھی وہ میرا اعتبار نہ کرے یا اللہ کیوں اس دل میں اس کے لئے اتنی محبت ڈال دی، کیوں یہ دل اس کی ذرا سی بے اعتنائی بھی برداشت نہیں کر سکتا، اے میرے اللہ میرے سچے اللہ ہمارے مابین وہ پاک تعلق قائم ہے جو میرے نبی کی سنت ہے یا اللہ تو اس کے دل میں میری محبت ڈال دیں بے شک میرے اللہ تو جو چاہے کر سکتا ہے، میرے اور اس کے مابین جو تعلق ہے وہ اٹوٹ اور سچا ہے، یا اللہ اس سچے رشتہ کا واسطہ اس کے لئے دل میں میری محبت ڈال دے۔'' اس نے پوری شدت سے اپنے رب کو پکارا تھا۔

تبھی سامنے سے آتے ہی ٹرک کو دیکھ کر

اس نے تیزی سے اسٹیئرنگ گھوما دیا تھا، پاؤں سیدھا اس کے بریک پر گئے تھے، کار گھوم کر تیزی سے سامنے درخت سے ٹکرائی تھی، فضا میں ایک شور بلند ہوا تھا اس کے ماتھے سے بہتا خون تیزی سے اس کے چہرے کو بھگو رہا تھا، ہوش و حواس بحال ہوئے مصطفیٰ کی آنکھوں میں آخری چہرہ جس کا آ رہا تھا وہ ظالم لڑکی تھی جس سے وہ زندگی سے بڑھ کر محبت کرتا تھا۔

☆☆☆

آج بائیسواں روزہ تھا، حویلی کی رونق بڑھتی جا رہی تھی، حویلی کی چہل پہل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، بی جی کے کہنے پر میرب نے عید کے سوٹ بھی تیار کروا لئے تھے، حالانکہ اس کا ارادہ بالکل نہیں تھا کپڑے بنوانے کا مگر بی جی کی خوشی کی خاطر اس نے ان کی بات مان لی، عالم کو گئے دو ماہ ہو چکے تھے، بی جی سے اس کی تقریباً تین چار دن بعد بات ہو جاتی، وہ سب افطاری کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔

السلام وعلیکم کی آواز کی سمت میں انہوں نے دیکھا تو عالم کو دیکھ کر بی جی ایکدم کھڑی ہوئی تھیں۔

''میرا بچہ۔'' وہ والہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی، میرب نے ایک نظر اس وجیہہ شخص پر ڈالی جو ہمیشہ کی طرح آج بھی بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

''السلام علیکم!'' بی جی سے مل کر وہ آہستگی سے اسے سلام کر رہا تھا، میرب وعلیکم السلام کہہ کر سائیڈ پر ہو گئی تھی، افطاری کے بعد وہ بی جی کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا اور وہ چپکے سے اپنے کمرے میں آ گئی، اس کا سامنا کرنے سے وہ کترا رہی تھی، مگر دل میں کہیں نہ کہیں اس کے آنے کی خوشی تھی تبھی اس کے لب کھل اٹھے تھے۔

☆☆☆

مصطفیٰ کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع جب انوار ہاؤس پہنچی تو سب کے حواس مختل ہو گئے، قرآن پاک کی تلاوت کرتی مناہل نے حیرانگی سے ماما کی طرف دیکھا صبح کے چھ ہی بجے تھے اور وہ سحری کے بعد سو ہی نہیں پائی تھی عجیب سی وحشت اور بے چینی تھی دل کسی طور مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا اور اس خبر نے تو اس ساری ہمت چھین لی تھی، اس نے قرآن پاک بند کیا نجانے کب اس کی آنکھوں سے نکلتے آنسو اس کے گال کو بھگونے لگے۔

''آپ حوصلہ کریں ماما کچھ نہیں ہو گا بھائی کو، ہم چلتے ہیں میں بابا کو بتا کر آتی ہوں۔'' روتی ہوئی سائرہ بیگم کو ایمان نے تسلی دی اور بابا کو بلانے ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، جب وہ تینوں ہاسپٹل کے لئے نکل رہے تھے تو مناہل کو وہیں بیٹھا دیکھ کر ایمان اس کے پاس آئی تھی۔

''آپی...... آپی...... آپی۔'' اس کے بار بار آواز دینے پر بھی مناہل کی طرف سے کوئی رسپانس نہ پا کر اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا تھا، مناہل کی نم آنکھیں دیکھ کر اس نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آپ رو رہی ہیں آپی۔'' ایمان کے سوال پر مناہل نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے آنسوؤں پونچھے تھے۔

''آپ چلیں گی ہمارے ساتھ۔'' ایمان کے پوچھنے پر مناہل نے گردن ہاں میں ہلائی تھی۔

ہوسپٹل پہنچ کر پٹیوں میں جکڑے وجود کو دیکھ کر وہ دہل گئی تھی بس اک پل لگا تھا اسے یہ جاننے میں وہ اس کے لئے کیا حیثیت رکھتا ہے جو ہمیشہ اس کی محبت سے انکاری تھی نہیں جان

پائی اس کی محبت کب کیسے چپکے سے اس کے دل میں پنجے گاڑ چکی تھی، اسے خبر تک نہ ہوئی نفرت نفرت کا ڈھول پیٹتے ہوئے اسے کب اسے محبت ہوگئی۔

اور آج اس کی یہ حالت دیکھ کر اسے رات کا منظر پوری طرح یاد آرہا تھا اس کی آنکھوں سے آنسوؤں جڑی کی طرح بہہ رہے تھے، وہ ڈھے گئی تھی، وہ تو بولنے کا شوقین تھا مگر آج اس کے لب بالکل ساکت خاموش تھے وہ رو رہی تھی اس شخص کی محبت میں جس سے وہ نفرت کا دعوا کرتی تھی ایمان نے آہستگی سے اس کے کندھے پر سر رکھا تھا، وہ چونک اٹھی تھی ایمان اس سے سرگوشیانہ انداز میں اسے پکارا تھا۔

''آپ فکر مت کریں وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔'' کندھے پر سر رکھے اس نے انہیں تسلی دی۔

''وہ ٹھیک ہو جائے گا ناں۔'' نم آواز سے اس نے اک بار پھر سے پوچھا۔

''وہ ٹھیک ہے آپی آپ فکر مت کریں بس اللہ سے دعا کریں۔'' اس کا ہاتھ تھام کر ایمان نے اسے دلاسہ دیا۔

''ہاں میں دعا کروں گی اللہ سے وہ ضرور سنے گا اور اسے کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' اپنے آنسو پونچھتی مناہل نے مضبوطی سے کہا تو ایمان نے بھی گردن تائید میں ہلائی تھی۔

☆☆☆

جائے نماز بچھائے اپنے رب کے آگے گڑ گڑا رہی تھی۔

''اے اللہ تو نے میرے دل میں اس کی محبت ڈال دی ہے اے اللہ میں اسے تجھ سے مانگ رہی ہوں، میں نے اپنی ناسمجھی میں صرف ناشکرا پن کیا مگر میرے اللہ تو، تو رحیم ہے غفور ہے رحمٰن ہے اے اللہ تو رحیم ہے تو اپنی رحمت کر دے بخش دے اس کی زندگی اور اس کی عمر دراز کر دے اے اللہ تو اسے صحت عطا کر میرے اللہ تو اسے صحت عطا کر۔'' گڑگڑاتے ہوئے وہ سجدے میں جھکی ہوئی جب ایمان نے آ کر اسے اطلاع دی۔

''مصطفیٰ بھائی کو ہوش آ گیا ہے۔'' اس نے تشکر سے آسمان کی طرف دیکھا۔

''بے شک میرا اللہ رحیم ہے۔'' اس نے اسی وقت شکرانے کے نفل کے لئے نیت باندھی، ایمان نے حیرانگی سے اپنی اس بہن کو دیکھا جو ہر پل مصطفیٰ سے نفرت کا دم بھرتی تھی نکاح والے دن نروس بریک ڈاؤن اسے اچھی طرح یاد تھا اور آج وہ اسی مصطفیٰ کے لئے کتنی پریشان تھی۔

''مصطفیٰ بھائی کی محبت ان کے دل تک رسائی کر لی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کاریڈور سے واپس پلٹی تھی، یہ خوش خبری اسے مصطفیٰ کو بھی سنانی تھی۔

☆☆☆

''یہ تم نے بی جی کو کب سے بھرنا شروع کر دیا میرے خلاف۔'' وہ بستر بچھا کر لیٹنے کی تیاریوں میں تھی کہ عالم کی آواز پر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''میں بی جی کو کیوں کچھ کہوں گی۔'' وہ تکیہ درست کرتے ہوئے اطمینان سے بولی۔

''میں تمہارا لحاظ کر رہا ہوں اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں تمہاری چال بازیوں میں کامیاب ہونے دوں گا۔'' وہ چیختے ہوئے بولا۔

''آپ خواہ مخواہ بات کو بڑھا رہے ہیں عالم۔'' وہ سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے بول پڑی۔

''آپ نے پہلے بھی میری تذلیل کی میں

نے برداشت کر لی مگر اب یاد رکھیے میں کوئی الٹی سیدھی بات برداشت نہیں کروں گی، میں کوئی آپ کی خریدی ہوئی غلام نہیں ہوں جو ہر بات پر ظلم برداشت کروں گی۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا۔

''یہ میری بدنصیبی ہے کہ میں نے آپ سے محبت کی اور آپ کی زندگی میں شامل ہوئی۔'' وہ گھٹنوں میں سر دیے چکی تھی۔

''تم تو کافی بدل گئی ہو آئی لائک اٹ۔'' اس کے پرسکون لہجے پر میرب نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا جواب مزے سے بال بنا رہا تھا۔

''پتہ ہے میرب میرا مسئلہ یہ تھا مجھے اپنے دوست کی بہن افشین پسند تھی جو بہت بولڈ اور ایکٹیو تھی، مجھے ڈرپوک اور بزدل لڑکیوں سے زیادہ نڈر اور بہادر لوگ پسند تھے اور افشین بھی مجھے اسی لئے پسند تھی وہ بہت بہادر تھی میں نے بی جی کو اپنی پسند کا بتایا مگر انہوں نے تو بہو کے روپ میں تمہیں پہلے ہی سلیکٹ کر لیا تھا اس لئے افشین کی ہزار خوبیاں بھی انہیں نظر نہ آئی اور پھر وہ ہوتا چلا گیا جو میرے لئے ناقابل برداشت تھا، اس ساری سچویشن سے میں نکلنا چاہتا تھا اس لئے یہاں سے نکل گیا، میں نے افشین کو تمہارے بارے میں بتایا مگر وہ مجھے شیئر کرنے کو تیار نہ تھی، اس کا کہنا تھا اس سے شادی سے پہلے مجھے تمہیں چھوڑنا ہوگا۔'' وہ ایک لمحے کے لئے رکا تھا میرب سانس روکے اسے سن رہی تھی۔

''مگر میرے لئے تمہیں چھوڑنا ناممکن تھا، کیونکہ بی جی کو تم سے بے پناہ محبت تھی اور شاید ایسا کرنے سے میں بی جی کو کھو دیتا اور میں بی جی کو کھو کر افشین کو نہیں اپنا سکتا تھا، اس لئے فیصلہ ہو گیا، زندگی جس طرح چل رہی تھی وہ اچھی نہیں تھی، مگر افسوس اپنی زندگی کو ٹھیک کرنے کی ہم دونوں نے کوئی کوشش نہیں کی فاصلے ختم ہونے کے بجائے بڑھتے جا رہے تھے، میں جان بوجھ کر وہ سب کرتا رہا جسے تمہیں تکلیف ہو اور تمہارے لب سے آواز نکلے مگر تم نہیں بولی، میں نے پہلے بھی کہا مجھے ڈرپوک لڑکیاں پسند نہیں تھیں جو اپنے حق کے لئے بھی نہ بول پاتی اس لئے مجھے تم سے چڑ ہونے لگی، میں تم سے اپنے ہر رویے کی معافی مانگتا ہوں میں نے تم جیسی پاکیزہ اور شریف لڑکی پر بے ہودہ الزام لگایا، پلیز جو ہو گیا ہے اسے تم اور میں دونوں بھول کر زندگی کی شروعات نئے سرے سے کرتے ہیں، مجھے تمہارا ساتھ تمہاری ہمراہی چاہیے تو کیا مسز عالم آپ کو میرا ساتھ قبول ہے۔'' وہ وارفتگی سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔'' وہ دوٹوک انداز میں مخاطب ہوئی اور عالم کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

☆☆☆

وہ گہری نیند میں تھا، جب کسی کے رونے کی آواز نے اس کی آنکھ کھول دی، وہ دشمن جاناں تھی، مصطفیٰ کے لبوں پر اک پل کے لئے مسکراہٹ آ گئی وہ اسے رونے سے منع کرنا چاہتا تھا اسے بتانا چاہتا تھا وہ اس کی فکر نہ کرے مگر میڈیسن کے زیر اثر وہ دوبارہ غنودگی میں چلا گیا۔

''ابھی تک سو رہا ہے۔'' ماما کے پوچھنے پر اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

تایا ابو اور تائی امی آ گئے کیا؟ کافی دیر پہلے اس نے زبردستی گھر بھیجا تھا آرام کی غرض سے تائی امی کا بلڈ پریشر بھی ہائی ہو رہا تھا اور تایا ابو بھی کافی تھک گئے تھے۔

''ہاں آ گئے ہیں بس اللہ ہم سب کی پریشانیاں دور کرے بہت مشکل وقت تھا جو اللہ

نے بخیر و عافیت گزار دیا، میری تو جان نکل گئی تھی مصطفیٰ کی حالت دیکھ کر، بھابھی تو اس کی ماں ہیں بڑی مشکل سے انہوں نے خود کو سنبھالا تھا اللہ پاک ساری ماؤں کے کلیجے ٹھنڈے رکھے۔'' ان کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے پر مناہل نے بے ساختہ آمین کہا تھا۔

مصطفیٰ کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا اس کے زخم کافی بہتر ہو گئے تھے سب اس کا پورا خیال رکھ رہے ہیں، امی تو مستقل طور پر انوار ہاؤس شفٹ ہو چکی تھی۔

آج ستائیسواں روزہ تھا، ماما نے مصطفیٰ کے صحت یابی کی خوشی میں افطار ڈنر ارینج کیا ہوا تھا، خاندان کے سبھی افراد مدعو تھے، شوبز کے بھی قریبی دوست انوائیٹڈ تھے، اس کی ساری کزنز اس پر رشک کر رہی تھیں اور ہمیشہ کی طرح وہ ناک سکوڑ کر نہیں بلکہ مسکرا کر سب کی باتوں کو انجوائے کر رہی تھی، جب کسی کے متوجہ کرنے پر وہ اس کی طرف پلٹی تھی بہت ہی خوبصورت لڑکی سامنے تھی جو میڈیا فیلڈ سے ہی وابستہ تھی۔

''سچ مناہل تم واقعی لکی ہو اتنا ہینڈسم اور ڈیشنگ پرسنالٹی والا بندہ تم پر بری طرح فدا ہے تمہیں شاید معلوم نہیں، علینہ جو ایک سپر ماڈل ہے اور ایک پروجیکٹ بھی اس نے مصطفیٰ کے ساتھ کیا ہوا ہے، وہ دیوانی تھی مصطفیٰ کی، ہر کوشش کر ڈالی تھی اس نے مصطفیٰ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی مگر مصطفیٰ نے کبھی اس کی پذیرائی نہیں کی، بلکہ اس نے تقریباً سب کو بتایا ہوا تھا وہ کمٹینڈ ہے اور اسے اس لڑکی سے عشق ہے اور تم یقین کرو تمہیں دیکھ کر سچ میں خوشی ہوئی ہے تم اس کے ساتھ بہت اچھی لگتی ہو، اس کی قدر کرنا واقعی قسمت سے ملتے ہیں ایسے لوگ ورنہ دنیا بھری ہوتی ہے جھوٹ اور منافق لوگوں سے۔'' انجانے میں ہی اس لڑکی نے مناہل کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھول دی تھی، اسے اچھی طرح اپنے نکاح والے دن اس لڑکی کی فون کال یاد تھی اس کا نام بھی تو علینہ تھا، اس نے اس لڑکی پر اعتبار کیا اور اپنی زندگی کو خود بھی تباہ کر ڈالا۔

''نہیں سارا قصور علینہ کا تو نہیں موقع تو میں نے اسے دیا تھا۔''

اس نے تو اک شک کا بیج بویا تھا تناور درخت تو پہلے ہی بنا ہوا تھا، اس نے ہمیشہ ہی مصطفیٰ کو مجرم سمجھا تھا یہ میں نے کیا کیا وہ خود سے الجھتی ہوئی سامنے سے آتے ہوئے مصطفیٰ سے ٹکرائی تھی۔

''سنبھل کر۔'' مصطفیٰ نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھاما۔

مناہل نے اس شخص کی طرف دیکھا جو اس سے پیار کرتا تھا اور اس نے اس کو اور اس کے پیار کو ہوس کا نام دیا تھا اسے خود سے شرمندگی محسوس ہونے لگی تھی۔

''کیا نفرت انسان کو اتنا اندھا کر دیتی ہے کہ وہ انسان کی پرکھ بھول جائے۔'' وہ نادم تھی اسے اتنا غم دینے پر، وائٹ شلوار قمیض میں ملبوس وہ بہت پرکشش لگ رہا تھا، دل کی دنیا بدلی تھی تو دیکھنے کا انداز بھی بدل گیا، وہ بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھنے میں مبہوت تھی۔

''ایم ساری مناہل تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری نہ ہو سکی میں مرتے مرتے پھر سے بچ گیا۔'' اس کی طرف دیکھتے نارمل لہجے میں اس نے بات شروع کی۔

مناہل نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا اور منہ پر ہاتھ رکھے بغیر کچھ کہے تیزی سے وہاں سے بھاگتی ہوئی چلی گئی، مصطفیٰ کے لبوں پر اک جاندار مسکراہٹ آ گئی یہ کھیل اسے اب اچھا لگ

رہا تھا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا جب ایمان نے مناہل کی محبت اور اس کے بدلے ہوئے انداز کے بارے میں بتایا تھا، مگر اس دن ہاسپٹل میں جب وہ آنکھیں موندیں لیٹا تھا اسے اپنے ماتھے پر کسی لمس کا احساس ہوا تھا وہ آنکھیں کھولنا چاہتا تھا مگر نہیں کھولی، شاید مناہل سمجھی وہ گہری نیند میں ہے تبھی اس نے اپنے لب اس کی پیشانی پر رکھ دیئے تھے، مصطفیٰ کو لگا اس کی سانس رک جائے گی، اس کی انگلیاں جب دھیرے دھیرے اس کا سر سہلا رہی تھیں تو اسے اپنی دعا کی قبولیت کی سند ملی تھی، وہ آنکھیں موندیں اس کی محبت کی شدت کو محسوس کر رہا تھا، وہ خوش تھا اور اس کی روز بروز بدلتی کیفیت اس کے دل کا حال بتا رہی تھی، اب مصطفیٰ کو یقین ہو گیا تھا مناہل کو اس سے سچ میں محبت ہو گئی ہے۔

''یہ رمضان سچ میں میرے لئے ڈھیروں ڈھیر خوشیاں لایا ہے بس اب اس کی زبان بھی اس بات کا اظہار کر دے کہ اسے بھی مجھ سے محبت ہے۔'' ایک بھرپور مسکراہٹ مصطفیٰ کے لبوں پر تھی۔

☆☆☆

''آپ کی ضد، آپ کی مرضی، آپ کی پسند آپ کی محبت اور آپ کے ذہن کا شک یہ سب آپ کے دماغ کا فتور ہے، اس میں میرا کیا قصور تھا، آپ کا دل و دماغ مجھے قبول نہیں کر رہا تھا اس میں میرے دل کا کیا گناہ تھا، مجھے عادت نہیں عالم اتنے اچھے رویے کی مجھے آپ کے اسی تلخ رویے کی عادت ہے مہربانی کر کے مجھ پر یہ دھوکے کی عنایت مت کریں، مجھے عادت ہے تنہا رہنے کی۔'' وہ بھٹ ہی تو پڑی تھی پچھلے دو تین دنوں سے عالم ہر ممکن کوشش کر رہا تھا سب ٹھیک کرنے کی مگر اسے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں میرب میں نے تمہارا دل دکھایا ہے، تمہیں ٹارچر کیا ہے مگر یہ سچ ہے کہیں نہ کہیں میرے ساتھ تم بھی برابر کی شریک ہو، تم بھی ذمہ دار ہو یہ جو کچھ ہو رہا ہے، میری ہر زیادتی کو برداشت کر کے کبھی نہ تم نے مجھ سے سوال کیا، میرے کسی بھی عمل کا جواب طلب نہیں کیا، کبھی مجھ سے اپنا حق نہیں مانگا اگر میں نے دو قدم پیچھے کیے تو تم نے ہمارے مابین اونچی دیوار کھڑی کر دی جو توڑنا میرے لئے ممکن نہ تھا بدگمانیاں بڑھتی رہی ہمارے بیچ، تم نے بھی وضاحت طلب نہ کی اور میں نے بھی صفائی میں کچھ نہیں کہا، اگر تم بڑھ کر اپنا حق استعمال کر لیتی تو شاید یہ دوریاں اتنی نہ بڑھتی۔''

''آپ میری طرف سے پیش رفت کے منتظر رہے آپ کو کیا لگا تھا میرب آپ کے پاس آ کر اپنی محبت کی بھیک مانگے گی، اگر آپ سوچ رہے تھے ایسا ہو گا تو یہ بھول تھی آپ کی غلطی پر تھے آپ عالم میرا آپ سے تعلق روح کا ہے مجھے آپ کے ساتھ آپ کے نام آپ سے جڑے ہر رشتے سے دل کی گہرائیوں سے محبت تھی اور میں نے ہر رشتے کو خوش اسلوبی سے نبھایا ہے، مگر آپ نے کیا کیا مجھے ٹارچر کر کے مجھے ذہنی اذیت میں مبتلا رکھا، مجھ پر گھٹیا اور رکیک الزامات کی بھرمار کر دی، آدھی ادھوری باتیں سن کر آپ نے میرے کردار کی دھجیاں اڑا دی، آپ نے میرب کی محبت اور میرب دونوں کو مار دیا، اب تو صرف یہ زندہ لاش ہے۔''

''میرب اک موقع دے دو رمضان کے اس بابرکت مہینے میں تم سے وعدہ کرتا ہوں اب کوئی چیز ہمارے درمیان نہیں آئے گی، اس رشتے کو اک موقع دے دو میں پورے دل سے

اس تعلق کو نبھانا چاہتا ہوں، میں شرمندہ ہو کر تم سے معافی مانگتا ہوں اپنے ہر فعل کی، خدا کی قسم ہر دکھ کا ازالہ کر دوں گا۔'' وہ دو قدم آگے بڑھا تھا۔

''میرے دکھ صرف میرے ہیں عالم میں اپنے ہر دکھ کو سہنے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔''

''تم اپنے دل میں ایک بار جھانک کر تو دیکھو تمہیں وہاں ہر جگہ میں ہی نظر آؤں گا محبت نہیں مرتی میرب تم نے جو دروازے بند کر دیے ہیں انہیں کھول کر اس محبت کو مجھ تک پہنچنے دو کہیں ایسا نہ ہو جائے پچھتاوے ہمارا مقدر بن جائیں۔''

''آپ سے کس نے کہا مجھے آپ سے محبت ہے۔'' وہ انکاری ہوئی تھی۔

''زبان سے کبھی نہیں کہا مگر تمہارے انداز نے مجھے بتایا تمہیں مجھ سے محبت ہے، میرے چہرے کی پریشانی تمہیں کیسے نظر آ جاتی ہے اس نے مجھے بتایا تمہیں مجھ سے محبت ہے، میری ہر زیادتی کو برداشت کرنا تمہاری خاموشی نے بتایا تمہیں مجھ سے محبت ہے اور سب سے بڑھ کر میرب جو پل ہمارے درمیان ہے وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے تمہیں مجھ سے محبت ہے میرب اور شاید یہ تمہاری محبت ہی تھی جو میں پلٹ کر تم تک آ گیا، میں نے تمہاری آنکھوں کو بارہا پڑھا ہے زبان جھوٹ بول سکتی ہے مگر آنکھیں جھوٹ نہیں بولتی، میرب تمہاری آنکھیں مجھ سے کہتی ہیں انہیں مجھ سے عشق ہے، پھر یہ گریز اور بے اعتنائی کیوں؟''

''آپ نے مجھے بہت ستایا ہے عالم۔'' وہ بکھر رہی تھی۔

''اب تمہیں کبھی نہیں ستاؤں گا جان عالم۔'' وہ اسے محبت سے سمیٹ رہا تھا۔

''کل عید ہے میرب اور یہ عید اور ہر آنے والی کئی عیدیں میں تمہارے ساتھ تمہاری ہمراہی میں گزارنا چاہتا ہوں۔'' اس کا ہاتھ تھام کر وہ محبت کی پہلی مہر ثبت کر رہا تھا، میرب نے مچل کر آزاد ہونا چاہا تو اس نے گرفت مضبوط کر لی میرب نے سر جھکا لیا وہ اس کی آنکھوں کی تپش کی تاب نہیں لا سکتی تھی اتنی محبت وہ خود پر نازاں تھی قدرت اس پر مہربان ہو گئی، حالات کو اس پر رحم آ گیا تھا۔

''تم جانتی ہو میرب تم بہت خوبصورت ہو تمہاری کالی زلفوں میں تاریکی کا سماں بندھا ہے، مجھے احساس ہوا ہے تم ساتھ میرا لئے سکون کا باعث ہے۔''

محبت نے بالآخر خود کو منوا لیا تھا عالم کی پناہ میں آ کر میرب مطمئن ہو گئی تھی آج مہینوں بعد اس کے چہرے پر سکون اور طمانیت نظر آ رہی تھی، وہ اپنے رب کا جتنا بھی شکر کرتی کم تھا رمضان کے اس بابرکت مہینے میں اللہ نے اسے سب سے سچی خوشی عطا کی تھی عالم کے کندھے پر سر رکھے ہوئے وہ پرسکون انداز میں مسکرا دی۔

☆☆☆

آج چاند رات تھی ایمان اور مناہل کب سے چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر آسمان پر چھائے بادل اور گرد آلو فضا انہیں چاند دیکھنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی، ماما کے بلانے پر ایمان نیچے چلی گئی اور وہ آرام سے جھولے پر بیٹھ کر چاند ڈھونڈنے لگی، نظریں آسمان پر مرکوز تھی، مگر سوچیں صرف اور صرف مصطفیٰ کے گرد گھوم رہی تھی، جو ہر پل ہر دم محبت کا دعوا کرتا تھا اور اب جیسے بھول ہی گیا ہو کتنی دفعہ اس نے بات کرنے کی کوشش کی، مگر وہ تو ہر چیز سے انجان ہی نظر آیا۔

''شاید میری نفرت کی وجہ سے وہ اپنی محبت

بھول گیا ہے میرے ساتھ اچھا ہی ہوا یہی میری سزا ہے، میں نے اس کے خلوص اور چاہت کی قدر نہ کی۔'' اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں، آنکھیں موندیں اس نے جھولے کی پشت سے ٹیک لگالی، وہ دنیا و مافیا سے بے خبر ہو کر اس دشمن جان کو یاد کر رہی تھی۔

''افسردہ ہو۔'' اس کی آواز پر اس نے چونک کر دیکھا تو مصطفیٰ سامنے کھڑا تھا، دل نے کتنی شدت سے چاہا تھا وہ آجائے اور وہ آگیا، وہ زیر لب مسکرا کر اس نے نظریں جھکالی تھیں۔

''تمہیں کیسی لگ رہی ہوں۔'' آہستگی سے سوال کر کے آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

''بہت خوبصورت مگر تھوڑی پریشان۔'' اپنے مخصوص انداز میں کہتا وہ اس کے ساتھ جھولے میں بیٹھ چکا تھا، مناہل نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا جناب میں وہی مصطفیٰ ہوں جو تم پر فدا تھا اور ہوں اور ہمیشہ رہے گا سوچا تم چاند کے لئے اتنا پریشان ہو تو چاند کے درشن کرا دیے جائے تو چاند حاضر ہے جناب۔'' سر کو خم دیتے ہوئے وہ شرارت سے گویا ہوا۔

''یعنی یہ آپ کا پلان تھا اور آپ مجھے تنگ کر رہے تھے۔'' اشک گال بھگونے لگے۔

''نہیں بلکہ خود کو تنگ کر رہا تھا تمہیں تکلیف میں دیکھ کر میں کتنا اذیت میں مبتلا ہو جاتا تھا مگر دل کو اچھا لگتا تھا تم میری پرواہ کرنے لگی ہو میرے لئے پریشان رہتی ہو بس پھر کیا تمہیں تنگ کرنے میں دل سے مزا آتا تھا قسم سے ویسے اب تو یقین ہے تمہارا تایا کا بیٹا اپنے چچا کی بیٹی سے فلرٹ نہیں بلکہ شدید محبت کرتا ہے۔'' اس کے کہنے پر مناہل نے مسکرا کر سر کو مزید جھکالیا۔

بھی چاروں طرف سے شور اٹھا چاند نظر آگیا، بادل چھٹ چکے تھے آسمان پر باریک سا چاند نظر آرہا تھا۔

''یہ لو ادھر تمہارے چاند نے انٹری ماری ادھر عید کا چاند بھی منظر عام پر آگیا۔'' اس کے چہرے سے نگاہ اٹھاتے ہوئے مصطفیٰ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔

''چاند رات مبارک ہو آپ کو۔'' بہت ہی دھیمے لہجے میں اس نے محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بس اتنے لمبے انتظار کے بعد خالی خولی مبارک باد۔'' مصطفیٰ کے شرارت سے کہنے پر وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی، مصطفیٰ نے لپک کر اس کا آنچل تھاما تھا وہ اک جھٹکے سے رکی۔

''پلیز مصطفیٰ۔'' اس نے جیسے التجا کی۔

''تمہیں کچھ یاد ہے مناہل سچوئیشن پرانی ہے مگر ڈائیلاگ نئے ہیں۔'' وہ اس کے قریب آچکا تھا، مناہل کی سانس اٹکی ہوئی تھی، پتہ نہیں آج دل کیوں اتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا، مصطفیٰ نے اس کے ہوائیاں اڑتے چہرے کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

''لگتا نہیں تمہیں تبدیلی آنہیں رہی بلکہ آچکی ہے۔'' اس کے کہنے پر مناہل کا قہقہہ بے ساختہ تھا اور سیڑھیاں چڑھتی ایمان نے ان کی دائمی خوشیوں کی صدق دل سے چاند کو دیکھ کر دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا لئے تھے۔

☆☆☆

قرۃ العین خرم ہاشمی

زندگی میں بہت سی چیزوں کی اہمیت کا احساس تب ہوتا ہے جب ہم ان سے محروم ہو جاتے ہیں، اسی طرح بہت سے رشتے بھی ایسے ہی ہوتے ہیں جب تک ہمارے پاس ہوتے ہیں ہمیں نظر نہیں آتے ہیں اور جب ہمیشہ کے لئے دور چلے جاتے ہیں تو نظر ان کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتی، پھر وہ نظریں آنکھوں کی پتلیوں پہ ثبت ہو جاتے ہیں، ان کے ہونے کا احساس، ہر لمحے میں بس کر رہ جاتا ہے، پتا نہیں کیوں بعض محبتیں اپنے ہونے کا اتنا درد کیوں دیتیں ہیں اور اپنے کھو جانے پہ ہمیشہ کی اذیت اور نارسائی بخش کر کھو جاتی ہیں، ہمیشہ کے لئے سو جاتیں ہیں۔

☆☆☆

آج ینگ آرٹس ینگ کمپنیشن کا تیسرا اور آخری دن تھا اور ایک پریس کانفرنس کا انعقاد بھی کیا گیا تھا، جس میں فرسٹ پرائز جیتنے والے کے نام کا اعلان ہونا تھا، اپنا انعام وصول کرنے افرا اسٹیج پر آئی تو اس کے چہرے پہ بھرپور خوشی اور آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

''زندگی میں کوئی بھی کامیابی کبھی بھی صرف ہماری نہیں ہوتی ہے، اس کامیابی کے پیچھے ضرور کوئی نہ کوئی ایسا فرد ضرور ہوتا ہے جس کے بناء ہم کامیابی کا زینہ نہیں چڑھ سکتے ہیں، وہ فرد ہماری طاقت بھی ہوتا ہے، ہماری بنیاد بھی اور ہمارا اثاثہ بھی۔''

''اور میرے لئے وہ فرد، وہ بنیاد، وہ اثاثہ وہ کامیابی کا پہلا زینہ میری نانو ہیں جن کی مکمل سپورٹ اور اعتماد کی وجہ سے میں آج یہاں کھڑی ہوئی ہوں، اگر وہ نہ ہوتیں تو شاید میرا ہنر، میرا فن گھر کی چار دیواری کے اندر کہیں مقید ہو کر رہ جاتا۔''

دھیرے دھیرے خوبصورت لہجے میں بولتی افرا نے پہلی رو میں بیٹھی اپنی نانو جہاں آراء بیگم کی طرف دیکھ کر کہا تھا، سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا، جہاں آراء بیگم ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں نمی لئے بہت فخر اور سکون سے افرا کو انعام لیتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

جہاں آراء بیگم کی شخصیت میں بہت رکھ رکھاؤ تھا، ہلکے گرے کلر کی خوبصورت سی ساڑھی میں ملبوس، کندھوں پہ شال لئے، گھنے بالوں کا جوڑا سلیقے سے بنائے، آنکھوں پہ نازک فریم کی عینک لگائے، وہ بہت متاثر کن شخصیت کی مالک لگ رہی تھیں۔

افرا کے خوش باش چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ گہری سوچ میں گم تھیں، افرا پراعتماد انداز، ہونٹوں کی نرم مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک کسی اپنے کی یاد دلاتی تھی، دل کو چیرتی، دل کو مسلتی یاد، جہاں آراء بیگم افرا کی بات کی تصحیح کرنا چاہتی تھیں کہ۔

''کامیابی ہمیشہ کسی کی سپورٹ، یا مدد سے نہیں بھی ملتی ہے، کبھی کبھی بعض لوگ خود رو پودے کی طرح بھی پرورش پاتے ہیں اپنی بقاء کی جنگ لڑتے ہیں اور بہت خاموشی سے دوسروں کے لئے بھی ڈھارس اور تسلی کا موجب بنتے ہیں، ایسے لوگ اپنی کامیابی کی وجہ تو خود ہوتے ہیں مگر ان کی ناکامی بکھرنے اور ٹوٹنے کی وجہ بہت سے اپنے ضرور بنتے ہیں، ایسے ہی کسی کی تنہائی کی، اس کے ٹوٹنے کی، ادھورا رہ جانے کی وجہ وہ بھی بنی تھیں۔''

اور زندگی میں کامیابی کی خوشی سے زیادہ، ناکامی اور پچھتاوے کا دکھ بہت شدید ہوتا ہے اور بعض پچھتاوے تو ایسے ہوتے ہیں جو زندگی کی خوشیوں پہ گرہن کی طرح لگ جاتے ہیں، پھر کوئی خوشی خوشی نہیں صرف آنسو بن کر رہ جاتی

ہے۔

☆☆☆

"کیا ہوا کرن کیوں رو رہی ہو؟" جہاں آراء بیگم نے مصروف سے انداز میں کچن کے دروازے سے جھانکتے ہوئے اونچی آواز میں پوچھا تھا، بڑے سے لاؤنج میں کرن اور اس سے ایک سال بڑی رابعہ آمنے سامنے کھڑے ہوئے تھے، رابعہ کے ہاتھ میں موجود گڑیا کو دیکھ کر جہاں آراء کو ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی، وہ رومال سے ہاتھ پونچھتی گہری سانس لیتی ان کی طرف بڑھیں تھیں۔

"رابعہ!" ماں کے پکارنے پہ سات سالہ رابعہ نے ان کی طرف دیکھا تھا، وہ بہت ذہین اور حساس بچی تھی، ہر بات کو بہت جلد سمجھ جاتی تھی اور اسی چیز کا فائدہ اکثر دوسرے لوگ اٹھا لیتے تھے۔

"امی! یہ گڑیا ابو میرے لئے لائے تھے، کرن نے اپنی پسند سے دوسری گڑیا لی تھی مگر اب یہ ضد کر رہی ہے کہ اسے میری والی گڑیا چاہیے۔" رابعہ نے معصومیت سے اپنی گڑیا کو سینے سے لگاتے ہوئے ماں کو بتایا تھا۔

"مجھے یہی والی گڑیا لینی ہے، اس کے بال اتنے لمبے ہیں۔" کرن نے ضدی لہجے میں ماں کی قمیض کا دامن کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

"رابعہ! حد ہو گئی ہے ایک گڑیا کے لئے چھوٹی بہن کو رلا رہی ہو، بڑی بہنیں تو جان دیتی ہیں اپنی چھوٹی بہنوں پہ اور ایک تم ہو کہ مسلسل ضد کیے جا رہی ہو، یہ گڑیا کرن کو دے دو میں تمہیں اور منگوا دوں گی۔"

"مگر امی آپ ہی تو کہتی ہیں کہ کسی کی چیز نہیں لیتے ہیں، میں نے تو کبھی ثانیہ آپی سے ضد کر کے کچھ نہیں لیا ہے، جبکہ ثانیہ آپی بھی مجھ سے تین سال بڑی ہیں۔" رابعہ نے منہ بسورتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

"رابعہ!" جہاں آراء نے سختی سے گھورا تو اس نے خاموشی سے گڑیا کرن کی طرف بڑھا دی، کرن نے جھپٹ کر گڑیا پکڑی تھی اور خوشی خوشی اس کے بالوں میں کنگھی پھیرنے لگی تھی، جہاں آراء نے ایک مطمئن نظر کرن پہ ڈالی اور مڑ کر واپس کچن کی طرف چلی گئی تھی، رابعہ اپنے دل و دماغ میں ہزاروں مچلتے سوالوں اور شکوؤں کو لئے خاموشی سے لاؤنج کا دروازہ کھول کر پورچ کی سیڑھیوں پہ آ کر بیٹھ گئی، یہ اس کی پسندیدہ جگہ تھی، ابھی بھی گھٹنوں پہ دونوں کہنیاں جمائے، ہتھیلیوں پہ چہرے سجائے وہ گہری سوچ میں گم تھی۔

"ہمیشہ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے، ہر بار مجھے ہی اپنی پسندیدہ چیز کیوں دینی پڑتی ہے، ثانیہ آپی اور کرن تو کبھی کچھ نہیں دیتی ہیں۔" رابعہ کی گہری سیاہ آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیرنے لگی تھی۔

"میری کوئی بھی نہیں سنتا ہے۔" رابعہ نے ناراضگی سے پھولے ہوئے چہرے کے ساتھ خود کلامی کی تھی۔

"کون نہیں سنتا میری بیٹی کی؟" اسی وقت آفس سے واپس آئے عزیز احمد نے پاس آتے ہوئے رابعہ کو گود میں اٹھایا تھا اور اس کے گالوں پہ بے ساختہ پیار کرتے ہوئے پوچھا تھا، جانتے تھے کہ ان کی یہ بیٹی بہت معصوم اور حساس ہے جسے خود سے باتیں کرنے کی عادت ہے۔

"ابو! امی نے میری گڑیا کرن کو دے دی ہے۔" رابعہ نے معصومیت سے بات کرتے چہرے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ابھی اندر چلو، آپ کی امی سے بھی پوچھ

لیتے ہیں اور کرن سے گڑیا بھی واپس لے دیتے ہیں۔'' عزیز احمد اسے اٹھائے اندر کی طرف بڑھے تھے۔

''نہیں ابو! آپ امی سے کچھ مت کہنا، نہیں تو وہ سمجھے گی کہ میں نے شکایت لگائی ہے اور شکایت لگانا اچھی بات نہیں ہوتی ناں، ویسے بھی کرن چھوٹی ہے مجھ سے اگر وہ ایسے خوش ہوتی ہے تو ہونے دیں، میرے پاس اور بھی گڑیا ہیں۔'' رابعہ نے جلدی جلدی سے اور سمجھدار لہجے میں کہا تو عزیز احمد اسے دیکھتے رہ گئے، سات سال کی بچی، اپنی غیر معمولی حساسیت کی بناء پہ کتنی جلدی اور تیزی سے سمجھداری کے زینے چڑھنے لگی تھی۔

عزیز احمد نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے اندر کی طرف چل پڑے، مگر دل میں ایک بار پھر عہد کیا تھا کہ جہاں آراء کو سمجھائیں گے کہ بچوں میں مساوی سلوک کرنا چاہیے، اگر کوئی سبق یا ہنر سکھانا بھی ہو تو ایک جیسا اور برابری کی سطح بھی سکھانا چاہیے مگر ہر بار کی طرح یہ سوچ بس سوچ تک ہی محدود رہ گئی، حساس دل رکھنے والوں کے ذہن اور دل اپنے اندر زیادہ سے زیادہ علم آگہی اور درد جذب کرنے کی قدرتی صلاحیت رکھتے ہیں، علم تک تو بات ٹھیک ہوتی ہے مگر آگہی اور درد کے موسم ایک بار آ جائیں تو گزرنے نہیں ہیں ٹھہر سے جاتے ہیں، بہت اندر کہیں ہمیشہ کے لئے۔

☆☆☆

عزیز احمد اور جہاں آراء کی تین بیٹیاں تھیں، سب سے بڑی اور لاڈلی ثانیہ شادی کے پانچ سالوں کے بعد بہت منتوں اور مرادوں سے ہوئی تھی، پہلی پہلی اولاد ویسے ہی ہر لحاظ سے بہت خاص اور عزیز ہوتی ہے، پہلی بار ماں باپ بننے کا تجربہ بہت انوکھا اور دلچسپ ہوتا ہے، یہ احساسات اور جذبات کیا ہوتے ہیں، ان کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے، اسی لئے پہلا بچہ ماں باپ کی غیر معمولی توجہ اور پیار لیتا ہے اور پہلا بچہ ہی اپنے ماں باپ کا استاد ہوتا ہے، وہ اپنے ماں باپ کو وہ سب سکھاتا اور بتاتا ہے جو باقی بچوں کی تربیت اور پرورش میں بہت کام آتا ہے، ثانیہ نے تین سال والدین کے ساتھ ساتھ اپنے قریبی رشتہ داروں کے دلوں پہ بھی مکمل راج کیا، پھر اس راج کو بانٹنے کے لئے رابعہ آ گئی، اس بار جہاں آراء کو لاشعوری طور پہ بیٹے کی امید تھی مگر رابعہ کو دیکھ کر وہ امید نا امیدی میں بدل گئی، مگر عزیز احمد بہت خوش تھے، جہاں آراء کے اطمینان کے لئے یہ کافی تھا۔

رابعہ کی آمد، ثانیہ کے لئے بھی ہرگز خوشگوار ثابت نہیں ہوئی تھی، وہ ضد اور حسد میں بلاوجہ ہی زور زور سے رونا شروع کر دیتی، بات بات پہ ضد کرتی، جہاں آراء جو ایک بار پھر تکمیل کے مرحلے سے گزر رہی تھیں اور اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے بہت بےزار اور چڑچڑی رہتی تھیں، اکثر جھنجھلا کر رہ جاتی تھیں، رابعہ کو گود میں دیکھ کر ثانیہ ضد کرنے لگتی، وہ جانتی تھی کہ والدین کی توجہ کیسے لینی ہے، مجبوراً رابعہ کو کاٹ میں لٹا کر یا ملازمہ کے سپرد کر کے ثانیہ کو دیکھنا پڑتا۔

شومئی قسمت سال بعد ہی کرن ہوئی جو پری میچور بچی تھی، ڈاکٹرز نے اس کی نگہداشت اور دیکھ بھال پر خاص طور پر توجہ دینے کی ہدایت کی تھی دوسری صورت میں اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی، عزیز احمد اور جہاں آراء یہ سنتے ہی پریشان ہو گئے، کمزور اور بیمار سی کرن کو ہتھیلی کا چھالہ بنا لیا، رابعہ بالکل ہی پس منظر میں چلی گئی، ثانیہ شروع سے عزیز احمد کی لاڈلی تھی اور کرن

میں جہاں آراء کی جان اٹکی رہتی تھی، دراصل ثانیہ اور کرن فطرتاً اپنا حق وصول کرنا جانتی تھیں وہ لینے کے وصف سے نوازی لگتیں تھیں اور رابعہ دینے کے، پھر ایسا ہی ہوا، بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی کا سنہرا دور آ گیا، تینوں بہنیں اپنی اپنی فطرت کے مطابق ایک ہی ماحول میں رہتے ہوئے پھر بھی ایک دوسرے سے یکسر جدا نکلیں، شکل وصورت، صلاحیتوں اور قسمت کے معاملے میں بھی تینوں اپنی جگہ الگ الگ اور مضبوط حیثیت رکھتیں تھیں۔

☆☆☆

''رابعہ تم آج لوکل ٹرانسپورٹ سے کالج چلی جاؤ، مجھے آج یونیورسٹی جلدی پہنچنا ہے تقریری مقابلہ (ڈبیٹ کمپٹیشن) ہے۔'' ثانیہ نے ناشتے کی میز پہ چائے کا کپ رکھتے ہوئے اپنے مخصوص اور دبنگ حاکمانہ لہجے میں کہا تو پیپر کی ٹینشن میں مبتلا رابعہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا، جواب امی ابو کو خدا حافظ کہتی باہر نکل گئی تھی، ڈرائیور نے اسے دیکھتے ہی کار کا دروازہ کھول دیا تھا، کرن کا آج چھٹی کرنے کا موڈ تھا اس لئے وہ مزے سے بستر میں گھسی خواب دیکھ رہی تھی۔

رابعہ بی اے فائنل ائیر کی طالبہ تھی اور آج کل اس کے سالانہ امتحانات ہو رہے تھے۔

''مگر میں اکیلی کیسے جاؤں گی؟'' رابعہ نے ناشتے سے ہاتھ روکتے ہوئے پریشانی سے کہا تھا۔

''یہ کون سا اتنا بڑا مسئلہ ہے، آج کل کی لڑکیاں تو عام لوکل ٹرانسپورٹ سے جاتی ہیں۔'' جہاں آراء نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے سرسری سے لہجے میں کہا تھا۔

''مگر امی میں کبھی اکیلی نہیں گئی ہوں۔'' رابعہ نے پریشانی سے ناشتہ ادھورا چھوڑتے ہوئے کہا تھا۔

''رابعہ میں ڈراپ کر دوں گا، جلدی سے ناشتہ ختم کرو۔'' اسی وقت عزیز احمد نے کہا تو رابعہ خوشی سے کھل اٹھی، مگر جہاں آراء کے چہرے پہ ناگواری پھیل گئی تھی۔

''آپ کا آفس دوسرے روٹ پہ ہے اور رابعہ بچی نہیں ہے کہ ساری عمر ہماری انگلی پکڑ کر ہی چلے گی، ثانیہ کو دیکھیں، اکثر مجبوری میں اکیلی یونیورسٹی بھی جاتی ہے اور واپس بھی آ جاتی ہے۔''

جہاں آراء کی ساری نرمی اور محبت کرن کے لئے مختص تھی، رابعہ کو وہ سمجھداری اور بہادری کے وہ سب لیکچر گھول کر پلانا چاہتی تھیں جن کی اب سے بھی کرن یا ثانیہ واقف نہیں تھیں۔

ثانیہ فطرتاً بولڈ اور حاکمیت پسند تھی، کرن سے اس کی کبھی نہیں بنتی تھی کیونکہ کرن بھی تنک مزاج اور نخریلی تھی، سو اس کا سارا رعب ودبدبہ مصلحت شناس رابعہ پہ ہی چلتا تھا، رابعہ کی پسند، دلچسپیاں اور مشاغل دونوں کی نسبت الگ تھے، ثانیہ اور کرن جہاں آراء کی طرح بہت خوبصورت تھیں جبکہ رابعہ خوشکل اور اٹریکٹو تھی، مگر ثانیہ اور کرن کے سامنے وہ نظر نہیں آتی تھی۔

اسی طرح ثانیہ کا شاندار تعلیمی ریکارڈ، تقریری مقابلوں میں پہلا انعام لینا، اسے مزید پراعتماد اور منفرد بناتا تھا، کرن پڑھائی میں واجبی سی تھی مگر اس کی خوبصورتی اس کا پلس پوائنٹ بنتی تھی جبکہ رابعہ پڑھائی میں اچھی تھی اور بچپن سے اسے کہانیاں لکھنے کا شوق تھا جو وقت کے ساتھ بڑھتا گیا، گھر میں نظر انداز ہونے والی رابعہ کالج میگزین کی ایڈیٹر تھی، اردو ڈرامیٹک سوسائٹی کے لئے ڈرامہ بھی لکھ چکی تھی جو بہت پسند کیا گیا تھا، مگر وہ اپنی کامیابی پہ شور نہیں ڈالتی تھی، یا اسے

توجہ اور پیار زبردستی لینے کی عادت نہیں تھی اسی لئے وہ سامنے ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آئی تھی۔

عزیز احمد تو پھر بھی کبھی کبھار اسے فیور دے جاتے تھے مگر جہاں آراء نے ہمیشہ اس کے سامنے دوسروں کو ہی توجہ اور اہمیت دی تھی، اسی وجہ سے ابھی بھی ماں کی بات سن کر رابعہ کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔

کتنی بار ہی اس کے اندر شدت سے یہ خواہش ابھرنے لگتی تھی کہ کبھی ایسا بھی ہو کہ ماں صرف اسے ہی فیور دیں، اس کی بات کو مانیں، ثانیہ اور کرن کو کچھ دیر کے لئے نظر انداز کر دیں، جیسے ہمیشہ سے اسے کرتیں آئیں تھیں، اس کے دل میں تو یہ خواہش کبھی کبھی کے لئے ابھرتی تھی جبکہ وہ نظر انداز ہونا بہت پہلے سے سہہ رہی تھی، کبھی کبھی رابعہ کو لگتا تھا کہ اس کے والدین نے بچے بانٹ لئے ہیں، ثانیہ باپ کی لاڈلی اور چہیتی تھی جبکہ کرن ماں سے زیادہ قریب تھی، یہ نہیں تھا کہ اس سے دونوں پیار نہیں کرتے تھے مگر اسے ہمیشہ صبر، ایثار اور برداشت کے درس دیئے جاتے تھے، اسے توجہ اور پیار تب ملتا تھا جب اکثر اسے ضرورت نہیں رہتی تھی، اسی طرح وقت گزرتا گیا، سب کے دامن میں ان کی قسمت کا لکھا ڈالا کر کسی کو نواز کر، کسی کو ترسا کر۔

☆☆☆

ثانیہ کے ماسٹرز کرتے ہی عزیز احمد کے بہت قریبی دوست اسد اللہ کے بیٹے شجاع کا رشتہ ثانیہ کے لئے آ گیا، دراصل اکثر فیملی گیٹ ٹو گیدر میں ملنے والے ثانیہ اور شجاع میں پسندیدگی کا جذبہ بڑھتے بڑھتے محبت میں بدل گیا، دونوں فیملیز کو پہلے ہی کوئی اعتراض نہیں تھا اور یوں جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا۔

ثانیہ کی شادی اس گھر کی پہلی شادی تھی اس لئے خوب ارمان نکالے گئے، ہر کام بڑھ بڑھ کر کیا گیا، ثانیہ ہمیشہ سے اپنی مرضی کی مالک تھی، شادی کی تیاریوں میں بھی اس نے کسی چیز یا بات پہ کمپرومائز نہیں کیا تھا، شادی بخیر و عافیت انجام پائی، ثانیہ اور شجاع کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی لگ رہی تھی، سب کی زبان پہ دونوں کی جوڑی اور شاندار شادی کی تقریبات کا ذکر کافی عرصہ چلتا رہا۔

رابعہ نے ماس کمیونیکشن میں ایم ایس سی کرنے کے بعد ایک مشہور اخبار جوائن کر لیا تھا، ثانیہ کی شادی کے بعد سے حسین و جمیل کرن کے بہت رشتے آ رہے تھے، ثانیہ کی آؤ بھگت میں کوئی کمی نہ رہ جائے یہ سوچ جہاں آراء بیگم کو بری طرح مصروف رکھتی، رابعہ ہر ممکن جہاں تک ہوتا ماں کی مدد کروا دیتی مگر کرن نے کبھی ماں کی پریشانی کو سمجھنے یا بانٹنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، ثانیہ کے یہاں ننھے معاذ کی آمد ہوئی تو گویا مصروفیت اور توجہ لینے کا ایک اور موقع مل گیا۔

ان دنوں کرن کے لئے جہاں آراء کی چھوٹی بہن نزہت اپنے لاڈلے اور اکلوتے بیٹے احتشام کا رشتہ لے آئیں، چونکہ یہ گھر کی بات ہی تھی اس لئے احتشام کے رشتے کو قبول کر لیا گیا اور شادی دو سال بعد ہونا قرار پائی تا کہ اس دوران رابعہ کی شادی ہو جائے۔

مگر اس سے پہلے ہی احتشام کو کمپنی کی طرف سے کچھ عرصے کے لئے دوبئی جانا تھا اور وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر جانا چاہتا تھا، اسی لئے نزہت نے شادی کی تاریخ مانگ لی تھی، عزیز احمد اور جہاں آراء ابھی سوچ میں ہی تھے کہ رابعہ کے نصیب کے دروازے پہ بھی کسی نے بہت محبت اور مان سے دستک دی تھی۔

☆☆☆

نبیل اسی نیوز پیپر سے منسلک تھا جہاں کچھ عرصہ پہلے رابعہ نے جوائننگ دی تھی، پرکشش اور سادہ مزاج رکھنے والی رابعہ کے لئے نبیل کے دل میں بہت جلد محبت کا جذبہ پروان چڑھنے لگا تھا اور اسے کھو دینے کے خدشے کے تحت نبیل نے اسے پرپوز کیا تو رابعہ حیران رہ گئی، نبیل کی ذہانت اور اچھے اخلاق سے وہ واقف ضرور تھی مگر اس سے زیادہ اس نے کچھ اور نہیں سوچا تھا، مگر جب نبیل اپنی والدہ کو لے کر اس کے گھر آیا تو پہلی بار اس کی دھڑکنوں نے شور مچایا تھا، لائف پارٹنر کے لئے سوچا تو نبیل اس خاکے پہ پورا اترا۔

مگر اصل مسئلہ یہ تھا کہ نبیل کا تعلق مڈل کلاس فیملی سے تھا، والد کا انتقال کے بعد وہ ہی اپنی بیوہ ماں اور بہن بھائیوں کا واحد سہارا تھا، جو ابھی پڑھ رہے تھے، ان کی ذمہ داری ابھی اس کے کندھوں پر تھی، مگر جہاں آراء کو نبیل رابعہ کے لئے بہت موزوں لگا، کچھ سوچ بچار کے بعد اس رشتے کے لئے ہاں کر دی گئی، عزیز احمد اور جہاں آراء اسی سوچ میں تھے کہ رابعہ اور کرن کی شادیاں ایک ساتھ کر دیں گے۔

مگر نبیل نے ایک کورس کے سلسلے میں دو سال کے لئے ملک سے باہر جانا تھا، شادی اس کی واپسی پہ رکھی گئی، رابعہ نبیل کے نام کی انگوٹھی پہن کر اپنی چھوٹی سی دنیا میں پوری طرح مگن اور خوش رہنے لگی تھی، اسی دوران کرن کی شادی کا ہنگامہ اٹھا، اب کی بار بھی دل کھول کر خرچ کیا گیا، ہر چیز بہترین لی گئی، کرن کو بہت دھوم دھام سے رخصت کیا گیا، کرن کی رخصتی کے بعد گھر میں رابعہ ہی رہ گئی، مگر ثانیہ اور کرن کے آنے کا انتظار رہتا، انہیں فون کر کے بلایا جاتا، پھر شادی کے بعد مختلف مسئلے مسائل کو لے کر دونوں ہی آئے روز آئی ہوتیں، کرن کے دوبئی چلے جانے سے اس روٹین میں فرق ضرور پڑا مگر آج کل فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں، دور بیٹھا بندہ بھی نیٹ کی بدولت پاس لگتا ہے۔

مگر کتنی عجیب بات تھی کہ پیار اور توجہ لینے والے رشتے ماں باپ کا دکھ پریشانی تکلیف بانٹنے یا سمجھنے سے قطعی نا آشنا تھے، جہاں آراء اپنی ہر پریشانی، دکھ تکلیف رابعہ سے شیئر کرتیں تھیں اور اگر نہ بھی کرتیں تو رابعہ اپنی حساسیت کی وجہ سے خود ہی سمجھ جاتی تھی، جہاں آراء بھی دل ہی دل میں اس بات کو تسلیم کرتیں تھیں کہ ان کے تینوں بچوں میں رابعہ ہی ایسی ہے جو ان کی غم گسار اور ہمدرد تھی۔

دراصل ہماری زندگی میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے آگے ہم اپنا آپ بہت آرام سے اور کھل کر بیان کر سکتے ہیں، وہ ہمارا کتھارسس ہوتے ہیں، ہمارا وہ کندھا ہوتے ہیں جس پہ سر رکھ کر بہت آرام سے آنسو بہائے جا سکتے ہیں۔

اور رابعہ اپنے والدین کے لئے ایسی ہی تھی، ثانیہ اور کرن کے رخصت ہو جانے کے بعد، رابعہ غیر محسوس طریقے سے اپنے والدین کی تنہائی اور اکیلے پن کی ساتھی بن گئی تھی، باپ کے ساتھ ہر کام میں پیش پیش جیسے وہ ان کا بیٹا ہو اور جہاں آراء کی ہر پریشانی رنج اور دکھ میں اپنے مہربان ہاتھوں اور لفظوں کا مرہم رکھتی حساس دل بیٹی بھی تھی، یہ زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے کہ خوشی کی نسبت دکھ اور درد میں بنے اور بنائے گئے رشتے زیادہ مضبوط اور قریب ہوتے ہیں۔

☆☆☆

”اتنی جلدی مگر یہ کیسے ممکن ہے، ابھی کچھ مہینے پہلے ہی تو کرن کی شادی کر کے فارغ ہوئے ہیں اور پھر سے اتنا خرچ کرنا ممکن نہیں ہے۔“

جہاں آراء نے عزیز احمد کے سامنے اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا، دراصل نبیل کے واپس آتے ہی اس کی ماں نے رخصتی کی تاریخ مانگ لی تھی، نبیل کو ایک بہت اچھے اور مشہور نیوز چینل میں جاب مل گئی تھی۔

''ہوں اب کچھ نہ کچھ کرنا تو پڑے گا ہی، ثانیہ اور کرن کو جس شان سے رخصت کیا ہے رابعہ بھی اسی کی حقدار ہے، میں اپنا ڈیفنس والا پلاٹ بیچ دیتا ہوں۔'' عزیز احمد نے سنجیدگی سے کہا تو جہاں آراء چونک کر رہ گئیں۔

''مگر وہ تو ہمارے بڑھاپے کے لئے آخری جمع پونجی ہے وہ بھی اگر بیچ دی تو۔'' جہاں آراء نے یکدم پریشان ہوتے ہوئے کہا، عزیز احمد کو ریٹائرڈ ہوئے کچھ وقت ہی ہوا تھا، پینشن کے ساتھ ساتھ مین مارکیٹ میں چڑھائی گئیں دکانوں کا کرایہ بھی آ جاتا تھا، جو سیونگ تھی وہ ساری دونوں بیٹیوں کی شادی پہ لگا دی تھی، اگر جہاں آراء اعتدال اور سمجھداری سے کام لیتی تو رابعہ کی شادی بھی بہت آرام سے کی جا سکتی تھی۔

''اللہ مالک ہے بیگم، یہ ہمیں پہلے سوچنا چاہیے تھا، ہمارے مذہب میں اسی لئے بے جا اصراف سے منع کیا گیا ہے۔'' عزیز احمد نے ڈھکے چھپے لفظوں میں انہیں کوتاہی کا احساس دلایا تو وہ سر جھٹک کر رہ گئیں تھیں۔

''آپ کو کیا پتہ آج کل کے لوگوں کی ڈیمانڈ اور نخروں کا۔'' جہاں آراء نے لاپرواہی سے کہا تو عزیز احمد خاموشی سے اخبار کھول کر بیٹھ گئے۔

☆☆☆

مگر ہر بار کی طرح اس بار بھی رابعہ نے اپنے والدین کی پریشانی کو بانٹ لیا تھا، اس نے نبیل کے سامنے سادگی سے شادی کرنے کا مطالبہ رکھا جسے اس نے کھلے دل سے مان لیا اور جب نبیل کی ماں نے بھی یہی بات عزیز احمد سے کہی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گئے، مگر ان کی یقین دہانی اور اصرار پہ بالآخر مان گئے۔

رابعہ کی شادی بھی روایتی رسم و رواجوں مگر سادگی کے ساتھ سرانجام پا گئی، رابعہ اپنی زندگی میں بہت خوش اور مگن تھی، نبیل بہت اچھی اور نفیس طبیعت کا مالک تھا، شادی کے بعد اس کی پروموشن ہو گئی، زندگی معمول کے مطابق چلنے لگی تھی، افرا کی آمد نے ان کی زندگی کو خوبصورت اور مکمل کر دیا تھا۔

☆☆☆

''افرا اور نبیل کے ساتھ تم بھی آ جاؤ رہنے کے لئے، ثانیہ اور کرن بھی آئی ہوئیں ہیں اپنے بچوں کے ساتھ۔'' جہاں آراء نے فون پہ رابعہ سے کہا تھا۔

''نہیں امی، نبیل کچھ بزی ہیں اس ویک اینڈ پہ مگر انشاء اللہ کچھ دنوں تک چکر لگاؤں گی۔'' رابعہ نے سمجھداری سے بات بنائی تھی۔

''پتا نہیں ایسی کون سی مصروفیت ہیں نبیل کی جو ختم ہونے میں نہیں آتیں، سچ ہے کہ شادی کے پانچ سال گزر جانے کے باوجود بھی نبیل ہم میں گھل مل نہیں سکا ہے، جسے شجاع اور احتشام ہیں۔'' جہاں آراء نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یہ بالکل نہیں سوچا تھا کہ رابعہ کے دل پہ کیا گزری ہوگی۔

''خیر افرا کے لئے بہت دل اداس ہے میرا، اسے پیار کرنا میری طرف سے۔'' جہاں آراء نے بات سمیٹتے ہوئے فون بند کر دیا تھا، رابعہ نے گہرے سانس لے کر پاس بیٹھی گڑیا سے کھیلتی تین سالہ افرا کو پیار کیا تھا اور اس کو دیکھتی کسی گہری سوچ میں گم ہو گئی تھی، نبیل کے ساتھ

گزرے پانچ سال ایک حسین خواب کی طرح تھے، نبیل محبت اور عزت کے تمام تقاضوں کو بخوبی نبھانا جانتا تھا اور جواباً رابعہ وفا اور ایثار کے سب رنگوں میں ڈھلی اس کی زندگی کو سجاتی رہی، نند کی شادی اور چھوٹے دیور کے ہائر اسٹڈی کے لئے امریکہ جانے میں رابعہ کے خلوص اور ایثار کا مکمل ہاتھ تھا، ساس کے ساتھ احترام اور عزت کا جو رشتہ اول روز بنا وہ آج تک نبھاتی آئی تھی۔

نبیل سنجیدہ ضرور تھا مگر بہت نرم اور دوستانہ مزاج رکھتا تھا مگر آج بھی سسرال میں وہ کیوں گھل مل نہیں پایا تھا وجہ تھی وہی نظر اندازی، جس کی رابعہ تو عادی تھی مگر نبیل نے بہت خاموشی سے خود کو پیچھے کرلیا تھا۔

شجاع اور احتشام کے لئے ان کا سسرال بعد میں بنا تھا پہلے سے اس گھرانے سے واقف تھے اور ملنا ملانا لگا رہتا تھا، اس لئے وہ کسی بات یا چیز میں حصہ لینا حق سمجھتے تھے، پھر ثانیہ اور کرن بھی توجہ لینا بخوبی جانتی تھیں، رابعہ ایسے سب طریقوں سے لاعلم تھی اسی لئے نبیل کو بھی وہ عزت اور مقام نہیں دلا سکی جس کا وہ حقدار تھا۔

نبیل سیلف میڈ اور خود دار مرد تھا، اس نے تنگ ذہن مردوں کی طرح بیوی کو ملامت کرنے کے بجائے بہت سمجھداری اور طریقے سے منظر عام سے ہٹ گیا اس بات کو رابعہ بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی مگر دل میں مشکور ہونے کے سوا کچھ اور نہیں کر سکتی تھی، یہاں تک تو سب ٹھیک تھا مگر جب افرا اس کی زندگی میں آئی تو رابعہ نے اپنی بیٹی کو اس تکلیف سے بچانے کے لئے میکے جانا ہی بہت کم کر دیا، مگر قدرتی بات تھی کہ افرا اپنی معصومیت اور من موہنی صورت کی وجہ سے سب کی محبت اور توجہ لے لیتی تھی، ثانیہ آپی کے تین نٹ کھٹ اور ضدی بچے بھی آتے بہت اودھم مچاتے تھے یہ ہی حال کرن کی دونوں بیٹیوں کا بھی تھا، اسی لئے افرا خود بخود سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھی، رابعہ جس نے ساری زندگی ہر چیز میں خود کو دونوں بہنوں سے پیچھے دیکھا تھا اور ہمیشہ سمجھوتہ کرتی آئی تھی مگر جب ماں بنی تو اپنی اولاد کے لئے سمجھوتہ کرنا مشکل لگا، اسی لئے اپنے لاشعور میں چھپے خوف کی وجہ سے وہ افرا کو بہت کم کم ننھیال لے کر جاتی تھی، مگر قدرت کی طرف سے ہی ایسا انتظام ہوا کہ اسے مجبوراً کچھ دنوں کے لئے افرا کو اپنے والدین کے پاس چھوڑنا پڑا تھا اور یہ اصرار بھی جہاں آراء بیگم نے کیا تھا، نبیل اور رابعہ کو عمرہ پہ جانے کی سعادت مل رہی تھی مگر افرا کو ساتھ لے جانے میں کچھ مسائل تھے اس لئے اسے یہاں چھوڑنا پڑا۔

نبیل اور رابعہ عمرے کے لئے سعودی عرب روانہ ہوئے تو جانے سے پہلے جہاں آراء بیگم کے بے حد اصرار پر افرا کو ان کے پاس چھوڑ گئے، کیونکہ نبیل کی ماں خود بوڑھی اور بیمار رہتی تھیں، وہ پندرہ دنوں کے لئے اپنی بہن کے گھر رہنے کے لئے چلی گئیں تھیں، نند شادی شدہ اور دوسرے شہر میں رہائش پذیر تھی جبکہ دیور ملک سے باہر تھا۔

جانے سے ایک رات پہلے رابعہ، نبیل اور افرا کو لے کر عزیز احمد کے گھر آئے، صبح چار بجے کی فلائٹ تھی ان کی۔

نبیل اور عزیز احمد لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، جبکہ رابعہ افرا کے ساتھ کمرے میں بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی، جب جہاں آراء اس کے پاس آئیں۔

''ساری تیاری مکمل ہوگئی ہے تمہاری؟''

جہاں آراء نے ان دونوں کے پاس بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے پاؤں بھی اوپر رکھ لئے تھے اور اپنے

ہاتھوں سے آہستہ آہستہ پاؤں دبانے لگیں۔
''جی امی! سب تیاری مکمل ہے، آپ بہت تھک گئی ہیں ناں۔'' رابعہ نے ہمدردی سے ماں کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، آج ثانیہ اور کرن اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ آئیں ہوئیں تھیں اور کچھ دیر پہلے ہی واپس گئیں تھیں۔
''ہاں اب اس عمر میں اتنی بھاگ دوڑ نہیں ہوتی ہے۔'' جہاں آراء نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔
''اوہو امی پھر تو میں زیادتی کر رہی ہوں افرا کو آپ کے پاس چھوڑ کر، آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی اور یہ آپ کو تنگ کرے گی۔'' رابعہ نے ماں کی تکلیف پہ بے چین ہوتے ہوئے کہا تو جہاں آراء اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئیں، اتنی ہمدردی اور فکر کبھی ثانیہ یا کرن نے نہیں کی تھی، وہ نرمی سے مسکرا دیں اور پیار سے افرا کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں تھیں۔
''تمہیں اتنی بڑی سعادت مل رہی ہے فضول کی باتیں مت سوچو اور ویسے بھی سچ پوچھو تو افرا میرے سب نواسی نواسوں میں بہت سمجھدار، معصوم اور صابر بچی ہے، بالکل اپنی ماں کی طرح۔'' جہاں آراء کے کہنے پہ رابعہ نے حیرت سے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا، تو جہاں آراء اس کی حیرانی سمجھ کر مسکرا دی تھیں، پھر اثبات میں سر ہلا کر بولیں تھیں۔
''ہاں رابعہ، مجھے بہت اچھی طرح اندازہ ہے کہ میں نے ہمیشہ تمہیں بہت سی جگہوں اور موقعوں پہ نظر انداز کیا ہے باوجود اس کے کہ تم نے کبھی مجھے بے جا تنگ نہیں کیا تھا، ضد نہیں کی تھی، بلکہ میری پریشانی کا خیال کر کے تم خود بخود اپنی ضد چھوڑ دیتی تھی، میں اکثر تمہاری سمجھداری اور صبر پہ حیران ہوتی تھی مگر کبھی کچھ کر نہیں پائی

تھی، شاید یہ دنیا کا اصول ہے کہ جو دبتا ہوا سے دنیا اور دباتی ہے۔'' جہاں آراء نے دھیرے سے کہا تو رابعہ چند لمحے تک ماں کے چہرے کو دیکھتی رہی، ماں کو اس سے محبت تو ہمیشہ سے تھی مگر ماں نے اس کے حصے کی محبت اور توجہ اسے نہیں دی تھی بلکہ باقی بچوں میں بانٹ دی تھی اور ایک محبت کے ہوتے ہوئے ایک رشتے کے ہوتے ہوئے بھی اس سے محروم رہنا، کتنا بڑا دکھ اور اذیت ہوتی ہے کہ یہ کوئی تب تک نہیں سمجھ سکتا ہے جب تک وہ خود اس دور کا ذائقہ نہ چکھے۔
''جبکہ امی میرا دل چاہتا تھا کہ میں بھی ثانیہ آپی اور کرن کی طرح آپ سے ضد کروں اور آپ بھی سب کو چھوڑ کر صرف میری باتیں سنیں، صرف مجھے توجہ دیں، امی آپ جانتی ہیں ناں کہ ایک بچے کے لئے ماں اس کائنات میں پہلا تعارف، پہلا رشتہ ہوتی ہے، وہ ماں جو بچے کو ہمیشہ خود میں چھپانے، خود سے لگانے کی کوشش میں لگی رہتی ہے، ماں کا لمس، کیسا جادو ہے، اپنے اندر کتنی تاثیر رکھتا ہے، کیسے ہر دکھ درد کو مٹا دیتا ہے اس جادو کا، اس تاثیر کا، اس مرہم کو کوئی نعم البدل نہیں ہوتا ہے امی اور دنیا کی ساری محبتیں پا کر بھی اس ایک کمی کا ازالہ نہیں ہوتا ہے۔'' رابعہ نے آزردگی سے کہتے ہوئے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا تھا، جہاں آراء اس کے لہجے کی تھکن اور مایوسی پہ گنگ رہ گئیں تھیں، وہ ایسے انکشاف کی زد میں تھیں جہاں ان کی ساری ہستی داؤ پہ لگ چکی تھی، انہوں نے ماں ہونے کا کیسا تاوان لیا تھا اپنی ہی اولاد سے، اگر اب حساب کرنے بیٹھتی تو روح لرز اٹھتی تھی، جبکہ ان کی گود میں سر رکھے، رابعہ اتنے سالوں کے قید آنسو بہا رہی تھی۔
''امی نجانے کیوں محبت کے معاملے میں میرا دل اب حریص ہونے لگا ہے شاید ساری

زندگی خود سے آگے چلنے والے صبر کرنے والے جب ٹوٹتے ہیں تو اس طرح کہ پھر کوئی انہیں یکجا نہیں کر پاتا ہے، امی یقین کریں، صدیوں کا یہ بوجھ یہ تھکن سب سے بڑی اور تکلیف دہ ہوتی ہے کبھی کبھی میرا شدت سے یہ دل چاہتا ہے کہ میرے بچپن میری جوانی میری اس عمر سے سمجھداری، صابر کا ٹیگ اتر جائے اور میں بھی عام بچوں کی طرح ہی ہوتی، ضد کرنے والی، لڑتی، روتی اور اپنی منوا لینے والی۔'' رابعہ کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی کرچیاں تھیں جو جہاں آراء کی سماعتوں کو زخمی کر رہی تھیں ان کے لب بے ساختہ تھرتھرائے تھے۔

''رابعہ!''

''پلیز امی، آج تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی، مجھے یہ محسوس کر لینے دیں کہ اس گود کی نرمی اس کی گرمی کیا ہوتی ہے، ماں کے ہاتھوں کا لمس مجھے اپنے بالوں میں محسوس کر لینے دیں، ماں کے بوسہ کی خوشبو میرے ماتھے پہ ثبت ہونے دیں، پلیز امی میری پیاس بہت بڑھ چکی ہے، اب اور خود سے لڑنے کی ہمت نہیں رہی مجھ میں، آج چاہے کچھ دیر کے لئے ہی سہی مگر آج مجھے یہاں سے ہٹانے والا کوئی نہیں ہے، نہ ثانیہ آپی، نہ کرن اور نہ آپ کی کوئی مجبوری، بس میں ہوں اور آپ ہیں امی، آپ صرف میری امی ہیں ناں، اتنے سالوں سے کبھی اپنا حق نہیں مانگا ہے، آج یہ لمحہ مجھے دے دیں پلیز۔'' رابعہ نے بچوں کی معصومیت سے سوال کیا تو جہاں آراء کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے بالوں اور چہرے پہ گرنے لگے اور انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کا ماتھا چوما تھا، کبھی کبھی ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا ہے اور ہم اپنے بچوں سے ان کا معصوم بچپن چھین لیتے ہیں، جو بچہ بچپن میں جتنا حساس اور سمجھدار ہوتا ہے اسے توجہ اور پیار کی ضرورت بھی اتنی زیادہ ہی ہوتی ہے، جیسے بہت نازک چیزوں کی حفاظت زیادہ کرنی پڑتی ہے بالکل اسی طرح بچوں کی ذہنی تربیت اور نگہداشت کا بھی خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔

اور قربانی اور صبر والدین کا وطیرہ ہونا چاہیے بچوں کی تربیت میں نہ کہ بچوں سے ہی ہر بات اور چیز پہ قربانی مانگ لی جائے جو انہیں اپنی عمر سے آگے لے جا کر کھڑا کر دیتی ہے، ان کے اندر ایسی محرومی اور پیاس جگا دیتی ہے جو پھر دنیا کی کسی چیز سے نہیں بجھتی ہے، بچپن کی محرومیوں کا ازالہ کسی عمر میں بھی نہیں ہونا چاہے ہم کچھ بھی بن جائیں، چاہے کچھ بھی پا لیں، جیسے رابعہ جو بظاہر بہت مضبوط اور متوازن شخصیت کی مالک تھی، جسے زندگی میں کامیابی بھی ملی اور نبیل کی محبت بھی، اولاد کی نعمت بھی، مگر پھر بھی وہ اپنے اندر کی پیاس اور طلب کو نہیں مٹا سکی تھی، دراصل ماں اور باپ کی محبت فطرت میں شامل ہوتی ہے اور اس لئے اس طرف سے کمی، دراصل ذات کو ہی ادھورا بنا دیتا ہے۔

☆☆☆

''دن کتنی جلدی گزر گئے، پرسوں وہ لوگ واپس بھی آ جائیں گے اور افرا کو لے جائیں گے، ہم کتنے اداس اور اکیلے ہو جائیں گے۔'' عزیز احمد نے کھلونوں سے کھیلتی افرا پہ محبت بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا، تو چائے کے کپ میز پہ رکھتی جہاں آراء نرمی سے مسکرا دیں تھیں۔

''ہاں یہ تو ہے، افرا کے ساتھ دن گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا ہے مگر خیر سے اس کے والدین آئیں میں تو رابعہ سے بھی بہت اداس ہو گئیں ہوں وہ دور گئی ہے تو اندازہ ہوا ہے کہ کتنی احساس اور ہمدرد ہے وہ، یہاں تھی تو کبھی فون کر کے بھی

میسجز کر کے بار بار پوچھتی تھی امی دوائی لے لی؟ اپنی شوگر اور بی پی روز چیک کروائیں، زیادہ کام مت کریں تھک جائیں گی، گرمی ہے کچن میں مت جائیں۔'' اس طرح ہدایت دیتی اور فکر کرتی تھی جیسے میں نہیں وہ میری ماں ہو، جہاں آراء نے نم آنکھوں کے ساتھ کہا تو عزیز احمد نے بھی تائید کی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو بیگم، مجھے بھی صبح فجر کے وقت صبح بخیر کے میسجز پھر پوچھنا ابو واک پہ گئے تھے، گاڑی ضرور مکینک کو چیک کرواتے رہا کریں، اپنے کولیسٹرول کا خیال رکھیں کوئی چکنائی والی چیز نہیں کھانی، اچھا اخبار کی وہ خبر؟ نیوز چینل کا وہ ٹاک شو۔'' عزیز احمد نے بھی مسکرا کر حصہ ڈالا تھا۔

''میں نے رابعہ کے کالم پڑھے تھے مجھے اندازہ ہی نہیں تھا میری بیٹی اتنی قابل اور لائق ہے اور لوگ بہت شوق سے اسے پڑھنا چاہتے ہیں۔'' عزیز احمد نے کچھ یاد آنے پہ کہا تھا، شادی کے بعد رابعہ نے جاب تو چھوڑ دی تھی مگر اسی اخبار میں کالم ضرور لکھتی تھی، جو بہت پسند کیے جاتے تھے۔

''ہاں یہ تو ہے، ہمیں کبھی اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔'' جہاں آراء نے بھی دھیمی آواز میں اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا تھا۔

''مگر اب ہم اپنی ساری غلطیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کریں گے۔'' جہاں آراء نے پر عزم لہجے میں کہا تھا تو عزیز احمد سر ہلا کر رہ گئے تھے، مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، اسی رات تیز رفتاری کے باعث پیش آنے والے کار حادثے میں رابعہ اور نبیل کی موقع پہ ہی ڈیتھ ہو گئی، وہ دونوں واپس آئے تو سہی مگر تابوت میں بند ہو کر ایک کہرام تھا جو ہر طرف مچ گیا تھا، ایک قیامت تھی جو آئی اور گزر بھی گئی پیچھے رہ گئے افسوس دکھ اور پچھتاوے۔

☆☆☆

افرا کی ذمہ داری ننھیال نے اٹھالی، کیونکہ ددھیال میں کوئی نہیں تھا جو تین سال کی بچی کو سنبھال سکتا، وقت نے عجیب چال چلی تھی، رابعہ جیسے کبھی اس گھر میں اس کا جائز حق اور پیار نہیں ملا تھا، اسی کی بیٹی افرا کو نانا نانی اور خالاؤں کی محبت اور توجہ سب سے زیادہ ملی، سب اپنی اپنی جگہ پہ دکھ اور پچھتاوے کے احساس کے زیر اثر افرا پہ جان لٹانے لگے، وہ سب کی آنکھ کا تارا اور چہیتی تھی، عزیز احمد اور جہاں آراء کی جان تھی اس میں، اس کے سامنے انہیں کوئی نظر نہیں آتا تھا حتی کہ ثانیہ کرن اور ان کے بچے بھی، جس پہ کبھی کبھی دونوں جھنجھلا سی جاتیں تھیں، مگر پھر کچھ سوچ کر چپ بھی کر جاتیں تھیں ان دونوں نے ساری عمر صرف لیا تھا، اب دینے کی باری آئی تھی۔

افرا کی ہر بات ہر فرمائش کو سر آنکھوں پہ بٹھایا گیا تھا مگر اس کے باوجود وہ بگڑی نہیں تھی، افرا کی سکولنگ سے لے کر زندگی کے ہر میدان میں سب سے آگے اور پیش پیش، جہاں آراء ہوتی تھیں اور اسی وجہ سے آج افرا فائن آرٹ کی دنیا کا روشن اور چمکتا ہوا ستارہ بن کر ابھر رہی تھی۔

☆☆☆

اور افرا کی ہر کامیابی خوشی کے ساتھ جہاں آراء کو ایسا لگتا تھا جیسے وہ رابعہ کے ساتھ کی گئی زیادتی کا کفارہ ادا کر رہی ہیں۔

رابعہ کے ساتھ گزری وہ آخری رات ان کی ساری زندگی پہ بھاری تھی، اس کے لہجے کی حسرت، تڑپ، آج بھی ان کے اندر گونجتی تھی۔

جب جب افرا پیار سے ان کے گلے میں

بازو ڈال کر کہتی تھی کہ ''آپ دنیا کی بیسٹ نانو ہیں۔'' تو جہاں آراء آزردگی سے مسکرا دیتی، مگر ان کے دل میں ہوک اٹھتی تھی کہ کاش رابعہ نے بھی یہ کہا ہوتا کہ آپ دنیا کی بہترین ماں ہیں۔

شاید رابعہ اپنی محبت میں کہہ بھی دیتی مگر ان کا دل، ان کا ضمیر جانتا تھا کہ سچ کیا ہے، وہ کوتاہی کی مرتکب ضرور ہوئیں تھیں مگر جو سبق جو سزا رابعہ کی جدائی کی صورت میں ملا تھا وہ بہت کڑا تھا، زندگی میں موت جیسا تھا۔

جیسا لوگ ملنے ملانے والے افرا کی سب دوستیں حسرت اور رشک بھری نظروں سے عزیز احمد اور جہاں آراء کو دیکھتیں سراہتی تھیں اور تعریفیں کرتیں تھیں۔

اور یہ ستائش یہ تعریف جہاں آراء کو ایک نئے دکھ سے دوچار کر دیتا تھا، وہ پچھلے کتنے سالوں سے احتساب کے کٹہرے میں کھڑی تھیں، احتساب کا تو ایک لمحہ بھی سخت تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے اور انہوں نے پوری عمر اسی میں گزار دی تھی۔

افرا کی ہر خوشی، اس کی مسکراہٹ، اس کی کامیابی، جہاں آراء کی ہر اس زیادتی کا کفارہ تھی جو وہ رابعہ کے ساتھ کرتی رہیں تھیں اور ایسے کفارے ادا کرنا کبھی آسان نہیں ہوتا ہے، سزا سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے ایسا کفارہ جو کسی بھی اپنے بہت پیارے کی جدائی میں ادا کیا جائے۔

جہاں آراء بھی تو اسی درد اسی اذیت سے ہر روز گزرتی تھیں اور اس اذیت اس درد کا مرہم تھی افرا، رابعہ کی افرا، اور ان کے دل کو یہ اطمینان ضرور تھا کہ رابعہ کی روح اپنی بیٹی کو خوش اور مطمئن دیکھ کر شاد رہتی ہو گی اور رابعہ کی خوشی کا تصور اور خیال ہی جہاں آراء کو امید اور خوش کے کئی رنگ دے دیتا تھا، مگر ان کا شیشہ جان پچھتاؤں اور دکھ کے آنسوؤں سے نم ہی رہتا تھا۔

☆☆☆

تحسین اختر

صحن کی دیواروں پر دھوپ اتر آئی تھی، میں نے آج چاول اور ہرے مصالحے کا چکن بنایا تھا اور اب چٹنی بنانے کے لیے صحن میں بنی کیاری سے تازہ پودینہ توڑ رہی تھی جب دروازہ ٹھک ٹھک بجنے لگا تھا، یہ دستک تو بہت جانی پہچانی اور مانوس سی تھی، کچھ دنوں سے دروازے پر ہونے والی یہ دستک دل کا عجب ہی حال کر دیتی تھی، خون جسم کی ہر رگ میں پارے کی طرح دوڑنے لگتا تھا اور ہاتھ پیر بلاوجہ ہی کانپنے لگتے تھے، اس وقت بھی پودینے کا نازک سا پودا جڑ سے ہی اکھاڑ چکی تھی، میں نے کن اکھیوں سے برآمدے میں سلائی کرتی امی جان کی طرف دیکھا تھا، وہ تخت پر سے اتر کر اب دروازے کی طرف جا رہی تھیں۔

''مظاہر بیٹا اندر آ جاؤ۔'' کچھ لمحوں بعد ہی امی جان کی آواز آئی تھی اور پھر وہ جانی پہچانی دستک دینے والا مضبوط چال چلتا ہوا امی کے پیچھے پیچھے برآمدے تک چلا آیا تھا، وہ اب ان

ناولٹ

کے پاس بیٹھا انہیں اپنے آرڈر دے رہا تھا، اس کی اپنی بوتیک تھی اور سلائی کا زیادہ تر کام وہ امی جان سے ہی کرواتا تھا۔

''شجر چائے بنا دینا۔'' میں پسینے میں تر بتر ہتھیلیوں میں مہکتے ہوئے پودینے کے پتے سنبھالے کچن کی طرف جا رہی تھی جب امی جان نے مجھے پکارا تھا، میں سر ہلا کر کچن میں گھس گئی تھی۔

''خالہ جان خوشبو تو بہت اچھی آ رہی ہے آپ مجھے صرف چائے پہ ٹرخا رہی ہیں۔'' اس نے بے تکلفی سے فضا میں کچھ سونگھتے ہوئے کہا تھا۔

''بیٹا کھانا بھی تیار ہے، آج تم بھی ہمارے ساتھ کھاؤ مہمان تو ہر نوالے میں برکت ڈال دیتا

ہے۔''

''مگر میں تو بن بلایا مہمان ہوں۔'' وہ ہنسا تھا، میرے دل کے تار بجنے لگے تھے۔

''مہمان تو مہمان ہوتا ہے، تم ہاتھ دھولو، اتنے میں میری بیٹی کھانا لگا دیتی ہے۔'' امی جان نے اسے کہا تھا اور میں کچن میں کھڑی مسکرائے جا رہی تھی، آج کھانا میں نے اپنی پسند کا اور بہت دل سے بنایا تھا اور اس کا اس کھانے میں شامل ہونا مجھے اپنے دل کی سب سے اہم خوشی کی مانند لگ رہا تھا، میں نے ٹرے سجائی تھی اور کچن سے امی جان کو اشارہ کیا تھا کہ وہ آ کر کھانا لے جائیں۔

اس نے کھانے کی بہت تعریف کی تھی اور پھر وہ چائے پی کر چلا گیا تھا اور میں اب امی جان کے ساتھ ان کے تخت پر بیٹھی کھانا کھاتے ہوئے اس خوشبو کو محسوس کر رہی تھی جو وہ اس برآمدے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

''بہت اچھا لڑکا ہے، آج کل کے دور میں ایسے لڑکے نایاب ہی ہیں، سعادت مندی اور شرافت تو اس پر ختم ہے، اپنے چال چلن سے کسی اچھے خاندان کا پتہ دیتا ہے، اس لئے میں بھی اسے گھر تک لے آتی ہوں، ورنہ تم تو جانتی ہو تمہارے ابو کے بعد اس گھر کی دہلیز پر آج تک کوئی مرد نہیں آیا اسی وجہ سے اس محلے اور اس علاقے میں یہ عزت بنائی ہے، ورنہ دنیا کب کسی کو جینے دیتی ہے۔'' امی جان باتیں کرتے ہوئے اپنی زندگی کے جانے کس موڑ پر پہنچی ہوئی تھیں اور میں کھوئی کھوئی سی ان کی باتیں سن رہی تھی۔

وہ چاندنی کا بدن خوشبوؤں کا سایہ ہے
بہت عزیز ہمیں ہے مگر پرایا ہے
اتر بھی آؤ کبھی آسماں کے زینے سے
تمہیں خدا نے ہمارے لئے بنایا ہے
کہاں سے آئی یہ خوشبو یہ گھر کی خوشبو ہے
اس اجنبی کے اندھیرے میں کون آیا ہے
مہک رہی ہے زمین چاندنی کے پھولوں سے
خدا کسی کی محبت پہ مسکرایا ہے

پھر کھانا کھانے کے اور برتن دھونے کے بعد بھری دوپہر میں بھاری ہوتی آنکھوں تلے دبی اک خواہش کی مانند وہ میرے اردگرد میرے چاروں اور خوشبو بن کر چکراتا رہا تھا، دوپہر بوڑھی ہونے کو تھی اور میں اس جادوگر کے خوابوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

☆☆☆

میرا باپ ایک حسین اور خود پرست شخص تھا، شادی کے پانچ سال جانے انہوں نے میری سادہ سی ماں کے ساتھ کیسے گزارے تھے، پھر اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک نہایت حسین و جمیل عورت سے شادی رچالی تھی اور مجھے میری ماں کی زندگی کا سب سے بڑا تحفہ اور آزمائش بنا کر خود چلتا بنا تھا، اس کے بعد میری ماں کی جدوجہد تھی اور میں تھی۔

شجر احسان، میری ماں نے اپنی جوانی، اپنے خواب، اپنی سنہری زندگی کے سنہرے ماہ و سال بس میرے لئے وقف کر چھوڑے تھے، مجھے اپنی ماں دنیا کی سب عورتوں سے زیادہ حسین لگا کرتی تھی، میں نے ماں کو زیادہ سے زیادہ آرام اور سکھ دینے کی خاطر بی اے کے بعد تعلیم کو خیر آباد کہہ دیا تھا اور اب گھر کا سارا کام سنبھال لیا تھا، وہ بس سلائی کرتی تھیں، کہ اس کے بغیر ہمارا گزارا نہ ہو سکتا تھا۔

شجر احسان ایک عام سی لڑکی تھی، عام سی سوچوں والی، عام سے گھر اور عام سے حالات والی، مگر اک شخص کی چمکتی آنکھوں اور مضبوط لہجے

نے اسے بہت خاص بنا ڈالا تھا، اس کی ماں کی تربیت میں کوئی کھوٹ نہ تھا کہ وہ کسی راہ چلتے پر دل وار آتی، یہاں بات مطاہر حسین پر آن رکی تھی، جو جانے کیسے نقب لگائے ہوئے دل کے مضبوط قلعے کو فتح کرنے چلا آیا تھا، وہ حیران تھی اور ماں سے چھپتی پھرتی تھی کہ کہیں ماں کی جوہر شناس نگاہیں مطاہر حسین کی محبت کا راز نہ پالیں اور وہ محبت کرنے سے پہلے ہی محبت کی مجرم بن جائے۔

پڑوسن خالہ کے گھر پوتا ہوا تھا، وہ مٹھائی کی بھری پلیٹ لئے چلی آئی تھی، امی جان نے منہ میٹھا کرتے ہوئے انہیں ڈھیروں مبارک دی تھی، اور ساتھ ہی برآمدے کے فرش پر وائپر پھیرتی شجر نگاہوں میں آٹھہری تھی، اب تو ان کی خوشی غمی کا ہر سرا بس اسی کی ذات سے جڑا تھا، وہ جلد سے جلد اسے اپنے گھر بار کا کر دینا چاہتی تھیں اور ایسا ہی کوئی لمحہ اب وہ اپنی زندگی میں چاہتی تھیں، بہت سال ہوئے تھے انہیں خوشی کا دامن تھامے ہوئے، جب سے احسان چھوڑ کر گیا تھا تب سے زندگی زندگی نہ رہی تھی، بس مشقت بن کر رہ گئی تھی، اس نے بھی اپنے سب جذبات کہیں مار کر دفن کر دیئے تھے، مگر جب سے شجر جوان ہوئی تھی تب سے وہ اس کے حوالے سے ایک بار پھر خواب دیکھنے لگی تھیں۔

''امی جان منا دیکھنے جائیں گے، مجھے بچے بڑے اچھے لگتے ہیں۔'' وہ وائپر رکھ کر ماں کے پاس چلی آئی تھی۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، ضرور جائیں گے، اب تو مٹھائی بھی کھالی ہے اب تو جانے کا حق بنتا ہے۔'' وہ اس کے شوق کو دیکھ کر بولی تھیں، شجر خوش ہوگئی تھی۔

بارش کے موتی صحن میں کن من بکھرتے تھے اور وہ بچوں کی سی خوشی کے ساتھ پورے صحن میں بارش میں بھیگی پھرتی تھی، امی جان کو جب سے جوڑوں کے درد کا عارضہ لاحق ہوا تھا تب سے وہ اس موسم میں برآمدہ چھوڑ کر اندر کمرے میں گھس جاتی تھیں کہ ٹھنڈی ہوا ان دردوں کو خوب جگاتی تھی۔

''شجر اب بس بھی کرو کیا بچوں جیسا کھیل رچایا ہوا ہے، بارش میں بیمار پڑنے کا ارادہ ہے کیا۔'' وہ اندر بیٹھے بیٹھے ہی آوازیں لگائے جا رہی تھیں مگر وہ شجر ہی کیا جو آج ان کی سن لے۔

''امی کچھ نہیں ہوتا، بس بارش تو رکنے والی ہے۔'' وہ آسمان کی طرف منہ کر کے گول گول گھومنے لگی تھی، بارش کے قطرے دہکتے چہرے پر در نیلم بن بن کر اٹکتے تھے۔ اتنے میں دروازہ زور زور سے بجایا جانے لگا تھا۔

''دیکھنا کون ہے؟'' امی جان کی آواز آئی تھی اور وہ جو دروازے کے قریب ہی تھی اس نے ذرا سا دروازہ وا کر کے پوچھا تھا بلکہ دیکھا تھا کہ بھیگے سراپے کے ساتھ کسی کے سامنے کیا ہوتی اور دروازے پر چھتری تانے وہی مخصوص جان کھڑا تھا پیچھے اس کی گاڑی بھی کھڑی صاف نظر آتی تھی جس کے آنے کا امکان کم از کم اس وقت نہیں تھا۔

''خالہ جان کو بتایئے میں آیا ہوں، دراصل آج ان سے ایک بہت ضروری آرڈر لینا ہے۔'' اس نے اس بھیگے موسم میں آنے کا مدعا بیان کیا تھا، شجر خود دروازے کے پٹ کے پیچھے ہوگئی تھی اور اس کے لئے دروازہ وا کر دیا تھا، اس نے اندر آتے ہوئے بس ایک سرسری سی نظر اسے دیکھا تھا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے برآمدے تک چلا آیا تھا، تب تک عصمت بتول بھی اس کی آواز سن کر کمرے سے نکل آئی تھیں۔

''اندر ہی آ جاؤ بیٹا۔'' وہ اسے اندر لے گئی تھیں اور شجر بھاگ کر واش روم میں گھس گئی تھی کہ یہ حلیہ واقعی قابل اعتراض تھا۔

''خالہ جان آج کچن کیوں ٹھنڈا پڑا ہے، کوئی پکوان تلنے کی خوشبو ہی نہیں آ رہی۔'' شجر نے خالی چائے بنا کر امی جان کو آواز دی اور وہ چائے کا کپ اس کے سامنے رکھنے لگیں تو وہ شرارت سے بولا تھا۔

''آج صاحب زادی بارش میں نہانے کا شغل کرتی رہی ہیں حالانکہ یہ بچوں والے کام ہیں، اس لئے کچن ٹھنڈا پڑا ہے۔''

''امی جان میں پکوڑے تلنے لگی ہوں۔'' وہ کوئی فرمائش کرے اور شجر رد کر دے یہ کہاں لکھا تھا، وہ دروازے پر آ کر بولی تھی۔

''شکریہ مجھے اس وقت جلدی ہے، ورنہ اس موسم میں پکوڑوں سے کون انکار کرتا ہے، پھر کبھی سہی۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوا تھا اور براہ راست اس سے مخاطب ہو کر بولا تھا، بے شک اب امی جان کے اعتماد کی وجہ سے وہ اکثر کام کے سلسلے میں ان کے گھر آتا تھا لیکن وہ بھی اس سے فری نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کے سامنے بھی کم کم ہی آتی تھی، وہ اس کا شکریہ ادا کر کے خوشبو کے جھونکے کی طرح گزرتا چلا گیا تھا۔

''شجر یہ لو سنبھال لو۔'' امی نے اس کی حالت سے بے خبر کچھ نوٹ اسے پکڑائے تھے جو مطاہر امی جان سے آرڈر لے کر انہیں دے کر گیا تھا، شجر نے بے دھیانی میں روپے پکڑ لئے تھے، مگر ان روپوں سے بھی اس دشمن جاں کی مہک آتی تھی، اس گھر کی تو ہر چیز پر مطاہر حسین چھانے لگا تھا، وہ کہاں کہاں سے منکر ہوتی اب تو دل کا عجب حال ہونے لگا تھا اس کے جانے کے بہت دیر بعد تک دل بس اسی کے قبضے میں رہتا تھا، اپنے آپ میں واپس ہی نہیں آتا تھا۔

☆☆☆

''ہائے کتنا خوبصورت ہے۔'' شجر گل گوتھنے سے بچے کو بار بار ہاتھ لگا کر بے تحاشا خوشی کا اظہار کر رہی تھی، کمرے میں موجود ساری خواتین اس کی خوشی پر مسکراتے ہوئے اس کے بچپنے کو دیکھے جا رہی تھیں، بچہ واقعی بہت خوبصورت تھا، وہ اور عصمت اس وقت پڑوسن کے گھر پر موجود تھیں انہیں ایک بار پھر مٹھائی کھلائی گئی تھی جبکہ شجر کی ساری توجہ نو مولو کی طرف تھی، اسے یہ روئی جیسا نرم پھول جیسا پیارا بچہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''چلو اب چلیں۔'' عصمت نے کافی دیر بعد اسے گھر چلنے کے لئے کہا تھا، اس کا تو دل ہی نہیں بھر رہا تھا اسے دیکھ دیکھ کر، مگر گھر جانا بھی تو مجبوری تھی، ناچار اسے عصمت کے ساتھ گھر آنا پڑا تھا۔

''مطاہر نہیں آیا کئی دنوں سے، اس کا آرڈر بھی تیار پڑا ہے۔'' جانے کیوں، عصمت آتے ہی سلائی مشین پر جھک گئی تھی ساتھ ہی مطاہر حسین کی کئی دنوں کی غیر حاضری بھی یاد آئی تو بڑبڑانے لگی تھی، اس بڑبڑاہٹ پر پاس بیٹھی شجر کے کان کھڑے ہو گئے تھے، اس نے یہ تو دن انگلیوں پر گنے تھے، دس دن اور نو گھنٹے ہو گئے تھے اس کو دیکھے ہوئے، دل آج کل یونہی اداس اور ویران سا نہیں رہتا تھا۔

''خیر ہو سہی۔'' دل میں اس کے نام کے ساتھ ہر بار دوسرا خیال یہی آتا تھا، دوپہر ڈھلنے کو تھی جب اماں صغریٰ ہانپتی کانپتی ان کے گھر میں داخل ہوئی تھی، عصمت نے تو دونوں ہاتھوں سے اس کا استقبال کیا تھا، پہلے اماں کو ٹھنڈی ٹھار بوتل پلائی گئی تھی پھر عصمت نے اچھی سی چائے اور

ساتھ کھانے پینے کی چیزوں کا آرڈر شجر کو دے دیا تھا، شجر کو اماں صغریٰ کی آمد کچھ خاص نہ بھائی تھی وہ جلتے کلستے چائے بنانے چلی گئی تھی، تب تک اماں صغریٰ اپنے تھیلے سے چار پانچ تصویریں نکال کر عصمت کو تھما چکی تھی اور اب وہ ایک ایک بندے کی تعریفوں میں زمین آسمان ایک کر رہی تھی، یہ فلاں یہ ڈھمکاں یہ ایسا یہ ویسا، کچن میں چائے بناتی شجر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان تصویروں کو عصمت کے ہاتھ سے لے کر چولہے میں جھونک دے۔

''امی جان کی قریب کی نظر جانے کیوں کمزور ہوگئی ہے، ہر وقت پاس آنے والا اتنا لمبا چوڑا خوب سیرت اور خوب صورت مطاہر حسین جانے کیوں ماں کو نظر نہیں آتا، جو اماں صغریٰ کو الٹے سیدھے رشتے ڈھونڈنے لگا دیا ہے۔''

''شجر چائے بن گئی ہے تو لے آؤ۔'' وہ گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی جب امی جان کی آواز اسے ہوش کی دنیا میں لے آئی تھی، اس نے چائے کپوں میں نکالی تھی اور ٹرے میں بسکٹ اور چائے رکھ کر باہر لے آئی تھی۔

''ماشاء اللہ چاند اور سورج کی جوڑی بنے گی، وہ تو کہتا ہے اپنی شجر کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھے گا۔'' جانے اماں صغریٰ اس کے ساتھ کس کو جوڑے جا رہی تھیں وہ منہ پھیر کر اپنے کمرے میں گھس گئی تھی اور پھر تب تک گھسی رہی تھی جب تک وہ رخصت نہیں ہوگئی تھیں۔

عصمت بتول عشاء کی نماز پڑھتے ہی بستر پہ لیٹ جاتی تھی سارا دن سلائی مشین چلا چلا کر کمر اور بازو تختہ بن جاتے تھے اس لئے رات ہوتے ہی نیم جاں جسم بستر کی خواہش کرنے لگتا تھا، شجر جب تک چھوٹے موٹے کام سمیٹ کر فارغ ہوتی تب تک عصمت بتول نیند کی وادی میں کھو چکی ہوتی تھی مگر آج وہ کمرے میں آئی تو وہ نہ صرف جاگ رہی تھی بلکہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''ادھر آجاؤ میرے پاس۔'' وہ اپنے بستر پہ جانے لگی تو عصمت نے اپنی چارپائی پر اس کے لئے جگہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا بات ہے امی جان آپ کو آج نیند کیوں نہیں آرہی، لگتا ہے بہت تھک گئی ہیں، لائیں میں آپ کو دبا دوں۔'' وہ ان کے پیروں کی طرف آبیٹھی تھی اور ماں کے پاؤں اپنی گود میں رکھ کر نرم ہاتھوں سے دبانے لگی تھی، سکون کی اک لہر پاؤں سے ہوتی ہوئی عصمت کے دماغ تک چلی گئی تھی اس نے بے اختیار ہی دل میں شجر کو ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا۔

''تھکاوٹ تو اتنی نہیں ہے میں تو تم سے ایک بات کرنے کے لئے جاگ رہی تھی۔'' کچھ دیر بعد اس نے کہا تھا۔

''کہیے امی جان کون سی بات؟''

''آج اماں صغریٰ جو رشتے لائی تھیں ان میں ایک رشتہ تو بہت ہی اچھا ہے، لڑکا ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے کسی کمپنی میں اچھی جاب پہ لگا ہوا ہے، اپنا گھر ہے اور پھر اماں صغریٰ اس کی اچھی عادات کی تعریفیں بھی بہت کر رہی تھیں، تصویر بھی مجھے دے گئی ہیں ماشاء اللہ شکل بھی بہت اچھی ہے، لو یہ تم بھی دیکھ لو (بات کرتے کرتے انہوں نے ایک تصویر نکال کر اس کے سامنے رکھ دی تھی) میں چاہتی ہوں آج کل میں انہیں گھر بلا لیں۔'' وہ سوالیہ نظروں سے شجر کو دیکھنے لگی تھیں، شجر کے ہاتھ ماں کے پیروں پہ ساکت ہو گئے تھے اس نے اس تصویر کو دیکھنا تو کجا اسے ہاتھ تک لگانا گوارا نہ کیا تھا۔

''امی جان مجھے کسی کے ساتھ شادی نہیں

کرنی۔'' وہ بڑے نپے تلے لہجے میں بولی تھی۔
''پگلی شادی تو ایک دن کرنی پڑے گی، کیا ساری عمر ایسے ہی بیٹھی رہو گی۔'' عصمت کا خیال تھا وہ ماں کی تنہائی کے خیال سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔
''امی جان وہ......'' وہ انگلیوں مروڑنے لگی تھی، دل کی ہلچل مچا رہی تھی باہر آنے کو، بس اس کے نزدیک یہی وقت تھا جب وہ اپنے دل کی بات ماں کو بتا سکتی تھی، مگر بتانے کے بعد کیا طوفان آتا وہ اس کو بھی سوچ کر چپ تھی۔
''بول چکو کیا بات ہے، میں تمہاری ماں ہوں اور ماں تو بیٹی کی سہیلی ہوتی ہے، مجھے نہ بتاؤ گی تو اور کسے بتاؤ گی، شاباش بول دو جو تمہارے دل میں ہے۔'' انہوں نے اسے اکسایا تھا اور تسلی بھی دی تھی۔
''امی جان آپ ناراض ہو جائیں گی۔''
''ناراض ہونے والی بات ہوئی تو ناراض ہوں گی نا، ایسے تو میرا دماغ نہیں خراب، بس کہہ دو جو تمہارے دل میں ہے۔''
''امی جان میں مطاہر حسین سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے رٹے ہوئے سبق کی طرح دل کا مدعا ماں تک پہنچا دیا تھا۔
''کیا؟'' عصمت نے بے اختیار اپنے پاؤں اس کے ہاتھوں کے نیچے سے سمیٹے تھے اور حیرانی سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔
''مطاہر حسین۔'' ایک ہی شخص پر انہوں نے اعتبار کیا تھا اور گھر تک آنے دیا تھا اور ان کی بیٹی اس پر نثار ہو گئی تھی، بات تو حیرانی بلکہ پریشانی والی تھی۔
''میں اس کے سوا کسی اور سے شادی نہیں کروں گی۔'' بات کہاں تک جا پہنچی تھی اور وہ بے خبر رہی تھی۔

''کیا اس کی بھی خواہش ہے۔'' وہ دیکھنا یہ چاہتی تھیں کہ جس پر اعتبار کیا ہے اس نے اس اعتبار کو کتنا ٹھیس پہنچائی ہے۔
''نہیں، اس نے تو میرے ساتھ کبھی بات بھی نہیں کی، کبھی مجھے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، اس کے تو فرشتوں کو بھی میری اس خواہش کا نہیں پتہ۔'' شجر نے جلدی سے اس کی صفائی دی تھی اور بات بھی سچ تھی آج تک مطاہر حسین نے اس کو نظر بھر کر دیکھا تک نہیں تھا، عصمت کے دل سے اطمینان کی اک سانس خارج ہوئی تھی، گویا اس شخص نے اس اعتبار کو ٹھیس نہیں پہنچائی تھی، یہ تو شجر ہی تھی جو اس آتے جاتے بندے کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔
''جاؤ اب سو جاؤ جا کر، رات بہت ہو گئی ہے۔'' عصمت نے کروٹ لے کر منہ پھیر لیا تھا۔
''امی جان آپ ناراض ہو گئی ہیں مجھ سے۔'' وہ ان کی پشت پہ کھڑی تشویش میں مبتلا تھی۔
''جاؤ سو جاؤ جا کر صبح بات کریں گے۔'' عصمت نے اپنی بات دہرائی تھی وہ مرے مرے قدموں سے اپنے بستر کی طرف آ گئی تھی۔

☆☆☆

صبح اس گھر میں بہت خاموشی سے طلوع ہوئی تھی، شجر کچن میں ناشتہ بنانے لگی تھی اور عصمت بتول مشین پہ جا بیٹھی تھیں، خاموشی اور سناٹا چاروں طرف رقص کر رہا تھا، پہلے دونوں ماں بیٹی باتیں کرتے رہتی تھیں، شجر کو تو چپ رہنا نہیں آتا تھا، جب وہ بات نہ کر رہی ہوتی تو کسی نہ کسی مشہور دھن کو گنگنا رہی ہوتی اور اس گنگناہٹ سے سارا گھر گونجتا رہتا، اسے گانے کا شوق تھا اور کچھ آواز بھی اچھی تھی، وہ گنگناتی رہتی

اور عصمت بتول اس کے گانے سنتی رہتیں، مگر آج دونوں کے لب خاموش تھے، وہ دل کی بات کہہ کر چور بنی ہوئی تھی اور عصمت یہ بات سن کر تشویش میں مبتلا تھی۔

''آج کیا پکانا ہے دوپہر میں؟'' ناشتے کے برتن سمیٹتے ہوئے اس نے صبح سے اب تک کا پہلا جملہ بولا تھا۔

''جو دل چاہے پکالو۔''

''آپ بتائیں۔''

''گوبھی کا پھول پڑا ہے فریج میں وہ پکا لو۔''

''آلو ڈالوں یا اس میں چکن۔'' وہ بات سے بات نکالنے کی خاطر بولتی جارہی تھی۔

''پہلے بھی تم نے آلو کے ساتھ گوبھی کھائی ہے، ہمیشہ چکن ہی ڈالتی ہو آج بھی وہی ڈال لو۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا تھا، وہ سر ہلا کر ایک بار پھر کچن میں گھس گئی تھی، عصمت کو آج ایک ضروری فون کرنا تھا وہ مشین سے اٹھ کر کمرے میں آگئی تھیں، یہ نمبر ان کے موبائل میں محفوظ ضرور تھا مگر آج تک اسے ڈائل کرنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی، آج کچھ انہونی تو ضرور تھی جسے یہ پہلی کال کی گئی تھی وہ بھی یقیناً حیرت کے سمندر میں ہوگا کہ آج کیا خاص ہوا جو اسے بلایا گیا ہے۔

دن کے گیارہ بجنے والے تھے جب دروازے پر دستک ہوئی تھی، عصمت بتول تو اس کا صبح سے ہی انتظار کر رہی تھیں جبکہ شجر نے چونک کر اس دستک کو سنا تھا، دل کی دھڑکن ایک بار پھر بڑھتی چلی گئی تھی، جب تک اس نے خود کو سنبھالا تب تک وہ عصمت کے پاس برآمدے میں آکر بیٹھ چکا تھا۔

''خالہ جان خیریت تو ہے نا، آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔'' یہ گمبھیر آواز اندر کمرے میں بیٹھی شجر بخوبی سن سکتی تھی۔

''ہاں پریشان ہوں اور بیٹا اس کی وجہ تم ہو۔'' عصمت نے اسے بات کرنے کے لئے ہی بلایا تھا اس لئے کسی نہ کسی طرح یہ بات تو چھیڑنا تھی۔

''میری وجہ سے، میں نے ایسا کیا کر دیا۔'' وہ حیران ہوتے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔

''میری بیٹی ہے نا شجر، وہ تم سے شادی کرنا چاہتی ہے، بیٹا میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور نہ ہی آج سے پہلے یہ کبھی میری خواہش تھی، مگر میری بیٹی نے اس خواہش سے کب دامن بھر لیا مجھے نہیں پتہ چلا، کل ایک پرپوزل میں نے اس کے سامنے رکھا تو اس نے تمہارا نام لے دیا، مجھے اپنی بیٹی سے بھی یہ امید نہیں تھی مگر خیر یہ الگ کہانی ہے، آج میں تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تمہارے بارے میں تمہاری رائے جانوں اور اپنی بیٹی کے بارے میں بھی، مجھے صاف صاف بتانا۔'' عصمت نے دوٹوک لہجے میں ساری بات مطاہر کے گوش گزار کر دی تھی، مطاہر تو یہ کہانی سن کر ششدر رہ گیا تھا، اس گھر میں آتے جاتے کالی آنکھوں اور سنہری رنگت والی اک لڑکی یاد میں تو تھی مگر اس طرح نہیں جیسا عصمت بتول کہہ رہی تھیں، اس نے تو کبھی اس کو نظر اٹھا کر دیکھا تک نہیں تھا پھر وہ اس کی محبت کب دل میں بسا چکی وہ بے خبری میں رہ گیا تھا۔

''خالہ جان میں اپنے بارے میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا، بالکل صاف صاف بتاؤں گا۔''

''مجھے تم سے امید بھی یہی ہے۔'' وہ بولی تھیں۔

''میں شادی شدہ ہوں اور میرے دو بچے

ہیں۔'' مطاہر حسین کی پہلی بات ہی دھماکہ تھی جس نے اندر بیٹھی شجر احسان کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔

''لیکن بدقسمتی سے میری بیوی مجھے داغ مفارقت دے چکی ہے، دوسرے بچے کی پیدائش پر وہ جان سے گزر گئی اور مجھے اور میرے بچوں کو ہمیشہ کے لئے تنہا کر گئی، اب میں ہوں میرے بچے ہیں اور میری والدہ، جو ان کو سنبھالتی ہیں، بس یہی میری کہانی ہے، آپ اپنی بیٹی سے کہیے گا یہ راہ جس پر وہ قدم رکھنا چاہتی ہے یہ راہ اس کے لئے نہیں ہے، وہ ابھی سے اپنے قدم واپس موڑ لے، میں اس کی اچھی زندگی کے لئے دعا کروں گا۔'' وہ اپنی کہانی کہہ کر اٹھ کر چلا گیا تھا اور خالی برآمدے میں ان باتوں کی بازگشت چھوڑ گیا تھا، شجر کے آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ کر جھر جھر بہنے لگے تھے، وہ محبت جو ابھی پوری طرح پروان بھی نہیں چڑھی تھی کیسے ٹوٹ کر بکھر گئی تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مطاہر حسین شادی شدہ ہو گا، محبت کب یہ سب سوچتی ہے، وہ تو بس ہو جاتی ہے، اسے بھی ایسے ہی ہو گئی تھی۔

''سنا تم نے وہ شادی شدہ ہے اور اس کے دو بچے ہیں۔'' عصمت بتول اٹھ کر اندر آئی تھیں اور اسے بتانے لگی تھیں، شجر روتی جاتی تھی اور بس روتی جاتی تھی، ایک بار تو عصمت کے دل کو بھی کچھ ہوا تھا، لاڈلی اور اکلوتی بیٹی جسے انہوں نے ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا تھا، جس کی ہر خواہش اس کے کہنے سے پہلے پوری کی تھی، خود دن رات مشین چلائی تھی مگر اس کی کوئی طلب ادھوری نہیں رہنے دی تھی اور آج وہی بیٹی اک خواہش اک محبت کے پیچھے زاروقطار روتی تھی مگر عصمت کچھ کر نہ سکتی تھی۔

''مگر اس کی بیوی تو فوت ہو چکی ہے نا، تب تو وہ مجھ سے شادی کر سکتا ہے۔'' عصمت مشین چلا رہی تھی، وہ رو رو کر تھک گئی تو اک فیصلے پر آ پہنچی تھی، اس نے پاس آ کر کہا تھا، مشین کا پہیہ ایک دم رک گیا تھا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم۔'' عصمت کو لگا تھا شجر پاگل ہو چکی ہے۔

''وہی جو آپ نے سنا۔''

''کیا دنیا میں ایک مطاہر حسین ہی رہ گیا ہے۔''

''ہاں میرے لئے وہ دنیا میں پہلا اور آخری شخص ہے، میرے لئے دنیا بس مطاہر حسین پر ہی ختم جاتی ہے۔''

''تمہارے لئے وہ جو بھی ہو لیکن میں تمہاری شادی وہاں نہیں کر سکتی، ایک شادی شدہ شخص اور دو بچوں کے باپ سے مجھے اپنی بیٹی نہیں بیاہنی۔''

''مگر مجھے اسی سے شادی کرنی ہے، میں نے دن رات بس اسے ہی سوچا ہے، میرے لئے میرا پہلا خواب اور آخری خواہش بس وہی ہے۔'' مطاہر حسین جو اپنا سیل فون برآمدے میں ہی بھول گیا تھا وہ کافی آگے جا کر واپس آیا تھا سیل فون لینے اور اس نے دروازے کے پار کھڑے ہو کر ماں بیٹی کی گفتگو حرف بہ حرف اور لفظ بہ لفظ سنی تھی، شجر احسان اس کی محبت میں اتنا آگے بڑھ چکی تھی وہ اس لڑکی پر حیران تھا اور ایسی طوفانی محبت پر پریشان۔

''اگر وہی انکار کر دے تو پھر۔'' عصمت بتول نے ایک نیا مسئلہ اٹھایا تھا۔

''یہ آپ کا مسئلہ ہے کہ آپ اپنی بیٹی کے لئے اسے کیسے مناتی ہیں۔'' وہ بے خوفی سے کہہ کر اندر کمرے میں گھس گئی تھی۔

اگلے دن سیل فون کا بہانہ تھا جو مطاہر حسین

کو پھر وہیں لے آیا تھا، اس بار عصمت بتول اسے کل سے بھی زیادہ پریشان لگی تھیں۔

''خالہ جان میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں جو آپ کے لئے پریشانی کا باعث بن رہا ہوں۔'' وہ ان کے دونوں ہاتھ تھام کر بولا تھا۔

''بیٹا اس میں تمہاری تو کوئی غلطی نہیں۔''

''لیکن اس پریشانی کی ساری وجہ تو میں ہی ہوں۔''

''وجہ تم نہیں ہو شجر ہے۔''

''خالہ جان آپ مناسب سمجھیں تو میں اسے ایک بار سمجھا کے دیکھوں وہ کیوں آپ کو اتنا پریشان کر رہی ہے۔''

''سمجھا کے دیکھ لو اگر وہ سمجھتی ہے۔'' عصمت نے تو تھک کے ہار مان لی تھی۔

''میں تو تمہیں اتنا بے وقوف نہیں سمجھتا تھا۔'' عصمت کی اجازت پا کر وہ شجر کے کمرے کی طرف بڑھا تھا اور دستک دے کر اندر چلا آیا تھا۔

''میں بے وقوف ہوں بھی نہیں۔'' حالات جو بھی تھے وہ جو بھی کہنے اور منانے آیا تھا شجر کے لئے اتنا ہی بہت تھا آج ساری دعائیں قبول ہوئی تھیں اور وہ اس کے کمرے میں چلا آیا تھا، وہ نظر بھر کر اسے دیکھ تو سکتی تھی وہ نظر بھر کر دیکھ رہی تھی، اس کی خوشبو سے اس کا ویران کمرہ بھر گیا تھا، وہ گھونٹ گھونٹ اس خوشبو کو پی رہی تھی۔

''باتیں تو بے وقوفوں والی ہی ہیں۔'' وہ لڑکی اتنی مضبوطی سے محبت کا قلعہ تعمیر کر کے بیٹھی تھی وہ خود ڈولنے لگا تھا۔

''کسی سے محبت کرنا بے وقوفی کہلاتا ہے کیا؟'' شجر کی آنکھیں مطاہر حسین کی آنکھوں میں ڈھلی تھیں۔

''میں اسے عقلمندی بھی نہیں سمجھتا۔'' اسے ڈولنا نہیں تھا، وہ تو اسے سمجھا بجھا کر عصمت بتول کے سامنے سرخرو ہونے آیا تھا۔

''اور میں اسے بس محبت سمجھتی ہوں۔''

''عروبہ سے مجھے بہت پیار تھا، میں اس کی جگہ کسی کو دینا نہیں چاہتا، پھر تمہاری محبت کیا کرے گی۔''

''مجھے کسی کی جگہ لینے کا شوق بھی نہیں ہے، میں تو بس اپنے دل کی مانتی ہوں اس کے آگے مجبور ہوں، میری محبت میں کوئی فرق نہیں پڑنے والا، خواہ میری شادی آپ سے ہو یا نہ، لیکن یہ تو طے ہے آپ نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔''

''بہت ضدی ہو تم۔'' جس طرح وہ محبت کی عدالت سجائے کھڑی تھی اور مقدمہ لڑ رہی تھی اس کی دلیلیں مطاہر حسین کو بھی اپنی طرف کھینچنے لگی تھیں۔

''پھر آپ مان کیوں نہیں جاتے۔''

''میں چلتا ہوں، خالہ ہی تمہیں سمجھا سکتی ہیں۔'' وہ اس کمرے سے جان چھڑا کر جلدی سے نکل گیا تھا اس کی محبت اسے بھی حصار میں لینے لگی تھی۔

''مجھے اب کوئی نہیں سمجھا سکتا۔'' شجر کی آواز نے برآمدے تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

''وہ نہیں مانتی خالہ۔'' وہ عصمت سے نظریں ملائے بغیر ایک فقرہ بول کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا تھا، اس گھر میں محبت کا ایسا بھی آسیب بستا ہے مطاہر کو پتہ ہوتا تو وہ اس طرف آنے کی غلطی کبھی نہ کرتا۔

☆☆☆

''وہ نہیں مانتی تو تم ہی مان جاؤ مطاہر حسین۔'' وہ اب اس گھر کی طرف نہیں جاتا تھا، آرڈر لینے اور دینے اپنے ملازم کو بھیج دیتا تھا، ایک دن عصمت بتول کی آواز فون کی لائنوں

سے ہوتی ہوئی اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی، وہ بھی کیا کرتیں شجر کی دھمکیوں، بھوک ہڑتالوں اور احتجاج نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ مطاہر حسین کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔

''خالہ جان یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' وہ ساری کہانی سمجھ تو گیا تھا کہ مائیں اولاد کے ہاتھوں کیسے کیسے مجبور ہو جاتی ہیں۔

''بس تم اپنی والدہ کو لے آؤ ہمارے گھر۔''

انہوں نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

وہ ساری بات سمجھ گیا تھا، اگلے دن وہ اپنی والدہ کے ساتھ اسی گھر میں بیٹھا تھا جہاں محبت کا آسیب رہتا تھا، اس کی ماں جی کے لئے تو اتنا ہی بہت تھا کہ وہ دوبارہ اپنا گھر بسانے کے لئے رضا مند تو ہوا، جوان جہان بیٹے کی اجاڑ زندگی انہیں ہر پل رلاتی تھی اور پھر چھوٹے بچوں کو ماں کی محرومی بھی ہمہ وقت ستاتی تھی، جیسے ہی مطاہر نے شجر کا ذکر کیا وہ فوراً اس کے ہاں آنے کے لئے تیار ہو گئی تھیں، یہ الگ بات کہ یہ رشتہ کن بنیادوں پر کس کی ضد پر ہو رہا تھا مطاہر نے اس سے ان کو ناواقف ہی رکھا تھا۔

شجر بہت خوبصورت تھی اور ماں جی کو بھی بے حد پسند آئی تھی، انہوں نے چائے پانی پینے سے پہلے ہی پانچ ہزار کا بڑا سا نوٹ اس کے ہاتھ میں دبا دیا تھا گویا انہوں نے اپنی طرف سے رشتہ پکا کر دیا تھا، شجر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا وہ پیسوں کے ساتھ ساتھ اپنا دل بھی سنبھالتے ہوئے جا کر کمرے میں بند ہو گئی تھی، پیچھے رہ گئی عصمت تو ماں جی سے مل کر اور ان کی باتیں سن کر انہیں پہلی بار شجر کی قسمت پر رشک آیا تھا، بے شک دو بچوں کا باپ ہونے کے علاوہ مطاہر حسین میں بھی کوئی کمی نہ تھی، وہ کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا، مگر مطاہر کی ماں جی نے جس محبت سے یہ رشتہ مانگا تھا اور جتنی عقل مند وہ خاتون تھیں عصمت کو لگا تھا ان کی ساری دعاؤں کو آج منزل مل گئی ہے، مہمان خوشی خوشی رخصت ہوئے تھے بعد میں عصمت نے مہمانوں کی لائی ہوئی مٹھائی پورے محلے میں بانٹی تھی شجر کو وہ چپ چپاتے تو رخصت نہیں کر سکتی تھی آخر دنیا داری کی تمام رسمیں بھی تو نبھانا تھیں۔

☆☆☆

رات کی راہ میں تاروں کی کماں روشن ہے
چاند میں ہے یہ کس کا مکاں روشن ہے
جس کو دیکھو میرے ماتھے کی طرف دیکھے ہے
ورد ہوتا ہے کہاں اور کہاں روشن ہے
یاد جب گھر کی کبھی آتی ہے تو لگتا ہے
رات کی راہ میں شیشے کا مکاں روشن ہے
چاند جس آگ میں جلتا ہے اسی شعلے سے
برف کی وادی میں کہرے کا دھواں روشن ہے
جیسے دریاؤں میں خاموش چراغوں کا سفر
ایسا نس نس میں مرے درد رواں روشن ہے
صبح سے ڈھونڈ رہے تھے کہ کہاں ہے سورج
اب نظر آئے ہو تو سارا جہاں روشن ہے

ٹھیک دو ماہ بعد وہ مطاہر حسین کی زندگی بن کر اس کے سونے گھر کو رونق بخشنے چلی آئی تھی، وہ خوبصورت تھی مگر دلہن بن کر تو کوئی حور ہی لگ رہی تھی وہ جانتی تھی کہ یہ سارا اثر مطاہر حسین کی محبت کا ہے چونکہ اس کا من خوش ہے دل خوش ہے اس لئے اس کا نقش نقش اس خوشی میں سنور گیا ہے، مطاہر اس کے پاس آیا تو اس کے حنائی رو پہلے ہاتھ تھام کر دیر تلک بس اس کی صورت کو ہی دیکھے گیا تھا۔

''تم بہت بہادر ہو۔'' کچھ دیر بعد اس نے کہا تھا، شجر نے مسکارے تلے لرزتی بھاری پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر ذرا سا مسکرا کر نگاہ

پھیر لی تھی۔
''کیا مجھ سے اتنی محبت کرتی ہو؟'' وہ اب تک یقین و بے یقینی میں تھا۔
''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، اب تک تو آپ کو یقین آ جانا چاہیے تھا، آپ سے اتنی محبت نہ کرتی تو کیا آج یہاں ہوتی۔'' ساری شرم ساری حیاء بالائے طاق رکھ کر وہ گویا ہوئی تھی اور مطاہر کا من سیراب پا گیا تھا، ایک مرد کے لئے اپنی ذات کو قابل فخر گرداننے کے لئے اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی کہ اک لڑکی اس کی محبت میں سب کچھ لٹا کر بیٹھی ہے۔
''بچوں سے نہیں ملو گی۔''
''ملوا دیں۔''
''صبح مل لینا ابھی وہ سو رہے ہیں۔'' مطاہر نے کہا تو شجر نے سر ہلا دیا تھا، ویسے بھی اس وقت اپنے اور اس کے بیچ کوئی تیسرا چاہے بھی کب تھا، رات آہستہ آہستہ بھیگتی رہی تھی اور مطاہر حسین نے اپنی محبت جو شجر کی محبت کا دوسرا روپ بن کر سامنے آئی تھی اس پر بے حد و حساب لٹائی تھی۔
''ہر دلہن کی پہلی صبح بہت حسین ہوتی ہے۔'' وہ بھی رات بھر میں پیا من چاہی دلہن بن گئی تھی، اس کی صبح بھی بہت حسین تھی، مطاہر نے اسے پیشانی پر بوسہ دے کر جگایا تھا، پہلے تو وہ اس لمس کو کوئی خواب سمجھی تھی مگر جب یقین آیا کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے تو اس خوشی کو دل سے محسوس کرتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی، تب دو پیارے پیارے بچے بھاگتے ہوئے اندر آئے تھے۔
''آؤ بیٹا ماما سے نہیں ملو گے۔'' اس کو دیکھ کر دونوں بیڈ کے قریب ہی جھجک کر رک گئے تھے، مطاہر نے ان دونوں کو باری باری گود میں اٹھا کر شجر کے پاس بٹھا دیا تھا، وہ بچے تھے پہلی بار اپنی نئی ماما کو دیکھ رہے تھے اس لئے اس کے پاس جانے سے جھجک رہے تھے، یہاں پہل شجر کو ہی کرنا تھی اس نے دونوں کو بازوؤں کے حلقے میں لے کر خوب پیار کیا تھا، وہ دونوں تھے بھی بہت پیارے اور پھر بچے تو شجر کو ویسے بھی بہت اچھے لگتے تھے، نئی ماما کا پیار بھرا لمس پا کر دونوں بے حد خوش ہوئے تھے۔
''چلو بچو ماما کو فریش ہونے دو۔'' وہ دونوں اسے گھیر کر بیٹھ گئے تھے جب مطاہر نے ان سے کہا تھا۔
''نہیں ہم ماما کو کہیں نہیں جانے دیں گے۔'' وہ اس کے ساتھ مزید جڑ کر بیٹھ گئے تھے۔
''یہ اب کہیں نہیں جائیں گی، آپ کے پاس آپ کے ساتھ رہیں گی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔'' مطاہر بیڈ پر بیٹھ کر انہیں گدگدانے لگا تھا، شجر اٹھ کر واش روم کی طرف چلی گئی تھی اور جب وہ کچھ دیر بعد واپس آئی تو مطاہر بیڈ پر چت لیٹا ہوا تھا اور وہ دونوں اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھے ہوئے تھے۔
''چلو جی اب آپ اپنی ماما کے پاس بیٹھیں میں ذرا باہر کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔'' مطاہر اپنے بچوں اور شجر کو زیادہ گھلنے ملنے کا موقع دینا چاہتا تھا تا کہ اس رشتے کے آغاز میں ہی وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں، مطاہر ان دونوں کو شجر کے حوالے کر کے خود باہر نکل گیا تھا پہلے تو وہ دونوں شجر سے جھجکتے ہوئے سر جھکا کر شریفوں کی طرح بیٹھے رہے تھے، شجر کو انہیں دیکھ کر بے ساختہ ہی پیار آئے جا رہا تھا اس نے دونوں کو پاس بلایا تھا اور دونوں کو بازوؤں میں لے کر ان سے باتیں کرنے لگی تھی اس طرح ان کی رہی سہی جھجک بھی جاتی رہی تھی، کچھ دیر ہی گزری تھی کہ وہ شجر سے پوری طرح فری ہو چکے تھے۔

☆☆☆

شام کو قریبی ہال میں ولیمے کا فنکشن تھا اور اس فنکشن کی چھب ہی نرالی تھی کہ دلہن بنی شجر کے دائیں بائیں ابوبکر اور گڑیا بڑی شان سے بیٹھے ہوئے تھے مطاہر کبھی اسٹیج پر جا بیٹھتا تھا اور کبھی مہمانوں سے ہال میں پھرتے ہوئے ملنے لگتا تھا، اس منظر کو دونوں طرف کے دوست رشتہ دار الگ الگ تناظر میں دیکھ رہے تھے، مطاہر کی طرف کے لوگ ابوبکر اور گڑیا کو خوش دیکھ کر بہت خوش تھے وہ شجر کے روپ میں ان کی ماما کا عکس دیکھ رہے تھے، مطاہر کی ماں جی بھی ان کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں جبکہ شجر کی طرف کے لوگ اس منظر کو کچھ زیادہ اعلیٰ ظرفی سے نہیں دیکھ رہے تھے، ولیمے کی دولہن بنی شجر انہیں دو بچوں کی ماں کے روپ میں قطعاً قبول نہ تھی، کچھ بے صبری اور کم ظرف عورتوں نے تو بہانے بہانے سے شجر کے پاس جا کر اس تاسف کا اظہار بھی کیا تھا اور شجر جو پور پور مطاہر کی محبت میں ڈوبی بیٹھی تھی جس نے کل سے ان بچوں کو اپنے بچے ہی سمجھ لیا تھا اس کا دل بھی ایسی باتوں پر ڈانواڈول ہونے لگا تھا اور جب تک ولیمے کا کھانا شروع ہوا تب تک وہ خود کو اس حد تک مظلوم مان چکی تھی کہ جیسے منہ دکھائی میں دو بچوں کا تحفہ ملا تھا اور وہ سب سے بدنصیب تھی، سچ کہا ہے کہ کسی نے انسان اپنی مرضی سے جینا بھی چاہے تو دودھاری تلوار کی مانند دکھتی دنیا اسے جینے نہیں دیتی۔

ولیمہ ختم ہوا مہمان اور یار دوست کھا پی کر اپنے اپنے گھروں کو سدھارے تو شجر کی آنکھیں تب تک کھل چکی تھیں، ابوبکر اور گڑیا آج اس کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھے تھے اور شجر اکتائے ہوئے انداز میں مطاہر کا انتظار کر رہی تھی، اسے یہ دونوں معصوم کباب میں ہڈی کی مانند لگ رہے تھے مطاہر جب اندر آیا تب تک گڑیا اس کے بیڈ پر سو چکی تھی کیونکہ بچے آج بے حد تھکے ہوئے تھے آج وہ ولیمے کے فنکشن کو انہوں نے جی بھر کر انجوائے کیا تھا اور ابوبکر تقریباً سونے کے قریب تھا لیکن ماما آج اتنی پیاری لگ رہی تھیں کہ اس کا جی نہیں بھر رہا تھا انہیں دیکھ دیکھ کر، وہ بمشکل آنکھیں کھولے ماما کو ہی دیکھے جا رہا تھا، مطاہر پہلے گڑیا کو اٹھا کر اس کے کمرے میں لٹا کر آیا تھا اور پھر ابوبکر کے پاس آ بیٹھا تھا۔

''کیوں جگر آپ نے نہیں سونا آج۔'' وہ بیٹے کو پیار کرتے ہوئے بولا تھا۔

''پاپا آج میں ماما کے ساتھ سوؤں گا۔'' اس نے ضدی لہجے میں کہا تھا۔

''بیٹا گڑیا اکیلی سوئے گی کیا؟''

''دادو ہیں نا اس کے پاس، میں تو ماما کے پاس ہی سوؤں گا۔''

''اوکے آپ ماما کے پاس ہی سو جائیں۔'' اس نے تکیہ سیدھا کر کے اسے شجر کے پہلو میں لٹا دیا تھا، ابوبکر چونکہ سونے کے قریب تھا اور بمشکل جاگ رہا تھا اس لئے مطاہر نے سوچا بچے کا دل کیا توڑنا ہاں جب سو جائے گا تب اس کے کمرے میں لٹا آؤں گا اور اتنی سی بات نے شجر کا اچھا خاصا موڈ خراب کر دیا تھا۔

تھکاوٹ سے اس کا بھی برا حال تھا، نیند اسے بھی آ رہی تھی، مگر مطاہر ابھی تک اپنے بچوں کے چونچلوں میں مصروف تھا، اسے جی بھر کر غصہ آیا تھا، ابوبکر اس کی کیفیت سے بے نیاز اس کے ساتھ لیٹا اس کے زرتار سنہری پلو سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا، کچھ دیر بعد وہ سویا تو مطاہر اسے لٹانے اس کے کمرے میں چلا گیا تھا تب تک شجر کی بھی برداشت کی حد ختم ہو چکی تھی وہ اٹھی تھی اور کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی تھی، جب مطاہر کمرے میں واپس آیا تو تب تک وہ ایک سادہ سے سوٹ میں

ڈھلے ہوئے چہرے کے ساتھ سونے کی تیاریوں میں تھی۔

''یہ کیا؟ تم نے چینج کرلیا۔'' مطاہر کو اسے دیکھ کر جھٹکا سا لگا تھا، وہ آج جتنی خوبصورت لگ رہی تھی جس طرح سب لوگ اس کی تعریفیں کر رہے تھے وہ بھی اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا، اس کی تعریف کرنا چاہتا تھا، مگر شجر نے ایسا موقع ہی نہیں آنے دیا تھا۔

''جی مجھے نیند آرہی تھی۔'' وہ سپاٹ سے لہجے میں بولی تھی۔

''کیا بات ہے تھک گئی ہو۔'' مطاہر نے اس کے شانوں سے تھام کر اسے اپنے سامنے کیا تھا۔

''جی۔'' وہ بمشکل بولی تھی۔

''آج تم بہت پیاری لگ رہی تھی میں نے تو ابھی تمہیں جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا۔'' اس کا موڈ ابھی تک خوش گوار اور فریش تھا۔

''آپ کو دیکھنے کی فرصت ہی کب تھی۔'' وہ کہنا نہ چاہتی تھی مگر جانے کیسے لبوں سے نکل گیا تھا، ویسے بھی جس قدر وہ شدت پسند اور انتہا پسند تھی اس کا یہاں تک صبر کرلینا ہی غنیمت تھا۔

''اچھا یہ بات ہے، لیں جناب اب ہمیں فرصت ہی فرصت ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا تھا، آج بڑی مدت بعد کسی نے ایسے گلے شکوے کیے تھے، آج سالوں بعد ان کی ویران زندگی میں تازہ ہوا کا جھونکا آیا تھا جو ان کے ساتھ ساتھ شجر کی نیند بھی اڑا لے گیا تھا، پھر دونوں طرف جذبات تھے، شدت پسندی تھی محبت کی اور گھڑی کی ٹک ٹک کرتی سوئیاں تھیں۔

☆☆☆

سورج چندا جیسی جوڑی ہم دونوں
دن کا راجہ رات کی رانی ہم دونوں
جگمگ جگمگ دنیا کا میلہ جھوٹا
سچا سونا سچی چاندی ہم دونوں
اک دوجے سے مل کر پورے ہوتے ہیں
آدھی آدھی ایک کہانی ہم دونوں
گھر گھر دکھ سکھ کا ایک دیپک جلے بجھے
ہر دیپک میں تیل اور باتی ہم دونوں
دنیا کی یہ مایا کنکر پتھر ہے
آنسو شبنم ہیرا موتی ہم دونوں
چاروں اور سمندر بڑھتی چڑھتا
لہراتی کشتی ہم دونوں
پربت پربت بادل بادل کرن کرن
اجلے پر والے دو پنچھی ہم دونوں
میں دہلیز کا دیپک ہوں آ تیز ہوا
رات گزاریں اپنی اپنی ہم دونوں

دلہناپے کے دن تمام ہوئے تو زندگی مخصوص ڈگر پر آگئی تھی، مطاہر حسین اپنے کاروبار کی دیکھ بھال میں لگ گیا تھا ماں جی اور بچوں کی مکمل ذمہ داری شجر کے ناتواں کندھوں پر آپڑی تھی، جب تک دن رات مطاہر حسین کا ساتھ تھا تب تک دن عید بن کر گزرتا تھا اور رات شب برات بن جاتی تھی، وہ خود ہی بچوں کو دیکھتا اور خود ہی ماں جی کے ساتھ لگا رہتا تھا، ابھی تک اس نے شجر کو اس ذمہ داری سے آزاد ہی رکھا تھا، اس نے بھی اس بے فکری کا کھل کر فائدہ اٹھایا تھا، اپنی مرضی سے سونا مرضی سے جاگنا، مرضی سے کھانا پینا اور پھر سرِ شام بچوں کو لے کر گھومنے پھرنے نکل جانا، خواب تھے کہ آنکھیں دیکھتے دیکھتے تھکتی نہ تھیں، دل تھا کہ مطاہر کی محبت میں لاڈ اٹھواتا گھبراتا نہ تھا مگر جب ذمہ داریاں سر پر آن کھڑی ہوئیں تب شجر کو ہر گھڑی بس یہی محسوس ہونے لگا کہ اس نے اپنی محبت تو پائی ہی ہے ساتھ خود کو ایک بوجھ

تلے دبا لیا ہے، بچے جب ماما ماما کرتے اس کے آگے پیچھے پھرتے تب اس کو محسوس ہوتا کہ وہ کوئی بہت ہی بڑی عمر کی عورت بن گئی ہے، اب وہ اکثر بچوں کو اونچی آواز میں بول دیتی تھی، کبھی دادو پاس نہ ہوتیں تو ڈانٹ بھی دیتی تھی، بچے کم عمر تھے ناسمجھ تھے، رویوں کو سمجھتے نہ تھے ان کے لئے تو اتنا ہی بہت تھا ان کے ساتھ کے بچوں کی طرح گھومنے پھرنے جاتی ہیں، ان کے لئے تو اتنا ہی بہت تھا۔

شجر نے جو چاہا وہ پا لیا تھا جب دامن خوشیوں اور سپنوں سے بھر لیا تب آنکھ کھلی تھی کہ اس نے کیا کیا جب وہ میکے جاتی بچے اس کے ساتھ جاتے، عصمت بتول خوش ہوتیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہتیں تم نے تو جنت کمالی شجر، نیکیوں سے دامن بھر لیا، میں ایسے ہی تم پر ناراض ہوتی تھی، مگر جب سکھیوں سے ملتی محلے دار عورتوں کے پاس جاتی تب سب مطاہر حسین کے بارے میں کم پوچھتیں بچوں کی کھوج میں زیادہ رہتیں، ہمیشہ واپسی پر شجر کے دل میں بہت کچھ بھرا ہوتا اور ہر بار ابوبکر اور گڑیا اسے بوجھ کی مانند لگنے لگتے۔

کچھ خاص نہ ہوا تھا مگر گڑیا بخار میں مبتلا ہو گئی، بخار بھی ایسا چڑھا کہ وہ نڈھال ہو گئی، مطاہر حسین تو بیٹی کی حالت دیکھ کر ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھا تھا، اسے فوراً ہاسپٹل لے جایا گیا اور دو تین گھنٹوں بعد جب ان کی واپسی ہوئی تب تک مطاہر حسین کا دل سو بار ڈوبا اور سو بار ابھرا، بخار تو اتر گیا مگر وہ گڑیا کی پٹی سے لگ کر بیٹھ گیا، ایسے میں شجر کا خوب جی جلتا، اس نے بھی بیماری میں گڑیا کی تیمارداری کی تھی وہ بے سدھ ہو کر ماما ماما پکارے جاتی تھی اور شجر کو مجبوراً اس کے پاس ہی رہنا پڑا تھا مگر جس طرح مطاہر حسین پریشان تھا اس بات نے شجر کو انگاروں پر لٹا رکھا تھا حالانکہ ننھی سی گڑیا اس کے دل کا ٹکڑا تھی وہ باپ تھا اس کی پریشانی تو فطری تھی، وہ بھی شجر کے فرائض کی ادائیگی میں بھی ایک انچ بھی فرق نہ آنے دیتا تھا پھر جانے کیوں گڑیا کے لئے اتنی پریشانی شجر سے برداشت نہ ہو رہی تھی۔

''میں کچھ دن کے لئے امی کے پاس جانا چاہتی ہوں رہنے کے لئے۔'' اگلے دن کیا جانے والا شجر کا مطالبہ غیر مناسب بھی تھا اور بے وقت بھی۔

''کیا کوئی ضروری کام ہے؟'' شادی کے بعد بہت جلدی مطاہر حسین نے محسوس کر لیا تھا کہ شجر نے اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس سے بیاہ تو رچا لیا ہے مگر وہ بچوں کو حقیقی ماں کا پیار دینے میں ناکام رہی ہے، بچوں کی محبت کے بارے میں اس کے دل میں اور انداز میں گرم جوشی نام کو بھی نہ تھی وہ محسوس کر رہا تھا دیکھ رہا تھا مگر خاموش تھا، کبھی وہ سوچتا تھا شجر سے شادی کر کے اس نے ایک غلط فیصلہ کیا ہے، وہ اپنے بچوں کو اچھی ماں نہیں دے سکا، کبھی سوچتا شجر بھی ناتجربہ کار اور کم عمر ہے، کیسے اتنی جلدی کسی اور کے بچوں کو اپنا مان لے اس کے لئے کچھ وقت تو لگتا ہے اور وہ یہ وقت شجر کو دینا چاہتا تھا، بس آج تک وہ انہی متضاد سوچوں کا شکار تھا مگر اس نے اپنی کیفیات کا اظہار کبھی کسی کے سامنے نہیں کیا تھا۔

''نہیں ضروری کام تو کوئی نہیں ہے میں ویسے ہی جانا چاہتی ہوں۔''

''کچھ دن ٹھہر کر چلی جاتی تو زیادہ اچھا تھا، گڑیا کو ابھی تمہاری ضرورت ہے۔''

''مگر میں امی کے لئے اداس ہو رہی ہوں۔'' وہ اپنی بات پر مصر رہی تھی۔

''او کے تم تیاری کرلو میں چھوڑ آتا ہوں۔''
اس نے آج تک شجر پہ اپنی مرضی نہ ٹھونسی تھی۔
''ماما میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔''
گڑیا کو پتہ چلا کہ ماما جارہی ہیں تو اس نے ضد باندھ لی تھی۔
''جانو ابھی تو آپ بیمار ہو، ابھی آپ دادو اور پاپا کے پاس رہنا پھر جب آپ ٹھیک ہو جاؤ گی تب ہم ماما کو لینے جائیں گے۔'' مطاہر نے گڑیا کو سمجھایا تھا۔
''نہیں مجھے ماما کے ساتھ جانا ہے۔'' بیماری نے اس کو عجیب ہی چڑچڑا بنا دیا تھا، شجر نے ایک بار بھی اس کو پیار کر کے نہیں سمجھایا تھا بس بیگ اٹھا کر ٹھس کھڑی رہی تھی، مطاہر نے جس طرح گڑیا کو سمجھایا اور بہلایا تھا وہی جانتا تھا اور پہلی بار اسے شجر پر غصہ آیا تھا، وہ کوئی بھی بات کیے بناء خاموشی سے اسے چھوڑ آیا تھا۔
مطاہر اندر نہیں آیا، عصمت بیٹی کو دیکھ کر کھل اٹھی تھیں، مطاہر ہمیشہ اندر آتا اور چائے پی کر جاتا تھا مگر آج وہ شجر کو دروازے پر ہی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔
''نہیں، شاید انہیں جلدی تھی۔'' وہ بیگ پیروں کے پاس رکھ کر ماں کے تخت پر نیم دراز ہو گئی تھی۔
''ویسے بھی اس وقت انہیں میری نہیں اپنی لاڈلی کی فکر ہو رہی ہے۔'' وہ بڑبڑائی تھی، عصمت بتول اس کی بات سن کر قریب چلی آئی تھیں۔
''کس کی بات کر رہی ہو؟''
''گڑیا کی اور کس کی، وہی تو دونوں ہر وقت باپ کا دم چھلا بنے رہتے ہیں، جان نہیں چھوڑتے۔''
''شجر کیا ہوا ہے، جھگڑا کے آئی ہو کسی سے۔'' عصمت کو اس کے انداز پر فکر سی ہوئی تھی۔
''نہیں میں نے کیا جھگڑنا ہے کسی سے۔''
اس نے عصمت کو ساری بات بتائی تھی کہ کیسے گڑیا بیمار ہوئی اور کیسے مطاہر ہر وقت اس کی پٹی سے لگا رہتا ہے۔
''تمہیں تو بچے بہت پسند تھے، ننھے منے بچوں پر تم جان دیتی تھیں، مطاہر حسین کے بچے بھی بہت پیارے اور معصوم ہیں پھر تم نے ان کے ساتھ بیر کیوں باندھ لیا ہے، وہ بن ماں کے بچے ہیں، مطاہر حسین تمہیں اپنی بیوی بعد میں اور ان کی ماں پہلے بنا کے لے گیا ہے تمہیں تو چاہیے تم اسے بچوں کے معاملے میں ذرا بھی شکایت کا موقع نہ دو ان سے اتنا پیار کرو کہ مطاہر خود بخود تمہارا بن جائے۔'' عصمت نے تسلی سے اس کی ساری بات سنی تھی اسے تو ہر جگہ شجر ہی قصوروار نظر آئی تھی۔
''امی آپ تو ہمیشہ مجھے ہی الزام دیں گی، میرے بھی کچھ ارمان ہیں، کچھ خواب ہیں جن کے پیچھے میں نے زندگی کا اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے، ٹھیک ہے میں نے مطاہر کی خاطر بچوں پر سمجھوتہ کیا مگر کیا اب ضروری ہے کہ مطاہر مجھے بس بچوں کی آیا بنا کے رکھ دے۔''
''ایسا تو مت کہو، تمہیں اس نے ماں کا درجہ دیا ہے، ماں اور آیا میں بہت فرق ہوتا ہے۔'' عصمت اس کی بات پر تڑپ گئی تھیں۔
''جو بھی ہے، جو کچھ وہ کر رہا ہے، وہ میری برداشت سے باہر ہے۔'' وہ تخت پر سے اٹھ کر اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔
''تم اپنا گھر خراب کر دو گی۔'' عصمت بھی اس کے پیچھے دروازے پر آ کھڑی ہوئی تھیں۔
''میرے گھر کو کچھ نہیں ہوتا، میں نے اس شخص کو دل سے باندھا ہے وہ اس مشکل ترین

حصار سے نکل کر تو دکھائے، میرے لئے کھانے کو کچھ لائیں، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ جانے کس زعم میں تھی، عصمت کو اپنی بات سنا کر اس نے بات بدلی تھی یا اسے واقعی بھوک لگی تھی عصمت اس کے انداز میں سے سچائی ڈھونڈتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی تھیں۔

رمضان کی آمد آمد تھی، عصمت اکیلی جان تھی مگر پھر بھی ایک بھرے پرے گھر کی طرح وہ رمضان کی آمد کی تیاری کر رہی تھی، کمروں کی تفصیلی صفائی اس نے اور شجر نے مل کر کی تھی، اب وہ کافی ساری کچی کیریاں لئے بیٹھی تھی، کسی کا مربہ بنتا اور کسی کی چٹنی، اس نے تھوڑا سا اپنے لئے رکھنا تھا باقی سارا کچھ شجر اور بچوں کے لئے بنا رہی تھی۔

''میرا دل کر رہا ہے میں روزے آپ کے پاس ہی رکھوں۔'' وہ نمک مرچ لگا کر کیری کھاتے ہوئے بولی تھی۔

''مطاہر اور آپا کے روزے کون رکھوائے گا، وہ لوگ اب تمہاری ذمہ داری ہیں، مطاہر تمہیں لینے آئے گا تو تمہیں اس کے ساتھ جانا ہی ہوگا۔'' عصمت نے اسے سمجھایا تھا۔

''اور آپ اکیلی رہ جائیں گی۔'' اس نے اب نئی فکر پالی تھی۔

''میں اکیلی کب ہوں، ماشاء اللہ بھرا پرا محلہ ہے، سارا دن کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے، پھر مدرسے کے بچوں کی سحری افطاری کرواؤں گی، مجھے تو رمضان میں ٹائم ہی نہیں ملے گا، دیکھو اندر تمہارا فون بج رہا ہے۔'' عصمت نے باتوں میں اس کی توجہ اندر ہوتی بیل کی طرف دلائی تھی۔

''مطاہر ہی ہوں گے، ابھی کچھ دیر پہلے ان کا فون آیا تھا مگر کٹ گیا تھا۔''

''جاؤ بات کر لو۔'' وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھیں، شجر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''خالہ جان اتنا سارا سامان، آپ نے تو ناحق تکلف کیا۔'' مطاہر شجر کو لینے آیا تھا عصمت نے ڈھیر سارا سامان اس کے حوالے کر دیا تھا۔

''بیٹا ایک تو ہمارے ہاں رواج نہیں کہ بیٹی میکے سے خالی ہاتھ جائے، دوسرا یہ مربے، شربت اور چٹنی تو میں نے خاص طور پر بچوں کے لئے بنائی ہے، تم دیکھنا بازار کے جیم ویم بھول جائیں گے اور ہاں انہیں میرا ڈھیر سارا پیار دینا اور کہنا کہ نانو بہت یاد کر رہی تھیں۔'' عصمت بتول نے محبت سے کہا تھا مطاہر ان کی ڈھیر ساری محبت پر سرشار ہو گیا تھا، شجر کی طرف سے ملی کوفت جو وہ دنوں دل میں لئے پھرا تھا وہ بھی اس محبت کے سامنے ختم ہو گئی تھی، وہ دونوں خوش خوش عصمت کے گھر سے رخصت ہوئے تھے۔

وہ گھر آئی تو بچے ماما ماما کرتے اس سے چمٹ گئے تھے، عصمت نے اسے اچھی طرح سمجھا بجھا کر بھیجا تھا کچھ کچھ ماں کی باتوں کا اثر ابھی تازہ تھا اس لئے بچوں کے والہانہ استقبال پر وہ خوش ہو اٹھی تھی، وہ دونوں کی ماں کی طرف سے سوغاتیں دینے لگی تھی، بچے نانو زندہ باد کے نعرے لگانے لگے تھے، وہ ان کے ساتھ خوشگوار وقت گزار کر اور کچھ دیر ساس کے پاس بیٹھ کر ان کا حال پوچھ کر اپنے کمرے میں آئی تو مطاہر اپنے بستر پر لیٹا اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''بیگم صاحبہ آیئے ہم تو کب سے دیدہ و دل کیے بیٹھے ہیں۔'' اس نے اپنے پاس اس کے لئے جگہ بنائی تھی اور وہ بہکی چال چلتی ہوئی محبوب شوہر کے پاس جا بیٹھی تھی۔

انہی دنوں اس کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی، مطاہر اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا ڈاکٹر نے اسے مسکراتے ہوئے نوید سنائی تھی کہ وہ ماں بننے والی ہے۔

ماں......میرا بچہ۔

میرے وجود کا ٹکڑا۔

میرے اور مطاہر کے پیار کی نشانی۔

میرا اپنا۔

میرے دل کا حصہ۔

راستے بھر وہ اسی خوبصورت احساس میں گھری رہی تھی، مطاہر بھی بہت خوش تھا، اس کے بچوں کا ایک بہن یا ایک اور بھائی آنے والا تھا، وہ خوش کیوں نہ ہوتا، گھر پہنچ کر اس نے سب سے پہلے ماں کو یہ خوش خبری سنائی تھی اور پھر ابوبکر اور گڑیا کو۔

''پاپا سچ۔'' دونوں کو یقین نہ آیا تھا، دونوں ہی چیخ اٹھے تھے۔

''جی پاپا کی جان بالکل سچ۔'' مطاہر نے دونوں کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

''پاپا ہمارا بے بی کب آئے گا۔'' اب ان سے انتظار محال تھا، مطاہر دونوں کو بہلانے لگا تھا اور وہ اس منظر سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی، اس کے لئے تو یہ آنے والا بچہ ہی اس کا تھا، اسے کسی گڑیا کسی ابوبکر کی خوشی کی چاہ تھی نہ فکر، وہ تنہائی میں یا بس اس بچے کے باپ کے ساتھ اپنے بچے کے سپنے بننا چاہتی تھی۔

وہ اپنے آنے والے بچے کے سپنوں میں ایسا کھو گئی تھی کہ اس نے جی بھر کر ابوبکر اور گڑیا کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا، وہ ان سے سخت لہجے میں جب بھی بات کرتی وہ سہم کر اپنے کمرے میں بند ہو جاتے، رفتہ رفتہ وہ اس سے دور ہونے لگے تھے، ابوبکر تو اب مطاہر سے ماما کی شکایت بھی کرنے لگا تھا، مطاہر بچوں کو سمجھا دیتا کہ ماما کی طبیعت خراب ہے اس لئے وہ آپ کو ایسا کہتی ہیں ورنہ تو وہ آپ سے بہت پیار کرتی ہیں، مگر اکیلے میں شجر کی خوب کلاس لیتا، وہ شجر کے ناز نخروں یا ایک اور بچے کی آمد کی خوشی میں اپنے دوسرے بچوں کو تو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، اس سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ شجر نے مطاہر سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا تھا اسے تو بس اپنے بچے کی فکر تھی، اس کی باتیں کرتی تھی، اس کی چاہ تھی، اس کے خواب بنتی تھی اور اس کا ہی انتظار کرتی تھی، مطاہر کے پہلے بچے نظر انداز ہونے لگے تو اسے لگا کہ اس نے شجر سے شادی کر کے نہایت غلط فیصلہ کیا ہے۔

☆☆☆

رمضان المبارک چاند نظر آیا تو فضا پر مقدس نور سا چھا گیا، ہوا کے ہر ذرے کے ساتھ خالق کی مدح سرائی ہونے لگی، دلوں کی دھڑکنیں بس اللہ ہو کرنے لگیں اور سب کچھ بابرکت ساعتوں میں مدغم ہو گیا، مگر شجر مطاہر سے جھگڑ کر اپنے گھر چلی آئی تھی، وہ خود غرض نہیں تھی، مگر یہ رشتہ جانے کیسا تھا وہ خود غرضی دکھانے لگی تھی، اس نے ابوبکر کو ذرا سی بات پر تھپڑ دے مارا تھا مطاہر کی برداشت بھی بس اسی دن ختم ہوئی تھی اس نے شجر کی ٹھیک ٹھاک کلاس لی تھی، شجر نے کب یہ سوچا تھا کہ مطاہر اس حالت میں اس سے جھگڑا کرے، اس نے بیگ اٹھایا تھا اور ٹیکسی کر کے گھر آ گئی تھی۔

عصمت بتول قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں جب وہ بیگ اٹھا کر اندر داخل ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' وہ قرآن پاک پڑھنا بھول گئی تھیں۔

''چھوڑ آئی ہوں اس گھر کو، جہاں میری کوئی قدر نہیں، میرے ہونے والے بچے کے لئے کوئی جگہ نہیں۔'' وہ برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''ایسا مت کہو، وہ شخص تمہیں قدر سے ہی اس گھر لے کر گیا تھا اور وہ سب بہت محبت کرتے ہیں تم سے۔''

''مجھے سب کی محبت نہیں چاہیے، مجھے بس ایک شخص کی محبت چاہیے اور بس، سب کو اپنی محبت میں ایک شخص ہی ملا کرتا ہے میں ہی بدنصیب تھی مجھے پورا خاندان مل گیا جو کہ میں نے مانگا بھی نہیں تھا۔''

''تم بدنصیب نہیں خوش نصیب ہو، سب کو ایک شخص ہی ملا کرتا ہے مگر تم نے کبھی سوچا تمہارا اللہ تم سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے جو تمہیں نیکی کرنے کو بھی ساتھ ملی، محبت بھی ملی اور نیکی کا موقع بھی، اب اپنے ہاتھوں سے تو اس موقع کو مت گنواؤ، تم بانصیب ہو، ہر کوئی بانصیب نہیں ہوتا۔''

''چھوڑ بھی دیں یہ نصیحتیں، مجھے نہیں چاہیے۔'' وہ جا کر اندر لیٹ گئی تھی، وہ کچھ بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

رمضان المبارک کا مہینہ دبے پاؤں گزرتا جا رہا تھا اور دونوں طرف سے مکمل ناراضگی تھی، اب کے مطاہر بھی اس پر شدید ناراض تھا اور وہ تو تھی ہی، ایک عصمت بتول تھی جو لمبی لمبی دعائیں مانگا کرتی تھی اور جو اس ناراضگی کو ختم کرنا چاہتی تھی۔

شجر کی طبیعت کچھ خراب تھی وہ عصمت کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر کے پاس چلی آئی تھی، لیڈی ڈاکٹر کے پاس بہت رش تھا وجہ یہ تھی کہ ایک مریضہ کی حالت بہت خراب تھی اور ڈاکٹر صبح سے اس کے ساتھ مصروف تھی اس لئے دوسرے مریضوں کو لمبا انتظار کرنا پڑ رہا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے اس کے ساتھ؟'' وہ لوگ باہر انتظار میں بیٹھی تھیں، جب اندر سے چیخوں کی آوازیں باہر آنے لگیں تھیں، اس نے ایک نرس کو روک کر پوچھا تھا۔

''چوتھی بار ابارشن ہوا ہے، اس بار ابارشن ہونے کے کوئی چانس نہیں تھے، اس نے بہت علاج کروایا تھا مگر جو اللہ کو منظور۔''

''جو کچھ بندے کرتے ہیں اللہ کو بھی وہی منظور ہوتا ہے، میں تو کہتی ہوں ایسے لوگوں کو دیکھ کر عبرت پکڑنی چاہیے۔'' ایک اور نرس ان کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔

''کس بات کی عبرت؟'' عصمت بتول نے بھی اس گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

''آنٹی یہ اندر جو عورت چوتھی دفعہ اپنا بچہ کھونے پر پاگلوں کی طرح رو اور چلا رہی ہے، اس نے اپنی سوتن کے بچوں کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا، ان کے باپ کو قابو کر کے انہیں گھر سے نکلوا دیا وہ بن ماں کے چھوٹے چھوٹے بچے تیرے میرے گھر میں پل رہے ہیں، ان معصوموں کی آہوں کا اثر دیکھیے اس کی گود ابھی تک خالی ہے، اللہ میاں گود بھرنے سے پہلے یہ خالی کر دیتا ہے اب اس کو چاہیے جا کر ان بچوں سے معافی مانگے پھر شاید اللہ اس کی بھی سن لے۔'' اس نرس نے عصمت بتول کو بتایا تھا اور وہاں موجود ساری عورتیں توبہ کرنے لگی تھیں، شجر کو لگا تھا اس کے سامنے کسی نے آئینہ رکھ دیا ہے۔

''چوتھا بچہ اور چوتھی دفعہ خالی گود، نہیں نہیں میرے اللہ میں اتنا بڑا دکھ نہیں دیکھ سکتی۔'' ان کی واپسی رکشے پر ہوئی تھی اور وہ رکشے میں بیٹھی اللہ کی پکڑ سے ڈر رہی تھی، اس میں اتنا بڑا دکھ

اٹھانے کا حوصلہ نہیں تھا، حوصلہ کسی میں بھی نہیں ہوتا مگر جب آزمائش آتی ہے تو صبر کرنا پڑتا ہے، اپنے شوہر سے اور ان معصوموں سے بھی جن کے خلاف اس نے کبھی اپنے دل میں کدورت پالی تھی، عصمت بتول خاموش تھی وہ جان چکی تھیں کہ ان کی شجر کس محاسبے سے گزر رہی ہے۔

☆☆☆

کوئی بھی موسم ہو
کوئی بھی رت ہو
اپنی تو عادت ہے
تمہیں یاد برابر کرنا
تیری جستجو تیری امید کرنا
تمہارے آنے پہ
خوشی مزید کرنا
اب تو ممکن ہی نہیں
تیرے بغیر عید کرنا

آخری عشرہ چل رہا تھا، مطاہر بچوں کے ساتھ بازار میں تھا اور ان کو عید کی شاپنگ کروا رہا تھا، جب اس کے موبائل پر شجر کی آواز اس کی سماعتوں میں اتری تھی۔

وہ بچوں کو لے کر ایک حال میں آکر بیٹھ گیا تھا، یہ اعتراف تھا یا اپنی غلطیوں کا، یا اعلان تھا محبت کا، وہ تسلی سے بیٹھ کر سننا چاہتا تھا۔

ہو توجہ تمہاری اگر بادشاہ
میرا دل ہو خوشی کا نگر بادشاہ
گفتگو جو تو کرے محبت بھری
عید ہو جائے میری امر بادشاہ

''ہم تمہارے گھر کے قریب ہی ہیں، تھوڑی دیر میں آرہے ہیں۔'' تسلی ہو چکی تھی، بچے اپنی ماما کو بہت مس کر رہے تھے، مطاہر اسے ایک موقع اور دینا چاہتا تھا۔

دستک بے حد مانوس تھی، مگر باتوں کا شور دروازے پر کچھ غیر مانوس سا تھا، اس نے بے تابی سے دروازہ کھولا تو بچے بھاگ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئے تھے، وہ بڑی مشکل سے ان کے برابر بیٹھی تھی مگر انہیں پہلی بار سینے سے لگا کر زارو قطار رو پڑی تھی، جو وجود اس کی کوک میں پل رہا تھا یہ تھے تو وہ تھا، یہ ایک راز تھا اور راز اس پر کھل چکا تھا۔

''ایسے مت بیٹھو۔'' مطاہر کو اس کی مشکل کا اندازہ تھا، اس نے شجر کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا تھا اور اپنے ساتھ لگا لیا تھا، بچے نانو سے ملنے اندر کی طرف دوڑے تھے۔

''شاید کل عید ہو جائے۔'' وہ شرمسار تھی، مطاہر کے کندھے سے لگے اس نے کہا تھا، شرمساری کسی طرح تو مٹانی تھی، باتوں سے ہی سہی۔

''کل، ہماری عید تو آج ہو چکی۔'' مطاہر حسین زیر لب مسکرا رہا تھا۔

''آج کیوں؟'' وہ اس عید کا پس منظر جان گئی تھی نم آنکھوں اور بھاری لہجے میں پھر بھی پوچھنے لگی تھی۔

''عید خوشی کا دوسرا نام ہے، آج خوشی نہیں خوشیاں مل گئی ہیں تو پھر عید بھی آج ہی ہوئی نا۔'' مطاہر نے کہا تھا اور وہ آنکھیں موند کر پرسکون ہو گئی تھی، اندر کمرے میں عصمت دونوں بچوں کو نئے آنے والے مہمان کے چھوٹے چھوٹے کپڑے دکھا رہی تھیں، جو وہ وقتاً فوقتاً سلائی کر کے رکھتی رہی تھیں، دونوں بچے ایک ایک جوڑے کو دیکھ کر خوشی سے چلا رہے تھے، باہر برآمدے میں بیٹھے شجر اور مطاہر کے اندر باہر سکون ہی سکون اترا ہوا تھا، اب کے عید اس گھر اور خاندان کے لئے بہت ساری خوشیاں لے آئی تھی۔

☆☆☆

مبشرہ انصاری

دل...... ٹشو پیپر کی طرح سمجھتے ہیں لوگ اسے، ایک پل کے لئے ساتھ رکھا اور پھر بے دردی سے دھتکار پھینکا زمین پر۔'' وہ اس پھسلتی سڑک سے سینکڑوں بار گزرا تھا مگر آج یہ سڑک اسے بہت عجیب اور اجنبی لگ رہی تھی، وہ سر جھکائے چلتے ہوئے اپنے ہی ہر اٹھنے والے قدم کو کھوئے کھوئے انداز میں دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں خود سے الجھ رہا تھا، زمین پر پڑے ٹشو پیپر کو پاؤں سے اچھال کر وہ آگے بڑھا تھا۔

''اب کیا مقصد ہے میری زندگی کا؟'' وہ گہری سانس لے کر ایک لمحے کو رکا تھا۔

''اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟'' دل میں پیتے آنسوؤں کی نمی آنکھوں میں اتری تو آسمان کی طرف نگاہیں اٹھا کر لمبی سانس کھینچتے ہوئے آنکھوں کی نمی کو اندر دھکیلا اور ٹھوس انداز میں خود سے مخاطب ہوا۔

''زندگی میں دوبارہ پیار جیسی بھیانک غلطی کبھی نہیں کروں گا، کبھی نہیں۔'' اس نے اک سرد

ناولٹ

آہ بھری اور بوجھل قدموں سے ایک بار پھر سے چلنا شروع کر دیا، یوں لگ رہا تھا کہ سڑک خاص اس سفر کے لئے بچھائی گئی ہے جو منزل پر پہنچتے ہی لپیٹ کر صفحہ ہستی سے مٹ جائیگی، اسے لگ رہا تھا کہ کسی بھی پل سب کچھ غائب ہو جائے گا۔

اجل کو اپنے دماغی توازن پر شک ہونے لگا تھا، اس نے انگشت شہادت اور انگوٹھے سے پوٹوں، ماتھے کی جلد کو سہلانا شروع کیا، اپنے اردگرد کے ماحول پر کوشش سے شعوری نگاہ کی، سب کچھ اپنی جگہ تھا، کچھ بھی تو نہ بدلا تھا، آسمان پر چھائی کالی چادر اب ہلکے نیلے رنگ میں بدلنے لگی تھی، اسے احساس ہوا کہ وہ کل رات سے سڑکوں پر مارا مارا پھر رہا تھا۔

پوری رات بیت چکی تھی، تھکاوٹ اور

چڑچڑاپن چہرے کے ہر زاویے سے عیاں ہو رہا تھا، اسے اس پل دنیا اور دنیا والوں سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی، بالوں کو انگلیوں میں جکڑتے ہی وہ اپنی آنکھیں موند کر لب بھینچ گیا، اسی پل بادلوں کی گھن گرج نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا، آسمان پر نگاہیں جماتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے ہم کلام ہوا۔

''میرے اندر بھی ایسی ہی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہیں، اس نے...... اس نے یہ سب محسوس کیوں نہ کیا؟ Why she cheated on me?۔'' درد بھری مسکراہٹ لبوں پر سجائے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے نم بھری نگاہیں گھما کر اپنے اردگرد کا جائزہ لیا اور آگے بڑھ گیا۔

جیسے ہی اس نے گلی کا زاویہ بدلا تو اس کی نگاہوں نے کچھ ایسا دیکھا، کچھ ایسا جو وہ کبھی کسی کے ساتھ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا، اس نے ایک گہری نگاہ اس لمبے چوڑے نوجوان پر ڈالی جو ایک بیس سالہ نازک سی لڑکی کو مار پیٹ رہا تھا اور اس پر چیخ رہا تھا۔

''میں تمہاری وجہ سے ذہنی طور پر بیمار ہو گیا ہوں، تم میری بربادی کی وجہ ہو، نفرت کرتا ہوں میں تم سے سمجھی تم۔'' وہ نوجوان اپنے کہے گئے ہر جملے کے ساتھ اس نازک لڑکی کے گال پر ضرب لگا رہا تھا، ایک ہی لمحے میں لگ بھگ پانچ چانٹے اس نے اس نازک لڑکی کے چہرے پر دے مارے تھے۔

اجمل سے رہا نہ گیا تو وہ لپک کر آگے بڑھا اور مداخلت کرتے ہوئے بولا۔

''ایکسکیوزمی سر! یہ کوئی طریقہ نہیں ہے عورت ذات سے بات کرنے کا، ایک نازک کمزور لڑکی پر ہاتھ اٹھا کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ وہ بھی اس طرح سڑک کے بیچ و بیچ؟''

''بیوی ہے میری، جو مرضی سلوک کروں اس کے ساتھ، تو کون ہوتا ہے مجھے روکنے والا؟ چل شاباش نکل لے یہاں سے۔'' وہ نوجوان نشے میں جھومتے ہوئے اجمل کی طرف پلٹ کر بولا تو پاس کھڑی وہ نازک لڑکی بے دردی سے اپنے نازک گورے گالوں کو رگڑتے ہوئے نظریں جھکا گئی۔

''دیکھیے سر! یہ آپ کی جو بھی ہیں، مجھے بالکل پسند نہیں کہ کوئی آدمی اس طرح سڑک کے بیچ و بیچ کسی عورت ذات پر اس طرح بھڑکے اور اس پر ہاتھ بھی اٹھائیں۔'' نشے میں دھت اس نوجوان نے اس بار اجمل کو بڑے غور سے دیکھا تھا اور پھر خباثت زدہ چہرے پر طنزیہ ہنسی سجاتے ہوئے دانت پیس کر بولا۔

''یہ تو سڑک پر چلنا چھوڑ دے، یا پھر آنکھیں بند کر کے چلنا شروع کر دے سمجھا؟'' اجمل کے شولڈر پر ہاتھ رکھ کر اس نے اسے تاکید کی اور پھر واپس اس لڑکی کی طرف پلٹ کر بولا۔

''چلو دیا! گھر چلیں۔'' وہ لہجہ بدل کر شیریں انداز میں بولا تو اسے اپنی جانب پلٹے دیکھ کر دیا گھبرائے ہوئے انداز میں کانپتے وجود کے ساتھ وہیں کھڑی رہی، اسے وہیں کھڑے دیکھ کر وہ دانت پیستے ہوئے غصیلی آواز میں بولا۔

''میں نے کہا گھر چلو۔''

''نن...... نہیں...... مم...... مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا۔'' لڑکی نے کانپتے ہوئے اپنی بات کہی تو وہ لڑکا غصیلی نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے اس کے قریب آ کر دانت پیستے ہوئے حکمرانا انداز میں بولا۔

''دیا بیگم! جب میں تمہیں کچھ کرنے کے لئے کہوں، تو تمہیں وہ ہر حال میں کرنا ہے، پھر

چاہے تمہیں وہ اچھا لگے یا نہ لگے، سمجھیں تم؟
Now come On!"۔

اس بار اس نے اسے اپنے ساتھ چلنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن دیا اپنی جگہ ڈھیٹ بنی کھڑی زمین کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں...... میں آپ کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گی۔" دیا کو گھورتے ہوئے اس نے اس کی بازوؤں کو اپنی مضبوط گرفت میں لیا اور اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا آگے بڑھ گیا، دیا اپنی بازو اس کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی اس کے ساتھ سامنے والے گھر میں گھسیٹتی چلی جارہی تھی۔

"چھوڑیں مجھے...... چھوڑیں۔"

اجمل وہیں کھڑا غصے اور کراہیت بھری نگاہوں سے اس ظالم انسان کو دیکھتا رہا، وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے، کیونکہ یہ اس کا معاملہ تو ہرگز نہ تھا، لیکن وہ اس لڑکی یا اس جیسی کسی بھی لڑکی کو اس طرح ہرٹ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ یقیناً ایک خوبصورت لڑکی تھی، اس کا معصوم پری زاد چہرہ، آنکھوں میں خوف اور خوف سے کانپتا اس کا نازک وجود اجمل سے چھپا نہ رہا تھا۔

اس نوجوان نے خود کو چھڑاتی دیا کو زوردار دھکا دے کر زمین پر گرایا اور پھر اسے اس کے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک بار پھر سے گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

"یہ تم ٹھیک نہیں کررہے، میں پولیس میں تمہاری رپورٹ لکھواؤں گا۔" اجمل ایک دم بھڑک اٹھا تھا، گھر کی جانب بڑھتے اس شخص کے قدم وہیں پر تھم گئے تھے، غصے سے پلٹ کر اس شخص نے اجمل کو پوری طاقت سے پیچھے جھٹکا دیا تھا۔

''کیا لگتی ہے تیری؟ جو تجھے اتنی تکلیف ہو رہی ہے؟ اپنے کام سے کام رکھ اور نکل تا بن یہاں سے، ورنہ یہیں بھون کر رکھ دوں گا تجھے سالے۔''

اجمل وہیں کھڑا دانت پیس کر رہ گیا تھا جبکہ وہ شخص اس لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے اس بڑی سی کوٹھی میں داخل ہو گیا تھا، وہ مسلسل رو رہی تھی اور اس بار اس کے چہرے پر تکلیف خاص طور پر عیاں تھی، گیٹ کے اس پار جاتے ہی اس شخص نے گیٹ اندر سے لاک کر دیا تھا، اجمل غصہ بھری نگاہوں سے بند گیٹ کی جانب گھورتے ہوئے دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوا۔

''کیسے کیسے لوگ ہیں دنیا میں، انسانیت تو مانو جیسے کہیں سے چھو کر بھی نہیں گزری۔''

بادلوں کی گھنگھور آواز نے ایک بار پھر سے اپنی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا، وہ پرشکوہ نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

اگلے دن جب وہ جوگنگ ٹریک پر دوڑتے دوڑتے تھک گیا تو دوڑتے قدموں کی رفتار دھیرے دھیرے کم کرتے ہوئے بینچ کی جانب بڑھ گیا، بینچ پر بیٹھتے ہی اس نے سوکھتے لبوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے ایک اچٹتی سی نگاہ اپنے اردگرد دوڑائی، سامنے والی بینچ پر بیٹھے ایک شناسا سا چہرے کو دیکھتے ہی وہ کچھ سوچتے ہوئے دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوا۔

''اسے میں نے کہیں دیکھا ہے، پر کہاں؟'' لبوں کو دانتوں تلے بھینچتے ہوئے وہ اپنے دماغ پر زور دینے لگا تھا۔

''ہاں...... یہ تو وہی لڑکی ہے۔'' یاد آتے ہی اس نے نظروں کا زاویہ اِدھر اُدھر گھماتے ہوئے متلاشی نگاہوں سے اس کے ظالم شوہر کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔

''وہ جلاد نظر نہیں آ رہا۔'' پھر نجانے کیا سوچتے ہوئے وہ اٹھ کر سامنے والے بینچ کی جانب بڑھ گیا۔

''ایکسکیوزمی!'' بھاری مردانہ آواز کانوں سے ٹکرائی تو بت بنی وہ پری زاد اک ہی لمحے میں گھبرا گئی۔

''آپ گھبرائیے مت، میں یہاں آپ کو ڈسٹرب کرنے نہیں آیا۔'' دیا بدستور گھبرائے ہوئے انداز میں پریشانی سے لب بھینچ گئی۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' خوف بھری نگاہیں اٹھا کر اس نے اک لمحے کے لئے اس لمبے چوڑے انسان کی جانب دیکھا اور پھر نظریں جھکائے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ...... آپ بیٹھیے، میرا مقصد آپ کو تنگ کرنے کا ہرگز نہیں، میں دراصل آپ کے لئے کافی فکر مند تھا، کل صبح اس لڑکے کو آپ کے ساتھ اس طرح بدسلوکی کرتے دیکھ کر مجھے بالکل اچھا نہیں لگا، اسے آپ کے ساتھ اس طرح کی بدسلوکی ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔'' دیا کو اس طرح اٹھ کر جاتے دیکھتے ہی وہ ایک دم الرٹ ہو کر بولا تو سامنے کھڑی دیا خوف کے مارے کانپتی آواز میں گویا ہوئی۔

''د...... دیکھیے...... آ...... آپ جو کوئی بھی ہیں...... آپ کی ہمدردی کے لئے شکریہ...... اب آپ یہاں سے چلے جائیے...... م...... مجھے کسی اور مرد کی طرف آنکھ تک اٹھا کر دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''وہ یہاں نہیں ہے...... مس! میں یہاں آپ کو مزید ہرٹ کرنے ہرگز نہیں آیا...... میں صرف آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ کیا پولیس والے ہیں؟''

''نہیں مس! میں ایک عام سا آدمی ہوں، لیکن آپ ڈریئے مت، مجھ سے ایک بار بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔'' دیا نے ایک لمحے کے لئے اس اجنبی کی جانب دیکھا اور پھر دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوئی۔

''میں اس طرح کسی اجنبی سے بات نہیں کر سکتی...... لیکن...... مجھے لگتا ہے کہ کسی نہ کسی سے تو بات کرنی ہی پڑے گی۔'' اجمل کی جانب دیکھتے ہوئے وہ بہت دھیمے سے گویا ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہے...... آپ...... بیٹھیے۔'' مثبت جواب ملتے ہی وہ فوراً ایک کر بینچ پر جا بیٹھا تھا، دیا کے بینچ پر بیٹھتے ہی اجمل نے اپنا تعارف کرایا تھا۔

''میرا نام اجمل ہے، ڈیفنس بلاک ڈی میں رہتا ہوں، آپ کا نام؟''

''دیا!''

''آپ کے گھر والے آپ کے شوہر کو روکتے نہیں اس طرح بدسلوکی کرنے سے؟''

''نہیں...... معید کی فیملی سڈنی میں رہتی ہے اور یہ گھر وہ جگہ ہے جہاں معید مجھے لاک کرتے ہیں، دن بھر آفس میں رہنے کے بعد جب گھر لوٹتے ہیں تو زبردستی نائٹ پارٹیز پر لے کر جاتے ہیں، گھر آتے ہی پھر سے لاک کر دیتے ہیں، مجھے نہ کسی سے بات کرنے کی اجازت ہے نہ ہی اکیلے کہیں باہر جانے کی، کبھی موڈ اچھا ہو، تو صرف واک کے لئے اس پارک میں آنے کی اجازت مل جاتی ہے۔'' دیا کی باتیں سنتے ہی وہ دکھ بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود آپ اس ظالم شخص کے ساتھ ہی رہتی ہیں؟'' اجمل کی بات پر دیا نے درد بھری مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور پھر بالکل سپاٹ لب و لہجے میں گویا ہوئی۔

''میں معید کے ساتھ خوش ہوں، وہ ایک اچھے انسان ہیں۔'' اجمل نے دیا کی بات پر حیران ہوتے ہوئے اپنی ایک آئی برو اچکائی اور اس کی جانب دیکھتے ہوئے حیران کن لہجے میں بولا۔

''وہ آپ کے ساتھ اتنا برا سلوک کرتا ہے، پھر بھی آپ۔''

''کیونکہ میں اچھی شریک حیات نہیں ہوں۔'' اجمل نے سپاٹ چہرے والی اس لڑکی کو ایک بار پھر سے حیران کن نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''تو آپ اس شخص کے ساتھ کیوں رہتی ہیں؟''

''کیونکہ میں ان سے پیار کرتی ہوں۔''

اجمل کی نظروں کا زاویہ بدل کر زمین پر بکھری اس سرسبز گھاس کی جانب گھورنا شروع کر دیا تھا، اس نے دیا سے زیادہ خوبصورت، سادہ اور معصوم لڑکی آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، گوری رنگت، گہری سبز آنکھیں، پتلے پتلے نین نقش اور ڈارک براؤن لمبے گھنے بالوں نے اس کی شخصیت کو چار چاند لگا دیئے تھے، اتنی پیاری لڑکی اس قدر اذیت بھری زندگی کی حقدار تو نہ تھی، اجمل اس کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا، اسے اس جانور سے نجات دلانا چاہتا تھا، مگر کیسے؟ یہی سوچ اسے پریشان کیے جا رہی تھی۔

''میں اب چلتی ہوں، معید نے دیکھ لیا تو بہت بری طرح پیش آئیں گے۔'' دیا کی آواز نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا، تبھی وہ مثبت انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

دیا نے اٹھتے ہی اپنے قدم گیٹ کی جانب بڑھا دیئے تھے، اجمل وہیں بیٹھا پریشان کن

نگاہوں سے اسے گیٹ کی جانب بڑھتے دیکھ رہا تھا، چند قدم چلتے ہی دیا لڑکھڑاتے ہوئے زمین پر گر پڑی تھی، اسے زمین پر گرتے دیکھ کر انجل لپک کر اس کی جانب بڑھا تھا، پارک میں موجود لوگوں نے بھی اردگرد جم گھٹا بنا لیا تھا۔

''دیا! کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟'' گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس نے دیا کو مخاطب کیا تو وہ درد سے کراہتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ لوگ پلیز اپنا کام کریں۔''

''آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں، میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتا ہوں۔'' بوجھل ہوتی نگاہوں سے انجل کی جانب دیکھتے ہوئے وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

''نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔'' چکا چوند روشنی ایک دم اندھیرے میں بدلی اور وہ آنکھیں موندے وہیں زمین پر ڈھ سی گئی۔

''دیا......دیا!''

☆☆☆

اس نے دھیرے دھیرے اپنی آنکھیں کھولیں، سامنے کا منظر بہت ہی دھندلا دکھائی دے رہا تھا، آنکھیں زور سے میچتے ہوئے اس نے اپنا بائیاں ہاتھ اٹھا کر پیشانی پر رکھ لیا تھا، دیا کے بیڈ کی رائٹ سائیڈ پر پریشان بیٹھے انجل نے فوراً الرٹ ہوتے ہوئے آگے بڑھ کر اسے مخاطب کیا تھا۔

''دیا! کیا آپ ٹھیک ہیں؟'' اجنبی آواز کانوں سے ٹکرائی تو وہ ایک بار پھر سے آہستگی سے آنکھیں کھول کر اپنی رائٹ سائیڈ پر دیکھتے ہوئے دھیمے سے بولی۔

''میں...... کہاں ہوں؟''

''آپ ہاسپٹل میں ہیں۔'' دیا نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اگلے ہی لمحے وہ درد کی شدت کی تاب نہ لاتے ہوئے واپس بیڈ پر لیٹ گئی۔

''آپ اٹھیئے مت...... ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ آپ کے Stomach پر ایک گہرے کٹ کا نشان ہے، ہم سب آپ کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے، تاکہ آپ بتا سکیں کہ آپ کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا؟'' انجل نے پریشانی سے آگے بڑھ کر اسے اٹھنے سے باز رکھا اور ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر کی بتائی گئی بات دہراتے ہوئے پریشانی کے عالم میں ہی اس کی جانب دیکھتا رہا، انجل کی بات سنتے ہی اس نے اپنے خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے التجائیہ انداز میں کہا۔

''دیکھیے، میں اب بالکل ٹھیک ہوں، مجھے ابھی اسی وقت گھر جانا ہے۔'' انجل نے حیرانگی ظاہر کرتے ہوئے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ ڈاکٹر نرس کے ہمراہ روم میں داخل ہوا اور دیا کو ہوش میں پاتے ہی مسکرا کر گویا ہوا۔

''اب آپ کیسا فیل کر رہی ہیں؟ پین تو نہیں ہو رہی ناں؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں، مجھے گھر جانا ہے ڈاکٹر۔''

''لیکن مس دیا، آپ کا گھاؤ ابھی تازہ ہے، میں اس طرح آپ کو گھر جانے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا اور ویسے بھی یہ سراسر ایک پولیس کیس ہے، آپ کے Stomach پر جو گہرا گھاؤ ہے وہ کسی نے اور کیوں کیا، یہ سب آپ بتا دیں پولیس سے کہہ سکتی ہیں، ہم سب آپ کا ساتھ دیں گے۔'' پولیس کا نام سنتے ہی اس کا سارا درد اڑن چھو ہو گیا، پریشانی کے عالم میں وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی۔

''نن...... نہیں...... مم...... میں ٹھیک ہوں، بالکل ٹھیک ہوں، مجھے ابھی اسی وقت گھر جانا ہے ڈاکٹر پلیز۔'' اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ اگلے لمحے بیڈ سے نیچے اتر کھڑی ہوئی، نرس اور ڈاکٹر حیران کن انداز میں دیا اور اور پھر اجمل کی جانب دیکھنے لگے، وہ خود حیران مورت بنا دیا کی جانب دیکھے چلا جا رہا تھا۔

''دیا! یہ...... یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟'' اجمل نے آگے بڑھ کر اسے روکنے کی کوشش کی تو اسی لمحے دیا نے ہاتھ اٹھا کر اسے اپنے نزدیک آنے سے باز رکھتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

''Stop مجھے کسی کی ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں، میرے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہیں آیا، مجھے بیکار میں کسی پولیس ولیس کے چکر میں ہرگز نہیں پڑنا، آپ سب لوگوں کی بڑی مہربانی، میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ ان تینوں کو حیران و پریشان کمرے میں چھوڑے باہر نکل آئی۔

کاریڈور میں آتے ہی اس نے ایک بار پھر سے درد کی شدت محسوس کی، اگلے ہی پل سنبھلتے ہوئے وہ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتے ہوئے آگے بڑھ گئی، اجمل تقریباً دوڑتا ہوا اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔

''دیا!'' اس کی آواز سنی ان سنی کر کے وہ اپنے قدم آگے بڑھاتی چلی جا رہی تھی، تبھی اجمل نے آگے آ کر اس کا راستہ روکتے ہوئے لمبی سانس کھینچ کر اسے مخاطب کیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، یہاں کوئی پولیس نہیں آئے گی، آپ چلیے، زخم بھرنے تک آپ کا یہاں سے جانا بالکل ٹھیک نہیں۔''

''مجھے کہیں نہیں جانا۔''

''اپنی حالت تو دیکھئے، آپ ٹھیک نہیں ہیں۔''

''میں ٹھیک ہوں، خدارا میرا روستہ چھوڑیے۔'' اس کی رندھی آواز پر وہ چند ثانیے یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا اور پھر ہتھیار گراتے ہوئے اسے راستہ دے کر اس کے ساتھ ساتھ باہر جانے والے راستے پر قدم رکھنے لگا، پارکنگ ائیریا میں پہنچتے ہی دیا نے رکشہ کی جانب اپنے قدم بڑھائے تو اجمل نے ایک بار پھر سے اس کا راستہ روک کر اسے مخاطب کیا۔

''میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' دیا نے ایک چبھتی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالتے ہوئے غصیلی آواز میں جواباً کہا۔

''مجھے آپ کے احسان کی ضرورت ہرگز نہیں، میں خود چلی جاؤں گی۔''

''لیکن آپ اس حالت میں رکشہ کا سفر نہیں کر پائیں گی، یہ آپ کی صحت کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔''

''میرے لئے کیا ٹھیک ہے اور کیا نہیں، یہ مجھے آپ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی غصیلے انداز میں سامنے کھڑے رکشہ کی جانب بڑھ گئی، اجمل وہیں کھڑا اسے رکشہ کی جانب بڑھتا دیکھ رہا تھا۔

رکشہ ڈرائیور کو ایڈریس سمجھاتے ہی وہ رکشہ میں سوار ہوگئی، کچھ دور جاتے ہی رکشہ ایک سپیڈ بریکر سے جمپ لگاتے ہوئے جھٹکے سے آگے بڑھا، رکشہ کی جمپ پر دیا کے درد کی شدت میں مزید اضافہ ہو چلا تھا، وہ اب باقاعدہ طور پر کراہنے لگی، اجمل نے رکشہ رکتے ہی اس کی جانب دوڑ لگائی۔

''معاف کرنا باجی! سپیڈ بریکر دیکھائی نہیں دیا۔'' رکشہ ڈرائیور مڑ کر دیا کی طرف دیکھتے ہوئے معافی مانگنے لگا تھا، درد کی شدت کے

باعث وہ آنکھیں میچیں اور لب بھینچے بیٹھی تھی، انجل نے رکشہ کے قریب پہنچتے ہی پریشان کن انداز سے دیا کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔
''آپ ٹھیک ہیں مس دیا؟ اور تم؟ دیکھ کر رکشہ نہیں چلا سکتے؟''
''دیا آپ چلیں میرے ساتھ۔'' رکشہ ڈرائیور کو جھاڑ پلانے کے بعد اس نے دیا کو سہارا دے کر رکشہ سے باہر نکالا اور اپنی گاڑی کے قریب لے آیا۔
''مجھے گھر جانا ہے۔'' دیا نے نیم بے ہوشی کے عالم میں سرگوشی کی تو وہ اپنی بلیک ہونڈا سٹی کا فرنٹ دروازہ کھولتے ہوئے دھیرے سے جواباً بولا۔
''ٹھیک ہے، میں آپ کو گھر ڈراپ کرتا ہوں، آپ بیٹھیں۔'' دیا کو گاڑی میں بیٹھاتے ہی اس نے فوراً اپنی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور بڑی آہستگی سے گاڑی گیٹ سے باہر جانے والے راستہ کی جانب بڑھا دی، اب گاڑی بہت ہی آہستہ آہستہ رفتار سے سڑک کے بیچ و بیچ چل رہی تھی، انجل وقتاً فوقتاً فرنٹ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی دیا کی جانب دیکھ رہا تھا۔
کافی دیر سے خاموش رہنے کے بعد انجل نے خاموشی توڑتے ہوئے سامنے دوڑتی گاڑیوں پر نظریں ٹکاتے ہوئے بڑے ہی دھیمے انداز میں اسے مخاطب کر کے پوچھا۔
''آپ کو یہ زخم کیسے آیا؟'' دیا کچھ دیر خاموش بیٹھی باہر دوڑتی گاڑیوں کو دیکھتی رہی اور پھر بہت ہی سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔
''معید نشے کی حالت میں کیا کچھ کر گزرتے ہیں، اس کا شاید انہیں خود بھی اندازہ نہیں، ایک دم بھڑک اٹھتے ہیں، خوب مارتے ہیں اور پھر...... سب بھول جاتے ہیں۔'' دو آنسو لڑھک کر اس کے گال پر آ ٹھہرے تھے، انجل نے ایک دم گاڑی روک دی تھی، وہ اب بظاہر طور پر دیا کی جانب دیکھنے لگا تھا۔
''دیا! آپ اس شخص کو اپنے ساتھ ایسا کیسے کرنے دے سکتی ہیں؟ اس طرح خاموش رہ کر آپ اپنے ساتھ خود زیادتی کر رہی ہیں؟'' انگلیوں کی پوروں سے گالوں پر لڑھکتے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ بہت ہی دھیمی آواز میں گویا ہوئی۔
''اگر میں نے معید سے چھوڑنے کا مطالبہ کیا تو وہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔''
''کیا آپ واقعی معید سے پیار کرتی ہیں؟''
''ہاں، کبھی کبھی وہ بہت اچھا برتاؤ کرتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے ہی رہیں، لیکن، کبھی کبھی وہ ہر حد پار کر دیتے ہیں۔'' انجل نے اس بار ایک لمبی گہری سانس کھینچی تھی، اس کے پاس کچھ کہنے کو الفاظ ہی نہ رہے تھے، تبھی ایک بار پھر سے دیا کی آواز اس کی سماعت سے گزری تھی۔
''مجھے جلدی گھر جانا ہوگا، اس سے پہلے کہ معید گھر پہنچیں، مجھے گھر پہنچنا ہوگا، اگر میں انہیں گھر پر موجود نہ ملی تو وہ پھر بہت برے پیش آئیں گے۔'' دیا نے خوفزدہ لہجے میں رات کی کالی چادر آسمان پر پھیلتے دیکھ کر کہا تو انجل نے گہری سنجیدگی سے اسے جواباً کہا۔
''نہیں دیا، مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو گھر جانا چاہیے۔''
''آپ کی ہیلپ کے لئے بہت بہت شکریہ، اب آپ مجھ سے دور رہیے گا۔'' اس نے تلخ لہجے میں اپنی بات کہتے ہی گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی، انجل اسے پکارتا رہ گیا تھا

لیکن وہ اسے اور اس کی گاڑی کو بہت پیچھے چھوڑے آگے ہی آگے نکلتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

ایک ہفتہ گزر چکا تھا، مگر اجمل کا ذہن ابھی بھی دیا کی طرف اٹکا ہوا تھا، وہ ان دنوں اپنا غم بھلا کر اسی اجنبی کے غم کو دل سے لگائے ہوئے تھا۔

''پتا نہیں وہ ٹھیک بھی ہے یا نہیں؟'' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ پریشان کن انداز میں سرگوشی کرنے لگا تھا۔

''ہفتہ بیت چکا ہے، وہ پارک میں بھی دیکھائی نہیں دی۔'' سنسان سڑک پر سٹریٹ لائٹس کے نیچے گاڑی روکتے ہی وہ لبوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دل ہی دل میں ہم کلام ہوا تھا۔

''مجھے ایک بار اس کے گھر جا کر اس کی خبر لینی چاہیے۔'' ذہن میں ابھرتی بے شمار سوچوں کو دفن کرتے ہی وہ گاڑی کا رخ دیا کے گھر کی جانب موڑ بیٹھا تھا۔

گاڑی گھر کے گیٹ پر روکتے ہی اس نے ایک گہری نگاہ گھر پر ڈالی اور پھر خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

''تمام لائٹس آف ہیں، یعنی وہ دونوں گھر پر نہیں ہیں۔'' گھر کا جائزہ لیتی نگاہیں اب خالی سڑک پر مرکوز ہو چکی تھیں، بالوں میں انگلیاں پھنسائے وہ کچھ سوچتے ہوئے ایک بار پھر سے گھر کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''ہاں...... دیا نے بتایا تھا کہ وہ جلاد اسے روز نائٹ پارٹیز پر لے کر جاتا ہے۔'' سرد ہوا کا جھونکا اس کے گالوں سے ٹکرایا تو آسمان کی جانب نگاہیں اٹھاتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے ہم کلام ہوا تھا۔

''شاید ابر برسنے کو ہے، مجھے گھر جانا چاہیے۔'' ایک اچٹتی سی نگاہ سامنے گھر پر دوڑاتے ہوئے وہ واپس گاڑی میں آ بیٹھا تھا، جیسے ہی اس نے گاڑی سٹارٹ کی، سرد ہوا کے جھونکوں سے اڑتے پتے اس کی گاڑی سے ٹکراتے ہوئے زمین پر جا گرے، گیئر لگاتے ہی اس نے گاڑی ریورس کی تھی، تیز ہوا کے ساتھ ساتھ بونداباندی بھی شروع ہو چکی تھی، اس سے پہلے کہ وہ گاڑی آگے بڑھاتا، اسی پل تیز ہوا کے زور پر دیا کے گھر کا گیٹ ایک جھٹکے سے کھل کر ہوا سے جھولنے لگا تھا، اجمل ایک دم چونک اٹھا تھا، کھلے گیٹ کو نظروں کا محور بنائے وہ کافی حیران نظر آ رہا تھا۔

''گیٹ کھلا ہے؟'' گاڑی سڑک کے بیچ و بیچ روکتے ہی وہ حیران کن انداز میں گاڑی سے باہر نکلا تھا، دبے دبے قدموں سے آگے کی جانب بڑھتے ہوئے وہ کافی حیران کن انداز میں گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔

گھر کی اطلاعی بیل پر انگلی کا زور دیتے ہی اس نے خشک ہوتے لبوں کو ایک بار پھر سے زبان سے تر کیا تھا، بارش کی بونداباندی اس کو بھگوئے چلی جا رہی تھی مگر پھر بھی وہ ڈھیٹ بنا گیٹ کے سامنے کھڑا بیل بجائے چلا جا رہا تھا۔

کافی دیر تک بیل بجانے کے باوجود اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو وہ گلی میں نظر دوڑاتے ہوئے دل ہی دل میں ہم کلام ہوا۔

''کیا مجھے بنا اجازت اندر جانا چاہیے؟ نجانے کیوں میرا دل مٹھی میں ہے، کیا میرا بنا اجازت اندر جانا ٹھیک ہو گا؟ نہیں...... مجھے واپس گھر چلے جانا چاہیے۔'' دل ہی دل میں جب وہ سوال جواب کرتے تھک گیا تو پلٹ کر واپس اپنی گاڑی کے پاس آ کھڑا ہوا، کچھ سوچتی

نگاہیں گیٹ سے آر پار ہوئیں تو اسے محسوس ہوا کہ گیٹ کے اندرونی حصہ کا دروازہ بھی ہوا کے جھونکے سے جھول رہا تھا، اجمل کی حیرانی اب پریشانی میں مبتلا ہو چکی تھی۔

''اندرونی دروازہ بھی کھلا ہے؟ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے، مم...... مجھے پولیس کو اطلاع دینی چاہیے، شاید کوئی چور یا ڈاکو ان دونوں کی غیر موجودگی میں ڈکیتی کر رہا ہو، ہاں...... یہی ممکن ہے۔'' اس نے ہڑبڑا کر فوراً گاڑی کا دروازہ کھولا اور ڈش بورڈ پر پڑا اپنا آئی فون اٹھاتے ہی نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''ہیلو!''

پولیس کو تمام حالات سے آگاہ کرنے کے بعد وہ لمبی سانس کھینچ کر گھر کی جانب دیکھتے ہوئے واپس گاڑی میں بیٹھ گیا، گیئر لگاتے ہی اس نے آہستہ رفتار میں گاڑی آگے کی جانب بڑھا دی تھی، تقریباً پندرہ منٹ میں ہی پولیس موبائل دیا کے گھر کے سامنے آن رکی تھیں۔

اجمل بھی تھوڑی ہی دیر میں وہاں دوبارہ چلا آیا، پولیس انسپکٹر سے ہاتھ ملانے کے بعد وہ تمام واقعہ ایک بار پھر سے دہراتے ہوئے انسپکٹر سمیت گھر کی جانب دیکھنے لگا، چار پولیس مین الرٹ ہو کر اپنی گن سمیت گھر کے اندرونی حصہ میں داخل ہو گئے جبکہ اجمل انسپکٹر کے ہمراہ باہر ہی کھڑا پریشان کن نگاہوں سے گھر کی جانب دیکھے چلے جا رہا تھا۔

ٹارچ کی تیز روشنی کے تعاقب میں وہ چار پولیس مین دبے قدموں لاؤنج میں داخل ہوئے تھے، اردگرد کا جائزہ لینے کے بعد اب وہ سامنے والے ماسٹر روم کی جانب بڑھنے لگے، روم کا دروازہ کھولتے ہی ایک عجیب قسم کی بو نے ان چاروں کا استقبال کیا تھا، ناک پر ہاتھ رکھے ٹارچ پکڑے پولیس مین نے ٹارچ کی روشنی زمین پر ماری تو اس کی نظر زمین پر خون کے تالاب میں لت پت دنیا جہاں سے بے خبر صنف نازک وجود پر پڑی، اس نے اپنے تینوں ساتھیوں سمیت آگے بڑھ کر اس لڑکی کو سر سے پیر تک دیکھا، دیا کے چہرے پر جا بجا چوٹ کے نشان تھے۔

پیٹ پر لگے کٹ سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا، اس کی دونوں کلائیوں کی وینز بھی کاٹی جا چکی تھیں، تمام حالات سے صاف واضح تھا کہ یہ حادثہ کچھ ہی دیر پہلے درپیش آیا تھا، ایک پولیس مین نے فوراً باہر آ کر انسپکٹر کو اندرونی حالات سے آگاہ کیا جسے سنتے ہی اجمل کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

''کیا؟ وہ دیا ہے انسپکٹر!'' انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ تقریباً دوڑتا ہوا گھر کے اندرونی حصہ میں داخل ہو گیا، انسپکٹر اور پولیس مین بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر چلے آئے تھے۔

''دیا!'' وہ دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا اور سامنے بے سدھ پڑی دیا کو اس حالت میں دیکھتے ہی وہ لپک کر اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اسے پکارنے لگا۔

''دیا...... دیا!''

''سر! مجھے یہ لڑکی زندہ لگ رہی ہے۔'' وہاں کھڑے ایک پولیس مین نے انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو نیچے دیا کے پاس پریشان بیٹھا اجمل فوراً کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''انسپکٹر! اسے ہاسپٹل لے کر جانا ہو گا، جلدی۔'' انسپکٹر کا اشارہ ملتے ہی اس نے دوبارہ لپک کر دیا کی جانب اپنے قدم بڑھائے تھے۔

☆☆☆

آسمان پر چھائی کالی چادر اب دھیرے

دھیرے دھیرے نیلے رنگ میں بدلنے لگی تھی، دیا کو آئی سی یو میں شفٹ کیا جا چکا تھا، انسپکٹر اپنے دو سپاہیوں کو اجمل کے ساتھ ہاسپٹل چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو گیا تھا، آئی سی یو کے باہر بے چینی سے چکر کاٹتا اجمل پریشانی کے عالم میں بار بار رک کر آئی سی یو کے دروازے پر لگے چھوٹے سے شیشے سے جھانکتے ہوئے شیشے کے اس پار دنیا جہاں سے بے خبر سٹریچر پر بے ہوش لیٹی دیا کی جانب دیکھتا اور لمبی سانس کھینچ کر ایک بار پھر سے ادھر سے ادھر بے چینی کے عالم میں چکر کاٹتا۔

''دیا ایسی لڑکی ہرگز نہیں کہ خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، یا پھر ہو سکتا ہے کہ معید نے دیا کو اس قدر مجبور کر دیا ہو کہ وہ معید سے جان چھڑانے کے لئے اس حد تک چلی گئی ہو...... ہاں...... یہ ممکن ہے۔''

آئی سی یو کے سامنے رکھتے ہی اس نے ایک بار پھر سے پریشانی کے عالم میں شیشے کے اس پر لیٹی دیا کی جانب دیکھا اور پھر سے دل ہی دل میں ہم کلام ہوا۔

''دیا! تمہیں کچھ نہیں ہو گا، میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔'' دیا کو تکلیف میں دیکھ کر، وہ آنکھوں کو میچے ایک بار پھر سے آگے بڑھ گیا۔

چوبیس گھنٹوں کے بعد جب دیا کو ہوش آیا تو ڈاکٹرز نے اسے کمرے میں شفٹ کر دیا۔

''ابھی پیشنٹ کی حالت ایسی نہیں کہ وہ بیان دے سکے اس لئے بہتر ہو گا کہ پولیس کو پیشنٹ سے دور رکھا جائے۔''

''شیور ڈاکٹر۔'' اجمل نے ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے انسپکٹر کو ڈاکٹر کی بات سے آگاہ کیا تو انسپکٹر نے جواباً کہا۔

''ٹھیک ہے، ہم مزید چوبیس گھنٹوں تک انتظار کریں گے، کیونکہ معاملہ بہت گمبھیر ہے، آپ نے مس دیا کے شوہر کے خلاف جو بیانات لکھوائے ہیں، ہمیں مس دیا کے بیان کے بعد ہی ان تمام بیانات پر ایکشن لینا ہے۔''

انسپکٹر سے بات کرنے کے بعد وہ بھی کمرے میں چلا آیا تھا، دیا آنکھیں موندے شاید سو رہی تھی، وہ دبے قدموں چلتا ہوا بیڈ کی سائیڈ چیئر پر جا بیٹھا، کرسی پر بیٹھتے ہی اس کی نظریں دیا کے معصوم چہرے پر ٹک سی گئی تھیں، وہ امید بھری نظروں سے دیا کی جانب دیکھے چلے جا رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد دیا کی پلکوں نے جنبش کی تھی، پھر دھیرے دھیرے آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے کمرے کی چھت کو دھندلائی نظروں سے دیکھا اور دھیرے سے ہونٹوں کو جنبش دینے لگی، جنبش دینے کے دوران ایک درد بھری کراہ اس کے منہ سے نکلی تو سائیڈ پر بیٹھا اجمل ایک دم الرٹ ہو کر بولا۔

''دیا!'' دیا نے ایک بار پھر سے آنکھیں موند لی تھیں، پھر بولنے کی چاہ میں اس نے ایک بار پھر سے ہونٹوں کو جنبش دی اور بہت ہی مدھم آواز میں بولی۔

''معید!''

''نہیں، میں اجمل ہوں، معید یہاں نہیں ہے۔''

''پلیز، اسے میرے پاس کبھی مت آنے دینا۔''

''تم بات مت کرو، بس آرام کرو۔''

''تھینکس اجمل، مجھے بچانے کے لئے۔'' وہ آہستہ آہستہ ایک بار پھر سے نیند کی وادیوں میں کھو گئی تھی، اجمل کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی اور وہ ایک بار پھر سے کرسی پر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

دل پہ کیا گزری

وہ انجان کیا جانے
پیار کیسے کہتے ہیں
وہ نادان کیا جانے
ہوا کے ساتھ اڑا لے گیا گھر پرندے کا
کیسے بسا تھا گھونسلہ وہ طوفان کیا جانے

☆☆☆

اگلے دن صبح تقریباً آٹھ بجے کے دوران دیا نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور پوری طرح سے ہوش میں آنے کے بعد اس نے سائیڈ چیئر پر نیم دراز ہوئے اجمل کی جانب دیکھا، گھڑی پر نظر دوڑاتے ہی اس نے اٹھنے کی ناکام کوشش کی اور اگلے ہی پل درد کی شدت کی بنا پر کراہ کر رہ گئی، اتنی خاموشی میں اس کی کراہ آنکھیں موندے نیم دراز اجمل کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہو بیٹھا اور پھر لپک کر دیا کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

''کیا ہوا دیا؟ تم ٹھیک ہو؟''

''مجھے پیاس لگ رہی ہے۔'' اجمل نے فوراً کھڑے ہو کر سائیڈ ٹیبل پر پڑے منرل واٹر کو شیشے کے صاف گلاس میں انڈیل کر ایک بار دیا کی جانب دیکھا اور پھر بوتل کو بند کرتے ہی اس نے آگے بڑھ کر سٹریچر کو تھوڑا سا اوپر کی جانب سیٹ کیا، دیا جب سٹریچر پر لیٹے لیٹے ہی نیم دراز ہو بیٹھی تو اس نے ٹیبل پر سے گلاس اٹھا کر دیا کے منہ سے لگا دیا، تین سانسوں میں پانی پینے کے بعد دیا نے لمبی سانس کھینچی اور آنکھیں زور سے میچتے ہوئے درد کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے بولی۔

''آپ ابھی تک یہاں ہیں؟'' اجمل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''تمہیں اس حالت میں اکیلا چھوڑ کر جانے کو دل نہیں چاہا، اب...... اب کیسا فیل کر رہی ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں، بس ہلنے اور اٹھنے میں تھوڑی پرابلم ہو رہی ہے۔''

''ہاں زخم ابھی تازے ہیں اسی لئے۔'' ایک بار پھر سے لمبی سانس کھینچتے ہوئے وہ لب بھینچ گئی تو اجمل دوبارہ کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے ایک بار پھر سے گویا ہوا تھا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس رات کیا ہوا تھا؟'' دیا نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈال کر سامنے لگی گھڑی پر نظریں جماتے ہوئے دھیمے لہجے میں جواباً کہا۔

''وہ رات...... میری زندگی میں...... دوسری قیامت کی رات تھی اور میں دوسری بار بھی بچ گئی۔'' کہتے کہتے اس کا لہجہ بھیگ گیا اور پھر وہ دبی آواز میں رو دی، اجمل خاموش بیٹھا پریشانی کے عالم میں اس کی جانب دیکھے چلے جا رہا تھا، جب وہ رو رو کر خاموش ہو گئی تو اجمل نے خاموشی توڑتے ہوئے ایک بار پھر سے پوچھا۔

''کیا ہوا تھا دیا! بتاؤ مجھے۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ ایک بار پھر سے جواباً بولی۔

''اس رات معید نے مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا، جب وہ آفس سے لوٹا تو بہت اچھے موڈ میں تھا، بہت اچھا برتاؤ کر رہا تھا، کہنے لگا کہ وہ میرے والدین کے نام پر ایک ہاسپٹل بنانے جا رہا ہے، جس کے لئے اسے میرے نام کی گئی تمام پراپرٹی درکار ہے، میں اپنے والدین کے نام کا ہاسپٹل بننے کا سن کر خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی، خوشی کے عالم میں، میں نے ان تمام کاغذات پر سائن کر دیئے جن جن پر معید سائن کرنے کا کہہ رہا تھا، پیپرز سائن کروانے کے بعد وہ کہیں باہر چلا گیا، تقریباً

دو گھنٹوں بعد لوٹا تو شدید غصہ کے عالم میں بنا بات مجھے مارنے پیٹنے لگا، اس نے کہا کہ میں اب اس کی زندگی میں کوئی معنی نہیں رکھتی اور نہ ہی مجھے اب جینے کی کوئی ضرورت ہے، نشے کی حالت میں اس نے مجھے قتل کرنے کی پوری کوشش کی اور پھر اس قتل کو خودکشی کی شکل دے ڈالی، تاکہ وہ کسی بھی قسم کی مشکل میں نہ پھنسے۔'' بات کرنے کے دوران وہ بار بار روتی اور پھر لب بھینچتے ہوئے اپنی کلائیوں پر بندھی پٹی کی جانب دیکھتے ہوئے پھر سے بولتی، اجمل خاموش بیٹھا ترس بھری نگاہوں سے اس معصوم لڑکی کو آنسو بہاتے دیکھ رہا تھا، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ دھیمے سے بولا۔

''اپنے کسی عزیز یا بہن بھائی کا نمبر دو، تاکہ میں انہیں اس تمام صورت حال سے آگاہ کر سکوں۔'' اجمل کی بات پر وہ نم بھری نگاہیں اٹھا کر براہ راست اس کی جانب دیکھنے لگی تھی، آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گیا تھا، پھر لمبی سانس کھینچتے ہوئے نظروں کا زاویہ بدل کر وہ گہری ڈوبی آواز میں بولی۔

''میرا اپنا اگر اس دنیا میں کوئی ہوتا تو آج میری اتنی بدتر حالت نہ ہوتی۔'' وہ حیران کن انداز میں اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''مطلب؟''

''میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی، معید میرے چچا کا بیٹا تھا، ہم بچپن سے ہی ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے، چچا اپنی فیملی سمیت سڈنی منتقل ہو گئے، معید نے وہاں جاتے ہی کسی گوری سے شادی کر لی، چچا نے بابا کو زبان دی ہوئی تھی، نجانے کیسے سمجھا بجھا کر وہ معید کو واپس پاکستان لے کر آئے، مجھ سے بیاہ کرنے کے لئے بابا کو جب معید کی پہلی شادی کا علم ہوا تو انہوں نے اسے گھر سے باہر نکال دیا یہ کہہ کر کہ وہ زندگی بھر اس کی صورت نہیں دیکھنا چاہتے، مجھے اس تمام واقعے کی کان و کان خبر نہ ہوئی اور نہ ہی میں نے بابا سے انکار کی وجہ پوچھی، معید اور اس کی فیملی کو پتا تھا کہ بابا کی تمام جائیداد کی اکلوتی وارث میں ہوں، اس دن تو وہ لوگ خاموشی سے واپس چلے گئے لیکن معید سائے کی طرح میرے پیچھے پڑا رہا اور لاہور میں ہی کرائے کا مکان لے کر یہیں شفٹ ہو گیا، پھر ایک دن میں اپنے والدین سمیت اپنے آبائی شہر مظفر آباد گئی، اگلی صبح میں واک کے ارادے سے گھر سے باہر نکلی، مجھے کیا خبر تھی کہ واپسی پر میری دنیا ہی اجڑ جائے گی، واک کے دوران ہی زلزلے کے خوفناک جھٹکوں سے دل اچھل کر حلق کو آ گیا، خوف کے مارے میں وہیں زمین پر ہی بیٹھ گئی، پھر کچھ ہی لمحوں میں تیز دھماکے دار آوازیں گونجیں، ایسے جیسے قیامت آ گئی ہو، میری آنکھوں کے سامنے گھر اس طرح سے زمین بوس ہو رہے تھے جیسے وہ گھر اینٹوں سے نہیں بلکہ کچی مٹی سے بنے ہوں، وہ منظر میرے لئے ناقابل یقین تھا، مجھے لگا جیسے میں کوئی ڈراونا خواب دیکھ رہی ہوں، پر وہ حقیقت تھی، ایک خوفناک حقیقت۔'' اس نے اپنی غم بھری داستان سناتے سناتے بہتی آنکھوں سے سائیڈ چیئر پر حیران و پریشان بیٹھے اجمل کی جانب دیکھا، اجمل کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔

''مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ میں اٹھ کر اپنے آبائی گھر کی طرف دوڑ لگاتی جب زلزلے کے جھٹکے رکے تو میں ہوش میں آئی، گھر پہنچی تو گھر کی جگہ ایک کھلا میدان ملا جہاں جا بجا ٹوٹے ہوئے مکانوں کی اینٹوں کے ڈھیر پڑے تھے، ہر طرف ماتم کا سا سماں تھا، کچھ لوگ وہاں موجود تھے، جو اس قیامت خیز منظر کو دیکھ کر آنسو بہا رہے تھے،

سیلن میں اس وقت نہیں روئی تھی، بس بت بنی بے یقینی کے عالم میں اپنے آبائی گھر کے ملبے کی جانب دیکھے چلے جا رہی تھی، اس ملبے تلے میرے بابا، مما زندہ دفن ہو چکے تھے، میرا پورا خاندان مظفر آباد میں رہائش پذیر تھا اور اس دن میرا پورا خاندان اس ہیبت ناک زلزلے کا شکار ہوگیا تھا، میری زندگی میں وہ پہلی قیامت تھی۔''

گہری خاموشی ان دونوں کے بیچ بہت دیر تک چھائی رہی تھی، انجل پریشان کن انداز میں لب بھینچے کسی گہری سوچ میں گم ہوگیا تھا، جبکہ دیا نے آنسو بہاتے ہوئے ایک بار پھر سے اپنی ادھوری داستان سنانی شروع کی تھی۔

''معید کی فیملی اس وقت سڈنی میں تھی اور وہ خود لاہور میں تھا اسی لئے وہ اور اس کی فیملی اس قیامت سے بچ نکلے، میری بقیہ زندگی کو قیامت خیز بنانے کے لئے وہ اگلے ہی دن مظفر آباد چلا آیا اور مجھے واپس لئے لاہور واپس آ گیا، لاہور آتے ہی اس نے مجھ سے نکاح کیا، اتنا رحمدل اور ہمدرد بنا وہ چند دن مجھے بے وقوف بناتا رہا، پھر ایک رات نشے کی حالت میں گھر آیا تو مجھ پر اس کی تمام حقیقت عیاں ہوئی، اس نے نشے کی حالت میں اپنی پہلی شادی سے بھی آگاہ کیا اور وہ پہلا دن تھا جب اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے اس نے میرا جینا حرام کر دیا، ہر روز نئی اذیت دیتا اور میں خاموش رہتی، میرے پاس خاموش رہنے کے سوا کوئی دوسری آپشن نہ تھی، چپ چاپ اس کے ظلم سہتی رہی اور پھر اس رات جب آپ نے آ کر معید کو مجھ پر ہاتھ اٹھانے سے روکا تو مجھ میں بھی تھوڑی ہمت آئی کے گھر واپس جانے سے انکار کر سکوں، پر واپس تو جانا ہی تھا، اس رات میں نے پہلی بار گھر سے بھاگنے کی کوشش کی تھی پر...... وہ درندہ صفت انسان مجھے گھسیٹتا ہوا گھر واپس لے گیا۔''

انجل نے اس کے خاموش ہوتے ہی ایک خاموش نگاہ اس کے سپاٹ چہرے کی طرف دوڑائی اور پھر نظریں چرا کر زمین کو دیکھنے لگا تبھی دیا کی آواز ایک بار پھر سے اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''میں آج سوچتی ہوں کہ کاش میں بھی اس دن اپنے والدین سمیت زندہ زمین میں دفن ہو جاتی تو آج اتنی ذلت بھری زندگی نہ گزار رہی ہوتی، میرا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں۔'' وہ ایک بار پھر سے رو دی تھی، انجل کے پاس کہنے کو کچھ نہ بچا تھا تبھی وہ لمبی سانس کھینچتے ہوئے خاموشی سے کھڑا ہوا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

پولیس کو اپنا بیان لکھوانے کے دو دن بعد ہی دیا کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا، ڈرائیونگ کرتے انجل کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی دیا گم صم نگاہوں سے باہر دوڑتی گاڑیوں کو بڑی خاموشی سے دیکھے چلے جا رہی تھی، چند ثانیے بعد انجل نے گلی کا موڑ کاٹتے ہی اس کی جانب دیکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''آں...... مجھے لگتا ہے کہ تمہارا اس گھر میں اب رہنا کسی خطرے سے خالی نہیں، میرا مطلب ہو سکتا ہے کہ معید پھر سے وہاں آئے۔''

''تو کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ میرے پاس اس گھر کے سوا اور کوئی پناہ گاہ نہیں۔'' دیا نے نظروں کا زاویہ بدلے بغیر باہر دوڑتی گاڑیوں پر ہی نظریں جمائے لمبی سانس کھینچ کر کہا تو ساتھ بیٹھا انجل حیران کن انداز میں اس کی جانب دیکھ کر گویا ہوا۔

''پناہ گاہ؟ تم اس گھر کو پناہ گاہ کہہ رہی ہو جہاں سب سے زیادہ خطرہ ہے تمہیں۔'' اس بار وہ خاموش ہی بیٹھی رہی تو انجل نے نفی میں سر

ہلاتے ہوئے کہا۔

''تو تم اب وہاں نہیں رہو گی، میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں، تم اپنا سامان پیک کرلو۔''

''پھر؟'' اس بار اس نے پلٹ کر براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ سامنے لگے بیک مرر میں اچٹتی نگاہ ڈال کر ڈرائیونگ کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''ہمارا پراپرٹی کا بزنس ہے، ایک دو گھر ابھی رینٹ آؤٹ نہیں ہوئے، معید کے اریسٹ ہونے تک تم وہاں رہو گی۔''

''لیکن!''

''لیکن ویکن کچھ نہیں، تم جلدی سے سامان پیک کرو اور چلو میرے ساتھ۔'' دیا کے گھر کے باہر گاڑی روکتے ہی اس نے حکم دیتے ہوئے کہا تو فرنٹ سیٹ پر بیٹھی دیا کچھ سوچتے ہوئے لمبی سانس کھینچ کر گاڑی کا دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل آئی۔

اجمل نے سامان پیک کروانے میں دیا کا پورا پورا ساتھ دیا تھا، کارڈ بورڈ باکسز اور سوٹ کیسز پیک کرنے کے بعد وہ لاؤنج کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے فریم کی طرف چلی آئی، دیا اور معید کی شادی کی تصویر اس فریم میں چسپاں تھی جس میں وہ دونوں ہی مسکراتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے، فریم کو اٹھا کر وہ نم نگاہوں سے اس تصویر کی جانب دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں ہم کلام ہوئی تھی۔

''میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھے تم معید، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' نفرت بھری نگاہ تصویر پر ڈالتے ہوئے اس نے اپنی پوری طاقت سے فریم اچھال کر سامنے دیوار میں دے مارا تھا، کانچ ٹوٹنے کی آواز پر اجمل تقریباً دوڑتا ہوا کمرے سے باہر آیا اور لاؤنج کی دیوار کے پاس ٹوٹا فریم دیکھ کر وہ دیا کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔

''آر یو اوکے؟''

گالوں پر لڑھکتے آنسوؤں کو انگلیوں کے پوروں سے صاف کرتی دیا اثبات میں سر ہلا کر نظروں کا زاویہ بدل گئی تھی، اجمل ایک بار پھر سے ٹوٹے فریم کی جانب دیکھتے ہوئے سوٹ کیس اٹھاتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

دیا کو گھر شفٹ کیے ایک مہینہ ہو چلا تھا، اسی دوران اجمل بھی کبھی کبھی دیا کی خیر خیریت معلوم کرنے اس سے ملنے چلا آتا تھا، آج ٹھیک ایک مہینہ بعد جا کر معید پولیس کے ہاتھ لگا تو اجمل بنا فون کیئے دیا سے ملنے چلا آیا، دروازہ کھولتے ہی دیا نے اسے اندر آنے کی اجازت دی اور صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''بیٹھیے، چائے لاؤں آپ کے لیے؟''

''نہیں، صرف چائے نہیں، آج تو تمہاری طرف سے ٹریٹ بنتی ہے، اس لئے کھانا کھاؤں گا۔'' اجمل نے دھیرے سے مسکرا کر کہا تو وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اس کی بات دہرا کر بولنے لگی۔

''ٹریٹ؟ کس بات کی ٹریٹ؟''

''معید اریسٹ ہوگیا ہے۔'' اتنا سننا تھا کہ حیرانی، خوشی، نفرت کی ملی جلی کیفیات کے مارے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، اجمل ابھی بھی مسکرا رہا تھا۔

''کیا ہوا؟ تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟''

''کس بات کی خوشی مناؤں؟ اریسٹ ہوگیا ہے تو کچھ عرصہ بعد واپس رہا بھی ہو جائے گا اور پھر جب اسے معلوم پڑے گا کہ میں زندہ ہوں تو

وہ ایک بار پھر سے میری زندگی برباد کرنے......"
"نہیں، ایسا نہیں ہوگا، وہ اب تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔" اجمل نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو وہ حیرانگی سے اس کی جانب دیکھ کر بولی۔
"کیسے نہیں پہنچ سکتا؟ جب اسے معلوم پڑے گا کہ میں زندہ ہوں تو وہ لازمی مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔"
"میں نے کہا نہ ایسا کچھ نہیں ہوگا، خیر تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"
"لیکن!"
"ارے اتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے، ٹریٹ تو بنتی ہے ناں؟" اجمل کے انداز پر وہ مسکرا دی تھی اور پھر مثبت انداز میں سر ہلاتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد ریسٹورنٹ سے باہر نکلتے ہوئے اجمل کا سامنا ایک ایسی شخصیت سے ہوا جس کا سامنا وہ زندگی بھر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تراشیدہ شولڈ کٹ بالوں کو پونی ٹیل میں قید کیے وہ پتلے پتلے نین نقش والی خوبصورت لڑکی اس کے مقابل کھڑی نم نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی، اسے اپنے عین سامنے کھڑے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے رکا تھا اور پھر اگلے ہی لمحے اپنے ساتھ کھڑی دیا کا ہاتھ پکڑ کر بہت ہی دھیمے انداز میں گویا ہوا تھا۔
"چلو دیا۔"
پہلی بار اپنے ہاتھ پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی وہ چونک کر اس کی اور پھر سامنے حیران کھڑی لڑکی کی جانب دیکھنے لگی تھی جو اس وقت اجمل سے مخاطب تھی۔
"اجمل! میری بات تو سنو۔" لیکن وہ اس کی آواز کو ان سنا کر کے آگے بڑھ گیا تھا، گاڑی کے نزدیک پہنچتے ہی اس نے دیا کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے سر جھکا کر شرمندہ لہجے میں کہا۔
"آئی ایم رئیلی ویری سوری۔" دیا بنا کچھ بولے پلٹ کر گاڑی کی دوسری جانب بڑھ گئی۔
ڈرائیونگ کے دوران کافی دیر تک دونوں کے بیچ خاموشی چھائی رہی، پھر تھوڑی دیر بعد دیا نے اجمل کی جانب دیکھتے ہوئے دھیمے انداز میں پوچھا۔
"آپ نے اپنے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا؟"
"ایک عام سا آدمی ہوں، دو آنکھیں ہیں، دو کان، ایک ناک اور......"
"میں نے یہ نہیں پوچھا۔"
"اور کیا جاننا چاہتی ہو؟"
"آپ ایک رحمدل، خوش اخلاق اور شریف انسان ہیں، اس کے علاوہ آپ کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتی۔"
"اتنا کافی نہیں؟"
"ہوں۔"
وہ اب خاموشی سے باہر سڑک پر دوڑتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی تھی، چند ثانیے بعد اجمل کی آواز ایک بار پھر سے اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔
"میری مما ہاؤس وائف ہیں، بابا ریٹائرڈ آفیسر، دو بہنیں ہیں، شادی شدہ اور ایک میں ایم بی اے کرنے کے بعد اپنا خاندانی بزنس جوائن کیا ہوا ہے، دیٹس آل۔" دیا نے لب بھینچتے ہوئے اس کی جانب دیکھ کر پوچھا۔
"اور وہ لڑکی کون تھی؟" گہری سنجیدگی چہرے پر سجائے وہ کچھ دیر خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا اور پھر بولا۔
"کزن ہے، جو کبھی میری منگیتر بھی تھی۔"
"تھی؟"

''ہاں شادی سے ایک ماہ پہلے اس نے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔''

''کیوں؟''

''یونیورسٹی میں شاید مجھ سے بہتر کوئی مل گیا تھا۔''

''لیکن آج تو وہ......''

''آئی نو، پشیمان لگ رہی تھی، کیونکہ جس کے لئے اس نے مجھے چھوڑا تھا وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا اور اب یہ محترمہ میری زندگی میں واپس آنا چاہتی ہیں۔''

''تو؟''

''تو کیا؟ کسی اور کے لئے اس نے مجھے دھتکارا اور پھر اس کے دھتکارے جانے پر وہ واپس پلٹ کر میری زندگی میں آئے اس کی اجازت میں اسے ہرگز نہیں دوں گا، ویسے بھی میرے دل میں اس کے لئے اب کوئی جگہ نہیں۔''

گاڑی گھر کے گیٹ پر رکتے ہی اس نے گہری سنجیدگی سے اپنی طرف دیکھتی دیا کی جانب دیکھا تو وہ نظروں کا زاویہ بدل کر گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی اتنے میں انجل ایک بار پھر سے گویا ہوا تھا۔

''تم معید سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہو؟'' اس کی بات پر وہ وہیں ساکت ہوگئی تھی اور پھر اس کی جانب دیکھتے ہوئے دھیمے سے جواباً بولی۔

''افکورس۔''

''ہوں، صبح تیار رہنا، میں تمہیں پک کرلوں گا، اراؤنڈ نین او کلاک۔''

''کہاں جانا ہے؟''

''لائر کے پاس، تمہاری خلع کے لئے۔''

اب کے بار وہ بنا پلکیں جھپکائے اس کی جانب دیکھتی رہی تھی اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد لب بھینچے ہوئے نظریں جھکائے وہ گاڑی سے اتر کر گھر کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئی تھی جبکہ انجل کافی دیر تک وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا تھا اور پھر گاڑی ریورس گیئر پر ڈال کر اس گھر کی حدود سے کوسوں دور چلا گیا تھا۔

☆☆☆

رشتوں کی بہار انسان کے لئے ایک عجب احساس پیدا کرتی ہے، ہم پر وقت کی عنایات کے دروازے کھلتے ہیں، لوگ ہمارے ساتھ شریک ہو کر ہماری خوشی میں اضافہ کرتے ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ ہم دیکھے اور سوچے جا رہے ہیں، ہم محسوس کیے جا رہے ہیں، ہم ایک وسیع اور عظیم زندگی کا لازمی حصہ بن گئے ہیں، ہمارے بغیر زندگی نامکمل تھی، ہمارے آنے سے سب کچھ ہوا، لوگ ہمارا انتظار کر رہے تھے، زندگی ہمارے استقبال میں کھڑی تھی، ہم خود کو نہایت ہی ایک اہم فرد سمجھتے ہیں، ہم نہ ہوتے تو شاید کچھ بھی نہ ہوتا، لیکن......

یہ لیکن ایک اداس لیکن ہے۔

کچھ ہی عرصہ میں سب کچھ بدلنا شروع ہو جاتا ہے، ہم پر برسنے والے پیار کے بادل، بے اعتنائی کی آندھی سے اڑ جاتے ہیں، محبت کرنے والے محبت کرنے والے نہیں رہتے، ہماری خوشیاں ہمارے غم بننا شروع ہو جاتی ہیں، ہمارے، ہمارے نہیں رہتے، ہمارا وجود زندگی میں ہی غیر موجود ہونا شروع ہو جاتا ہے، ہمارے تذکرے زبانوں سے اتر جاتے ہیں، ہماری محبت ہماری آزمائش بن جاتی ہے۔

رشتے دم توڑ دیتے ہیں، کچھ لوگ ہمیں چھوڑ دیتے ہیں تو کچھ لوگوں کو ہم چھوڑ دیتے ہیں، کچھ ہمیں بھول جاتے ہیں اور کچھ کو ہم، جن کے بغیر گزارا نہیں ہوتا تھا، ان کے ساتھ گزارا مشکل ہو جاتا ہے، رشتوں کی داستان شروع سے چلی آ

رہی ہے، رشتے پیدا ہوتے ہیں، بنتے ہیں، بنائے جاتے ہیں پھر رشتے ٹوٹتے ہیں اور جزا وسزا مرتب کرتے ہیں، اس سے پہلے کہ دیا معید کے لئے کوئی سزا مرتب کرتی، اس نے اپنے لئے خود ہی ایک سزا چن لی تھی، عدالت جاتے دوران ہی پھرتی سے ایک سپاہی کی گن چھین کر معید نے خود کو گولی مار کر زندگی سے آزاد کر دیا تھا۔

معید کی موت کی خبر سنتے ہی دیا نے نم بھری نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا تھا، لمبی سانس کھینچتے ہوئے وہ پرسکون اور رندھی آواز میں گویا ہوئی تھی۔

''معید چلا گیا، ہمیشہ کے لئے، اب وہ مجھ پر ظلم کرنے کہیں سے نہیں آئے گا، آج سے میں آزاد ہوں۔'' لب بھینچ کر وہ بہتی نگاہوں سے مسکراتے ہوئے سامنے کھڑے اجمل کی جانب دیکھنے لگی تھی، جو اس کے مسکرانے پر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

لمحے منٹوں میں، منٹ گھنٹوں میں، گھنٹے دنوں میں، دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں بدلنے لگے تھے، پلک جھپکتے دو مہینے گزر گئے تھے، دیا اور اجمل اکثر فون پر اک دوجے کی خیریت معلوم کر لیا کرتے، اجمل پچھلے ایک مہینے سے آؤٹ آف کنٹری گیا ہوا تھا، اسی دوران دیا نے جاب کے لئے اپلائے کر دیا، جاب کا لیٹر موصول ہوتے ہی اس نے اپنے آفس کے نزدیک ایک اپارٹمنٹ بھی کرائے پر رہنے کے لئے منتخب کر لیا، اجمل کے اس پر ڈھیروں احسانات تھے، لیکن اب وہ مزید اجمل پر بوجھ ہرگز نہ بننا چاہتی تھی، اس رات زوروں کی آندھی چل رہی تھی، بجلی اور بادل ایک ساتھ گرج کر ماحول میں چھائی خاموشی پر حاوی ہو جاتے۔

اجمل کی گاڑی رات کی تاریکی میں دیا کے گھر کے گیٹ کے باہر آ رکی تھی، اس نے گاڑی سے باہر نکل کر اطلاعی بیل بجائی تھی، دو سے تین بار اطلاعی بیل بجانے کے بعد اندر سے دیا کی آواز سنائی دی۔

''کون ہے؟''

''میں ہوں اجمل!'' دیا نے آواز سنتے ہی فوراً آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا تھا، اجازت ملتے ہی وہ دیا کے ہمراہ گھر کے اندرونی حصہ میں داخل ہو گیا تھا۔

''لگتا ہے بارش ہونے والی ہے۔''

''ہوں۔'' اجمل نے اندرونی حصہ میں داخل ہوتے ہی پلٹ کر دیا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مثبت انداز میں سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ کر بولی۔

''آپ واپس کب آئے؟''

''آج ہی، تمہیں کافی کالز کی تھیں، پر تم اٹینڈ نہیں کر رہی تھیں، اسی لئے تم سے ملنے چلا آیا، سب ٹھیک ہے ناں؟''

''جی سب ٹھیک ہے، میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔''

''ہوں، اس سے پہلے ایک پانی کا گلاس، بہت پیاس لگ رہی ہے۔''

''او کے۔'' دیا سر ہلاتے ہوئے کچن کی جانب بڑھی تو صوفے پر براجمان ہوتے اجمل کی نظر سامنے پیک پڑے کارڈ باکسز اور سوٹ کیسز پر پڑی، وہ حیران کن نگاہوں سے پیک سامان کی جانب دیکھتا ہوا اٹھ کر کچن کی جانب بڑھ گیا۔

''دیا! یہ باہر سوٹ کیسز اور باکسز......؟''

اس سے پہلے کہ وہ اپنا سوال مکمل کرتا، دیا گلاس اس کی جانب بڑھاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''میں نے جاب کے لئے اپلائے کیا تھا، پچھلے ہفتے مجھے لیٹر موصول ہوا تو میں نے آفس کے نزدیک ہی کرائے پر ایک اپارٹمنٹ لے لیا، آفس جانے میں آسانی رہے گی۔''

''اوہ۔'' سیٹی بجانے والے انداز میں وہ اپنے ہونٹوں کو سکیڑے گلاس ہاتھ میں تھامے خاموشی سے واپس لاؤنج میں چلا آیا، اس کے لاؤنج میں آتے ہی دیا بھی تیزی سے چلتی ہوئی لاؤنج میں چلی آئی تھی۔

''اجل!''

''ہوں۔''

''آئی ایم سوری، میں آپ کو پہلے ہی بتانا چاہتی تھی، لیکن......''

''اٹس او کے دیا، یہ تمہاری لائف ہے، آل اپ ٹو یو۔'' اجل گہری سنجیدگی سے گویا ہوا تو دیا نظریں جھکا گئی، پانی کا گلاس سامنے ٹیبل پر رکھتے ہی اجل نے اپنے قدم واپس بیرونی دروازے کی جانب بڑھائے تو وہ جلدی سے بولی۔

''کہاں جارہے ہیں؟''

''جب تم مجھے کچھ بھی بتانا ضروری نہیں سمجھتیں تو وائے شڈ آئی ٹیل یو ایوری تھینگ؟''

''آئی سیڈ ایم سوری۔''

''سوری بولنے سے کیا ہوتا ہے؟'' وہ ایک بار پھر سے نظریں جھکا گئی تو اجل دھیمے انداز میں گویا ہوا۔

''دیا! تمہیں جو کرنا ہے کرو، میرا کوئی حق نہیں کہ میں تم سے کچھ بھی پوچھوں، رکوں یا ٹوکوں پر...... ایک بار مجھ سے کہہ تو دیتیں، اگر آج میں یہاں نہیں آتا تو، کل تک تم غائب ہو چکی ہوتیں۔''

''نہیں میں آپ کو بتا کر جانے والی تھی۔'' اجل اس بار براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تو وہ کسی چور کی طرح اپنی آنکھیں چرا گئی۔

''فائن، گڈ لک۔'' پھر وہ دروازہ کھولتے ہی گھر کے بیرونی حصہ میں چلا آیا، دیا ایک بار پھر سے تقریباً دوڑتی ہوئی اس کے پیچھے آئی تھی۔

''اجل!'' وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں نے کہا ناں سوری۔''

''او کے۔''

''پھر اس طرح ناراض ہو کر کیوں جارہے ہیں؟''

''تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔''

''فرق پڑتا ہے، آپ میرے محسن ہیں اور اپنے محسن کو ناراض کرنے والے سے اللہ بھی ناراض ہو جاتا ہے۔'' کچھ دیر خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے کے بعد وہ گہری سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

''کیوں جارہی ہو یہ گھر چھوڑ کر؟''

''آپ کے پہلے ہی مجھ پر ڈھیروں احسانات ہیں، میں آپ پر مزید بوجھ ہرگز نہیں بننا چاہتی۔''

''کس نے کہا کہ تم مجھ پر بوجھ ہو؟''

''کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں میں جانتی ہوں۔''

''تو ٹھیک ہے ناں، جاؤ پھر۔'' خاموشی سے نظریں جھکائے وہ لب بھینچ گئی تو اجل نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

''ڈونٹ گو، پلیز۔''

''میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں اجل، آخر ایسا کب تک چلتا رہے گا؟ آس پاس کے لوگ اور آپ کی فیملی کو یہ بات یقیناً ناگوار

گزرے گی کہ آپ روز مجھ سے یہاں ملنے آتیں، کل کو لوگ باتیں بنائیں گے، مجھ پر انگلی اٹھائیں گے اور آپ ہی نے تو کہا تھا کہ معید کے اریسٹ ہونے تک میں یہاں رہ سکتی ہوں، اب تو معید کا سایہ بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتا، میں آزاد ہوں، مجھے معید کا ڈر بھی نہیں پھر...... پھر اب آپ مجھے کیوں روکنا چاہتے ہیں؟'' وہ بھنچی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ کر بولی تو اجل کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''بی کوز...... آئی لو یو۔'' اتنا سننا تھا کہ دیا کے دل کی دھڑکن ایک دم زوروں سے دھڑکنے لگی، وہ پھٹی نگاہوں سے اجل کی جانب دیکھنے لگی تھی، جو سامنے کھڑا اسی کی جانب دیکھتے ہوئے اسی سے مخاطب تھا۔

''اور نہ ہی میں تمہیں اب مزید کسی مشکل میں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' آنسو تھے کو پورے بند توڑ کر بہہ نکلنے کو تیار تھے مگر وہ بوجھل ہوتی نم نگاہوں میں حیرانگی بھرے سامنے کھڑے اس شخص کو دیکھے چلی جا رہی تھی، کافی دیر خاموش رہ کر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد وہ مایوس ہو کر دھیمے انداز میں بولا۔

''آئی ایم سوری۔'' اپنا جملہ کہتے ہی وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گیٹ کی جانب بڑھ گیا اور پھر اس کے قدم تب تھمے تھے جب دیا کی بھیگی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''آئی لو یو ٹو۔'' دیا کی آواز پر اس نے بجلی کی سی تیزی سے پلٹ کر آنسو بہاتی دیا کی جانب دیکھا تھا، اسے اپنی جانب دیکھتے پا کر وہ ایک بار پھر سے اپنی نظریں جھکا گئی تو اجل پلٹ کر ایک بار پھر سے اس کے مقابل آ کھڑا ہوا، آنکھوں میں حیرانگی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے وہ بے یقینی کے عالم میں پوچھنے لگا تھا۔

''ریئلی!'' مثبت انداز میں سر ہلاتی ہوئی وہ اس کی جانب دیکھنے لگی تو اجل نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ایک بار پھر سے پوچھا۔

''سو، ویل یو میری می؟'' اس کے انداز پر وہ آنسو بہاتے ہوئے مسکرا دی تھی تبھی اجل نے ایک بار پھر سے اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔

''آئی لو یو سو مچ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد تمہاری ان خوبصورت آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آنے دوں گا، آئی پرامس۔'' لب بھینچے آنکھوں میں نمی لئے وہ ایک بار پھر سے مسکرائی تو اجل اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں سے اس کے گال پر اٹکے آنسو کو صاف کرتے ہوئے دھیمے سے بولا۔

''اٹ واز لاسٹ ٹائم!'' اور پھر اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لئے وہ گھر کے اندرونی حصہ میں داخل ہو گیا تھا، رات کی گہری تاریکی کے بعد ان دونوں کی زندگی نئے سویرے میں ڈھلنے جا رہی تھی، جہاں صبح کا اجالا اور زندگی کی تمام خوشیاں بانہیں پھیلائے ان کا استقبال کرنے کو تیار تھیں، اندھیرے، مشکلیں اور غم دور کہیں بہت دور چھوٹ گئے تھے۔

☆☆☆

سعدیہ عابد

وہ لاؤنج میں کسی کی موجودگی سے یکسر انجان اپنی ہی دھن میں داخل ہوئی تھی کہ صوفے پر بیٹھے شخص پر نگاہ پڑتے ہی وہ جہاں کی تہاں رہ گئی تھی اور ساکت نگاہوں سے اس کے یکسر نئے روپ کو دیکھنے لگی تھی وہ اس کے سامنے ہی تو صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بڑی بے نیازی سے بیٹھا تھا اس کا خوبصورت چہرہ گہری سنجیدگی کا مظہر تھا کچھ کہتی نگاہوں پر فریم لیس گلاسز لگے تھے اس نئی تبدیلی نے اس کے خوبرو چہرے کی ہیئت ہی بدل ڈالی تھی۔

بلیک پینٹ کوٹ پر وائٹ شرٹ پہنے وہ اس قدر جاذب نظر لگ رہا تھا کہ وہ یک ٹک حیرانگی کے عالم میں اس دیکھے جا رہی تھی اور وہ جو اس کی آہٹ پر ہی اس کی موجودگی سے واقف ہو گیا تھا اس کی جانب جان کر قدرے وقفے سے نگاہ اٹھائی تھی وہ ویسی ہی تھی حسین اور سنجیدہ پر وقار سی، کچھ نیا تھا تو اس کی آنکھوں کی بے یقینی وہ گہری سانس کھینچتا اس کے مدمقابل آن ٹھہرا تھا اس کا ٹرانس بکھرا تھا اور وہ پلکیں جھپکا گئی تھی جبکہ پلک نہ جھپکانے کی باری اس کی تھی وہ فیروزی کاٹن کے ایمبرائڈڈ سوٹ میں لمبے بالوں کی سادہ سی چوٹی بنائے ہر طرح کی آرائش سے مبرا اپنے حسن کے لشکاروں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ مدمقابل ہو تو وہ سانس لینا بھول جاتا تھا خود کو یاد رکھنا تو دور کی بات تھی اور وہ تقریباً تین ساڑھے تین سال بعد اسے اپنے سامنے پاکر وہ بھی نئے روپ میں حیران ہوئی تھی لیکن اس کی نگاہوں سے آشکار ہوتے اس کے جذبے اسے ہمیشہ کی طرح چڑانے کا سبب بن گئے تھے، وہ یکدم سرخ پڑ گئی تھی اور لب بھینچے جیسے ہی جانے کو پلٹی وہ اس کی کلائی تھام گیا اس کی اس حرکت پر اس کا برسوں سے سویا غصہ و ناگواری عود آئے اور وہ جھٹکے سے مڑتے ہوئے کلائی اس کی گرفت سے نکال گئی کچھ کہنے کو گلابی لب وا کیے ہی تھے کہ وہ بول پڑا۔

”میں تم سے بات کرنے کے لئے آیا ہوں۔“ اس کا بہت ٹھہرا ہوا گمبھیر لہجہ اس کی سماعتوں کو بے یقین کر گیا تھا کہ وہ کہاں اتنے خوبصورت لب ولہجہ کا مالک تھا وہ ایک بار پھر اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی جبکہ اس کے یوں بے یقینی سے دیکھنے پر اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا اور وہ شکستگی سی محسوس کرتا صوفے کی جانب بڑھ گیا تھا اور وہ اپنی حیرت سے نکل کر اس کے سامنے آبیٹھی تھی۔

”میں بڑے پاپا کی وفات کی خبر سن کر آنا چاہتا تھا مگر میں ملک سے باہر تھا اور بہت چاہ کر بھی ان کی آخری رسومات میں شامل نہ ہو سکا۔“ اس کے سنجیدگی سے کہنے پر دانیہ کے آنسو رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے اور وہ اس دشمن جاں کو روتا دیکھ شخص اپنا ضبط آزما کر رہ گیا تھا۔

”ہر انسان کی اپنی زندگی اور اس کی اپنی ہی معروفیات ہوتی ہیں اس لئے ہمیں آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے، آپ تعزیت کے لئے آئے ہم اس کے لئے آپ کے مشکور ہیں۔“ وہ بڑی سرعت سے آنسو پونچھتی اپنے ازلی بیگانہ سے سرد لہجے میں بولتی اسے تاسف میں مبتلا کر گئی تھی وہ کچھ اور کہتا کہ رانیہ لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اور اسے دیکھ بڑے بے تابانہ انداز میں اس کی طرف بڑھ آئی تھی۔

”بھیا! پاپا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔“ اس کی سرد مہری کے برعکس وہ اس کے کاندھے سے لگی بری طرح روتے ہوئے کہتی اسے اپنائیت کا گہرا احساس بخش گئی تھی۔

”رانی گڑیا! حوصلہ رکھو، بڑے پاپا کی

زندگی ہی اتنی تھی۔'' وہ اسے خود سے لگائے نرمی سے اس کا سر سہلاتے ہوئے دکھی لہجے میں دلاسہ دے گیا تھا۔

''رانیہ! اپنے کمرے میں جا کر یونیفارم چینج کر کے فریش ہو جاؤ۔'' وہ اسے چپ کروانے میں کامیاب ہو گیا تھا تب وہ اپنی مخصوص سرد مہری سے بول پڑی تھی۔

''بھیا! آپ واپس تو نہیں جاؤ گے نا؟'' وہ وانیہ سے ڈرتی تھی اس لئے لمحہ ضائع کیے بنا اٹھ گئی تھی مگر بڑی آس سے جاتے اسے دیکھا تھا۔

''میں ابھی کچھ دن ٹھہروں گا۔'' وہ مسکرایا تھا وہ کھل اٹھی تھی اس کے برعکس اس کے منہ کے زاویے بگڑ گئے تھے۔

''میں نے یہاں تمہارے لئے آیا ہوں نہ ہی تمہاری مرضی کا خیال رکھوں گا، مجھے بڑی ماما نے بلایا ہے اور وہ جب تک چاہیں گی میں یہی ٹھہروں گا۔'' اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ ان لوگوں کی فکر نہ کرے اور تعزیت کر چکا ہے لہٰذا چلتا بنے اور اس کا صاف الفاظ میں کہنا اسے غصہ دلا گیا تھا اور وہ اس سے زیادہ سرد لہجہ میں بولا تھا روبینہ بیگم نے لب بھینچ لئے تھے کہ بیٹی کی بات ہی نہیں اس کا جتانا بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہا تھا اور انہوں نے بیٹی کو تاسف سے دیکھتے ہوئے اس کی تائید کی تھی وہ جھٹکے سے اٹھی مگر ماں کی پکار کے سبب وہاں سے جا نہیں سکی تھی۔

''ٹھہر جاؤ رانی، بات کرنی ہے کچھ۔'' وہ بگڑے زاویوں کے ساتھ واپس بیٹھ گئی تھی۔

''صمیم کو میں نے اس لئے بلایا ہے کہ میں جلد از جلد اپنے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتی ہوں۔'' سنجیدگی سے کہے جملے نے اسے خاموش بیٹھے صمیم کی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا مگر اس نے جواباً اسے نہایت سرد نگاہوں سے دیکھ کر اسے نگاہ ہٹانے پر بھی مجبور کر ڈالا تھا۔

''نکاح تو ہو گیا تھا اب میں تمہیں صمیم کے سنگ رخصت کر دینا چاہتی ہوں۔'' وہ ماں کو ناراض نظروں سے دیکھنے لگی تھی گویا کہہ رہی ہو کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ یہ فیصلہ کیسے لے سکتی ہیں؟

''میں تمہارے انکار کو اب کوئی اہمیت نہیں دوں گی۔'' انہوں نے بیٹی کی سوچ پڑھ کر اسے باور کروایا تھا۔

''لیکن ماما.....''

''لیکن ویکن کچھ نہیں، میں تمہاری رخصتی کی ڈیٹ فائنل کر رہی ہوں۔'' وہ اسے موقع دیئے بغیر کہتے ہوئے خاموش تماشائی بنے صمیم کی جانب گھومتی تھیں۔

''میں چاہتی ہوں صمیم کے اس جمعہ کو رخصتی کی چھوٹی سی تقریب رکھ لی جائے، اس پر تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟'' اب انہوں نے براہ راست صمیم سے سوال کیا تھا جس نے ایک نگاہ ضبط کرتی، آنسوؤں کو پینے کی ناکام کوشش کرتی وانیہ کو دیکھا تھا اور فیصلہ کن لہجہ میں بولا تھا۔

''مجھے اعتراض ہے بڑی ماما۔'' وہ دونوں ہی بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی تھیں جبکہ وہ مزید گویا ہوا تھا۔

''میں اس زبردستی کے بندھن کو کسی بوجھ کی طرح کاندھوں پر اٹھائے نہیں پھرنا چاہتا اس لئے آپ رخصتی کی بات نہ کریں کہ میں رشتہ قائم رکھنے نہیں ختم کرنے کے لئے آیا ہوں۔'' اس کی بے یقینی بڑھی تھی اور وہ تو صدمہ کے زیر اثر چلی گئی تھیں۔

''تم ایسا کیسے کر سکتے ہو صمیم۔'' ان کی اداس آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''یہی میرے اور وانیہ کے لئے مناسب ہے بڑی ماما، میں کچھ دنوں تک ڈائیورس پیپرز تیار کروا کر وانیہ کو ڈائیورس دے دوں گا۔'' اس نے سرد مہری کی انتہا کر ڈالی تھی اس نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کے اجنبی انداز کی جانب توجہ مرکوز کی تھی کہ اسے ماں کی جانب متوجہ ہونا پڑا تھا، وہ صمیم کے منہ سے طلاق کی بات برداشت نہیں کر پائی تھیں اور سینے پر بائیں جانب ہاتھ رکھیں اپنے پورے قد سے زمین پر گرتی چلی گئی تھیں۔

''ماما!'' وہ بے اختیار ماں کی طرف لپکی تھی۔

''میری ماما کو کچھ ہوا تو میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ ماں کا رخسار تھپکتی سسکی تھی۔

''تمہاری سرد مہری نے میری ماں کی جان لے لی مگر میں نے معاف کرنے یا نہ کرنے کے مسئلہ کو زیر بحث لانے کی کوشش تک نہ کی وانیہ بیگم۔'' اس کے ٹھنڈے لہجے میں اس کا حرکت کرتا ہاتھ تھم سا گیا تھا اور بھیگی پلکیں اس کے غیر معمولی سنجیدہ چہرے پر ٹھہری گئی تھیں۔

''اور آج مجھے معاف نہ کرنے کی بات تم کیسے کر سکتی ہو کہ میں نے تو وہی کیا جو تم چاہتی تھیں۔'' اس کے صاف جتانے پر وہ نگاہ چرا گئی تھی اور وہ تلخی سے سر جھٹکتا رقیہ بیگم کو اٹھائے ہاسپٹل دوڑ گیا تھا، ایک ایک لمحہ ان تینوں پر بھاری تھا اسے تو تسلی دینے کا اس نے فی الحال سوچا تک نہ تھا البتہ رانیہ کو وہ ہزار خدشات کے باوجود نرمی سے سہارہ دیے ہوئے تھا کچھ گھنٹوں بعد آئی سی یو کا دروازہ کھلا تھا وہ لپک کر ڈاکٹر تک پہنچی تھی اور وہ ڈاکٹر کے جانے کے بعد بھی وہیں کھڑی رہی تھی جبکہ وہ آئی سی یو میں داخل ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر نے یہی کہا تھا کہ مریضہ کی صمیم سے ملنا چاہتی ہے۔

''صمیم تمہیں تمہاری مری ہوئی ماں کی قسم ہے تم وانیہ کو طلاق نہیں دو گے۔'' وہ اسے دیکھتے ہی بے قراری سے بولی تھیں۔

''بڑی ماما! میں خود ایسا کب چاہتا ہوں لیکن وانیہ......''

''وانیہ بے وقوف ہے، کم عقل ہے بیٹا، اس کی حماقت میں اس کا ساتھ مت دو۔'' وہ اس کی بات کے درمیان نحیف لہجے میں بولی تھیں۔

''کیسے نہ دوں بڑی ماما، کہ میں اسے ساری زندگی زبردستی تو خود سے باندھے نہیں رکھ سکتا۔'' وہ ان کی حالت کو دیکھتے ہوئے بھی بحث کرنے پر خود کو مجبور پا رہا تھا۔

''وہ کم عقلی کا ثبوت دے رہی ہے مگر تم تو ایسا نہ کرو صمیم کہ مجھے یقین ہے شادی کے بعد اس کا رویہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' ان کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''امید کے سہارے پر ہی میری زندگی کے حسین سال یونہی خزاں تلے دھوپ تاپتے گزر گئے سب سے بڑی بات میری ماں میرے سر پر سہرا سجانے کی آرزو لئے منوں مٹی تلے جا سوئی۔'' اس کی آنکھوں میں بے بسی کی سرخی چھا گئی تھی۔

''مجھے افسوس ہے بیٹا! میں اپنی بیٹی کی نادانیوں کی معافی تم سے ہاتھ جوڑ کر مانگتی ہوں لیکن جو اس نے تمہارے اور تمہاری ماں کے ساتھ کیا وہ نہ لوٹاؤ۔'' یکدم ان کی حالت بگڑنے لگی تھی۔

''مجھ سے وعدہ کرو صمیم کہ تم وانیہ کو معاف کر دو گے اس کو اس کی حماقتوں کی سزا نہ دو گے، تمہیں ایک مرتی ہوئی ماں کی ممتا کا واسطہ۔'' ان کی حالت بگڑ رہی تھی یکدم صمیم نے ان

کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''بڑی ماما! آپ جانتی ہیں کہ میں اس سنگدل کو کتنا چاہتا ہوں، اس کو سزا چاہوں بھی تو نہیں دے سکتا۔'' وہ ہارے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

''پھر طلاق کی بات کیوں کی؟'' وہ تڑپی تھیں۔

''کیونکہ وانیہ ایسا چاہتی ہے مجھے صرف اس کی خوشی عزیز ہے۔'' وہ کرلایا تھا۔

''وہ نادان نہیں جانتی کہ اس کی خوشی تمہارے ساتھ میں ہے، پلیز مجھ سے وعدہ کرو صمیم کے میرے بعد تم وانیہ کا خیال رکھو گے، اسے عزت ومحبت کی چھت دو گے۔'' وہ بیٹی کی کم عقلی پر ماتم کر رہی تھیں کہ سانسیں اکھڑنے لگی تھیں اور وہ بات ہی پلٹ گئی تھیں اسے مجبور کرنے لگی تھیں۔

''بڑی ماما!''

''وعدہ کرو صمیم کے وانیہ کے چاہنے پر بھی اسے نہیں چھوڑو گے اور محبت سے اس کا دل جیت لو گے۔'' ہر گزرتے پل کے ساتھ ان کی زندگی ان کے ہاتھ سے پھسل رہی تھی۔

''جس کے پاس دل ہی نہیں ہے اسے کیسے جیت سکتا ہوں میں؟'' بے بسی سے سوچا تھا۔

''میرے بعد وانیہ کے ہی نہیں رانیہ کا بھی مضبوط سہارا ثابت ہو گے کہ میں اپنی دونوں بچیاں تمہارے سپرد کر کے جا رہی ہوں۔'' موت کی دستک بڑھی تھی کہ انہیں رانیہ کی بھی فکر ستانے لگی تھی۔

''بڑی ماما! آپ فکر نہ کریں میں وعدہ کرتا ہوں کہ وانیہ کا خیال رکھوں گا اور رانیہ میری چھوٹی بہن ہی نہیں میری بیٹی کی طرح ہے آپ سے وعدہ ہے میرا اسے دلہن بنا کر عزت سے رخصت کروں گا۔'' وہ اس کی موت کی آہٹیں سن کر تڑپ اٹھا تھا کہ اس نے رقیہ بیگم کو کبھی اپنی ماں سے کم نہیں سمجھا تھا اس لئے جب وہ موت کے بہت قریب تھیں ان سے وعدہ کر گیا تھا۔

''وانیہ! وانی کو بلاؤ بات کرنی ہے اس سے۔'' اس کے وعدہ کر لینے پر اطمینان سا محسوس کر کے بیٹی کو بلانے کو تڑپ اٹھی تھیں کہ کچھ وعدے تو اسے بھی سونپنے تھے جس نے اپنی بہت آسان زندگی کو از خود کٹھن بنا لیا تھا۔

''ماما! آپ کو کچھ نہیں......''

''میری بات غور سے سنو وانی، تم اب آگے زندگی میں کوئی حماقت نہیں کرو گی، تمہیں میری قسم ہے تم صمیم کو اپنا شوہر تسلیم کر کے اس کے ساتھ ایک اچھی ازدواجی زندگی بسر کرو گی ایسا نہ کیا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' لمحہ بہ لمحہ زندگی کی ڈور کھنچی جا رہی تھی وہ ماں کی حالت پر تڑپ رہی تھی۔

''ماما! میں ویسا ہی کروں گی جیسا آپ چاہیں گی، بس آپ ٹھیک ہو جایئے مجھے اور رانیہ کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔'' وہ بلکتے ہوئے ماں پر جھکی تھی ان کی سرد پڑتی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

''رانی کا میرے بعد بہت خیال رکھنا، زندگی میں کوئی ایسی حماقت نہ کرنا جو رانی کی خوشیوں میں رکاوٹ بن جائے۔'' اس کے اقرار کر لینے کے بعد بھی وہ غیر مطمئن تھیں کہ صمیم کے معاملے میں اس کی ہٹ دھرمی نے انہیں پہلے ہی آٹھ آٹھ آنسو رلایا تھا اس لئے اس کے اقرار پر بھی یقین نہ ہو پا رہا تھا۔

''بڑی ماما! آپ بھروسہ رکھیں میں اور وانیہ مل کر رانیہ کا بے حد خیال رکھیں گے۔'' وہ انہیں تکلیف میں دیکھ ان کے قریب چلا آیا تھا مگر وہ

کچھ کہہ نہیں پائی تھیں ان کی نگاہ آئی سی یو کے دروازے پر ٹھہری رانیہ پر جمی تھیں اور ان کی روح جسم کا ساتھ چھوڑ گئی تھی دنیا سے ان کا تعلق ختم ہو گیا تھا ان دونوں کی چیخوں سے پورا ہاسپٹل گونج اٹھا تھا اور وہ آنکھوں میں آنسو لئے ان دونوں کو سنبھالنے میں لگا تھا مگر صدمہ ایسا تھا کہ ان دونوں کی سنبھلنے کے لئے بہت وقت درکار تھا کہ باپ کا ابھی کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا کہ ماں بھی ساتھ چھوڑ گئی تھی بلکتی ہوئی رانیہ کو خود سے لپٹا کر اس نے اپنے بقیہ تمام آنسو اپنے اندر ہی اتار لئے تھے اور ماں کی آخری رسومات بڑے صبر سے ادا کرتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

نثار درانی اور ابصار درانی دو بھائی تھے، نثار درانی بڑے تھے ان کی دو بیٹیاں وانیہ اور رانیہ تھیں، رانیہ وانیہ سے تقریباً آٹھ سال چھوٹی تھی، وانیہ بی کام کی جب کہ رانیہ ساتویں جماعت کی طالبہ تھی، وانیہ فطرتاً سنجیدہ مزاج کی اپنے کام سے کام رکھنے اور اپنی ذات میں سمٹی رہنے والی خوش شکل لڑکی تھی، ابصار درانی کا ایک بیٹا صمیم درانی تھا، صمیم نے بی ایس سی کیا تھا اور آج کل ہاؤس جاب کر رہا تھا وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اور شادی کے تقریباً چار سال تک بے اولاد رہنے والے تایا تائی کی بھی آنکھوں کو تارا تھا جس کی اہمیت وانیہ اور رانیہ کی پیدائش کے بعد بھی کم نہیں ہوئی تھی، صمیم ہر وقت ہنسی مذاق کرنے والا، شرارتی، بذلہ سنج سا نوجوان تھا اس کے گھر میں اس کے دم سے ہر وقت رونق لگی رہتی تھی اور جب وہ نثار ہاؤس میں آتا تو یہاں بھی رونق لگ جاتی رانیہ اس کی آمد سے جتنی خوش ہوتی تھی وانیہ اتنی ہی غصہ، کیونکہ اسے اپنا یہ غیر سنجیدہ سا ہر وقت اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے والا رنگ برنگی ٹی شرٹس پہننے والا کزن انتہائی برا لگتا تھا کہ وہ خود جیسی تھی ویسے ہی لوگ اسے متاثر کرتے تھے خاص اسے کم گو اور بردباری سے بولنے اور ہلکے رنگ کا لباس پہننے والے مرد متاثر کرتے تھے، اس لئے اس کی چپڑ چپڑ بولنے اور اونچے اونچے قہقہے لگانے کی عادت کے سبب اس کی اور صمیم کی کبھی نہیں بنی تھی کہ بچپن میں تو اس کی شرارتوں سے وہ اس قدر عاجز رہی تھی کہ جب وہ لوگ کراچی سے اسلام آباد شفٹ ہوئے تھے تو اس نے سکھ کا سانس لیا تھا وہ صمیم سے تین سال چھوٹی تھی مگر اس کے برعکس کافی بردبار اور سنجیدہ سی تھی اس کی سنجیدگی پر وہ بظاہر چوٹ کرتا رہتا تھا مگر وہ اپنی کم گو سی خود سے پریشان و عاجز کزن پر دل و جان سے فدا تھا اسی لئے اس کو بہت ستایا کرتا تھا مگر وہ اس بالکل پسند نہ تھا اسی لئے جب اس کا فرسٹ پرپوزل آیا تھا اس سے پہلے کہ نثار درانی اسے قبول کرتے کہ ابصار درانی بڑے بھائی کے سامنے سوالی بن گئے تھے اور انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا وہ فوراً ہی راضی ہو گئے تھے کہ انہیں بھی صمیم بے حد عزیز تھا مگر جیسے ہی وانیہ کو پتہ چلا تھا اس نے پورا گھر سر پر اٹھا لیا تھا بہت روئی تھی اور صاف انکاری ہو گئی تھی نثار درانی نے وجہ پوچھی تھی تو اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اس کو غیر سنجیدہ مزاج ہر وقت ہنگامہ برپا رکھنے والا صمیم نہایت ناپسند ہے وہ اس سے کسی قیمت پر شادی نہیں کرے گی ان دونوں میاں بیوی نے اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی کہ وقت کے ساتھ ذمہ داریوں کے پڑتے ہی وہ سنجیدہ ہو جائے گا لیکن وہ نہیں مانی تھی اس انکار کی وجہ ان لوگوں کو بے معنی سی لگ رہی تھی اس لئے ان کی منگنی کی ڈیٹ فکسڈ ہو گئی تھی لیکن اس نے ماں باپ سے مایوس ہو کر چاچا، چاچی سے رابطہ کیا تھا

اور وہ بے چارے کیا کہتے کہ اس سب میں ان کی مرضی شامل تھی تو صرف اس لئے کہ وہ ان کے بیٹے کی چاہت تھی اور وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو خوش دیکھنا چاہتے تھے انہوں نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر اس کا وہی انکار تھا بات ضمیم کے بھی علم میں آ گئی تھی اور وہ کراچی پہنچ گیا تھا، اسے سمجھانے، منانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر سب بے سود ثابت ہوا تھا۔

''آپ مجھے اچھے نہیں لگتے، میں نے آپ کے بارے میں اس طرح کبھی نہیں سوچا۔'' گلابی چہرے والی وانیہ قدرے جھنجھلا کر بولی تھی۔

''کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟'' بے بسی سے پوچھا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے سمجھے آپ، آپ مجھے اچھے نہیں لگتے تو بس نہیں لگتے اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ کوئی اور اچھا لگتا ہے اس لئے آپ برے لگتے ہیں۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ بولی تھی۔

''آئی ایم سوری وانیہ۔'' اس کے غصہ کرنے پر وہ گھبرا گیا تھا اس کے گھبرا کر معذرت کرنے پر وہ چڑ گئی تھی کہ ایسا ہی ہوتا تھا کہ وہ اگر اس کے ساتھ کوئی شرارت کرتا تھا تو وہ غصہ سے ہمیشہ ناک بھوں ہی چڑایا کرتی تھی اور ایسے میں وہ فوراً معذرت طلب کر جاتا تھا اور اس کی یہ عادت اسے ضمیم کی کمزوری لگتی تھی جبکہ وہ اپنے دل سے مجبور ہو جاتا تھا تاکہ وہ خفا نہ رہے کہ کسی بات پر وہ روٹھ جاتی تھی یا اسے غصہ آ جاتا تھا تو وہ اس کے آنے پر کمرے سے ہی نہیں نکلتی تھی جبکہ وہ صرف اسلام آباد سے کراچی اس کی محبت میں آتا تھا اس لئے اسے روٹھنے نہ دینے کی کوشش شروع کر دیتا تھا جو اسے ہرگز بھی پسند نہیں آتی تھی۔

''اِٹس اوکے۔'' ناک چڑھا کر بولی تھی۔

''وانیہ! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔''

''مگر میں آپ سے نہ محبت کرتی ہوں، نہ ہی شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کی بات درمیان سے کاٹ کر تختی سے بولی تھی۔

''آخر تم مجھے اتنا ناپسند کیوں کرتی ہو، کیا برائی ہے مجھ میں؟'' وہ دکھ سے بولا تھا۔

''آپ کا اور میرا مزاج یکسر مختلف ہے، مجھے بارعب شخصیت رکھنے والے کم گو اور سنجیدہ سے مرد اچھے لگتے ہیں اور آپ ایسے نہیں ہیں اس لئے مجھے آپ سے شادی سے انکار ہے اور......''

''اس میں کون سی بڑی بات ہے، میں خود کو چینج کر لوں گا۔'' وہ اس کی بات اچک کر بولا تھا اور وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ کے لئے اپنی ذات اتنی ہی غیر اہم ہے؟'' تمسخر اڑاتے لہجے میں بولی تھی۔

''میرے لئے تمہاری خوشی زیادہ اہم ہے۔'' وہ ترنت بولا تھا۔

''میری خوشی آپ کے ساتھ میں نہیں ہے۔'' گویا اس نے بات ہی ختم کر دی تھی، ان سب کے ساتھ ساتھ ضمیم کی ہر کوشش رائیگاں گئی تھی اور وہ اس کے انکار اس کی ضد سے اتنا ہرٹ ہرا تھا کہ مایوس ہو کر اس نے خودکشی کی کوشش کر ڈالی تھی جس نے ان سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا جبکہ وہ خود کو حق بجانب سمجھنے لگی تھی کہ اس کی اس حرکت نے اس کی کمزوری صاف اس پر عیاں کر دی تھی کہ وہ اس کے ہر عمل، ہر بات میں سے اپنی مرضی کے معنی نکال رہی تھی اسے ضمیم کی محبت نظر ہی نہیں آ رہی تھی، اس کی خودکشی کی کوشش ناکام ہو گئی تھی مگر بیٹے کو زندگی اور موت کے درمیان لٹکتے پا کر وہ دونوں میاں بیوی بے چین ہو گئے تھے ابصار درانی نے باقاعدہ بڑے بھائی

کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے نثار درانی عجیب مشکل میں پھنس گئے تھے ایک طرف بیٹی تھی تو دوسری جانب بھتیجا اور ان کو تامل کا شکار دیکھ ثانیہ درانی نے اپنی ردا جیٹھ جٹھانی کے قدموں میں رکھ دی تھی کہ انہیں اکلوتا بیٹا بہت عزیز تھا اور ان کی اس حرکت کے بعد نثار درانی نے بیٹی کی ضد، اس کی خوشی کا خیال نہیں رکھا تھا بھابھی کی حرمت کا پاس رکھتے ہوئے ان کو رضا مندی دے دی تھی اور انہوں نے منگنی کے بجائے نکاح کی بات کر دی تھی اور وہ خاموش رہے تھے مگر جیسے ہی اسے پتہ چلا تھا وہ ان کے فیصلے کے آگے آ گئی تھی مگر انہوں نے اس بار اس کی نہ سنی اور وہ بھوک ہڑتال پر چلی گئی تو انہوں نے اسے اپنی قسم دے کر نکاح پر مجبور کر دیا اور وہ ان سب سے خفا ہو کر بھی وانیہ صمیم بننے سے خود کو بچا نہیں پائی تھی مگر نکاح کے بعد اس نے چاچا چاچی کا ہی سامنا کرنا چھوڑ دیا تھا اور وہ اپنے پیرنٹس سے بھی خفا تھی اس کے رویے کی وجہ سے صمیم کی شرارتیں، ہنسی مذاق سب ماند پڑ گئے تھے اور بیٹے کی بدلتی روٹین چہرے پر نظر آنے والی آزردگی ان کی زندگی کے دن کم کرتی چلی گئی تھی اور وہ ایک دن بڑی خاموشی سے دنیا سے چل بسی تھیں، ماں کی موت نے اسے بالکل ہی خاموش کر دیا تھا گھر کے در و دیوار اس کی ہنسی کو ترس گئے تھے اور وہ اسپشلائزیشن کے لئے باہر چلا گیا تھا ثانیہ درانی کی وفات کے تقریباً آٹھ ماہ بعد ابصار درانی بھی اسے چھوڑ کر گئے تھے اس لئے اس نے مکمل سکونت باہر ہی اختیار کر لی تھی اور تقریباً دو سال بعد اسے نثار درانی کی موت کی خبر ملی تھی مگر وہ چاہ کر بھی پاکستان نہیں آ سکا تھا اور تقریباً دو ماہ بعد جب فراغت میسر آئی تھی اس کا پاکستان جانے کا دل ہی نہیں کر رہا تھا مگر رقیہ بیگم کے اصرار پر وہ نثار درانی کی وفات کے تقریباً پانچ ماہ بعد پاکستان چلا آیا تھا یکسر نئے روپ میں اور اس کا یہ روپ اسے حیران کر گیا تھا جس نے اسے اس کی خوش مزاجی اور لاابالی سی طبیعت کے سبب اسے بہت بڑی سزا دی تھی، اس سے اس کی بذلہ سنجی ہی نہیں اس کے اپنے بھی چھین لئے تھے اور بالکل تنہا کر ڈالا تھا وہ اس کی سوچ سے بڑھ کر کٹھور ثابت کر رہا تھا لیکن رقیہ بیگم اسے اپنے وعدہ پر پابند کر گئیں تھیں اور ان کے چالیسویں کے بعد اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ مزید کراچی میں نہیں ٹھہر سکتا اور اس نے بھیگتی پلکوں سے قسمت کے آگے سر جھکا دیا تھا وہ اس کے خود سے رخصتی کے لئے کہنے پر بہت کچھ اسے جتانا چاہتا تھا مگر رقیہ بیگم سے کیے عہد اس کی راہ کی رکاوٹ بن گئے اور یوں نہایت سادگی کے ساتھ چند ایک دور کے رشتہ داروں اور دوستوں کی موجودگی میں رخصتی کی تقریب انجام پا گئی تھی اور وہ دونوں اس کے ساتھ اسلام آباد آ گئی تھیں صمیم کے دوست فہیم اور اس کی بیوی عرشیہ نے ان کا گھر آنے تک بھرپور ساتھ دیا تھا فہیم اپنی فیملی کے ساتھ اس کے برابر والے بنگلو میں رہائش پذیر تھا اور ان دونوں میاں بیوی نے اسلام آباد سے کراچی جانے میں بھی خوش دلی سے حصہ لیا تھا اور سارے انتظامات خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے تھے۔

ان لوگوں کو اسلام آباد آئے تقریباً دو گھنٹے ہو گئے تھے مگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو مخاطب تک نہیں کیا تھا وہ دونوں میاں بیوی کھانا کھا کر اپنے گھر چلے گئے تھے عرشیہ اسے صمیم کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی وقت گزر رہا تھا وہ تو نہیں آیا تھا البتہ اس نے رانیہ کو اس کے پاس بھیج دیا تھا کیونکہ وہ نئی جگہ پر کچھ

ہراساں تھی کہ پے در پے والدین کی وفات نے اسے بہت کمزور اور زود رنج کر دیا تھا، کتنے ہی آنسو اس کے دل پر گرتے چلے گئے تھے اور وہ چینج کر کے سونے کے لئے لیٹ گئی تھی پوری رات اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا تھا، گزری رات ہی نہیں آنے والی صبح نے بھی اس کی حیثیت کا تعین کر دیا تھا وہ اسے دیکھتا تو دور مخاطب کرنے سے بھی گریزاں تھا اور اس نے بھی کسی قسم کی کوشش کرنے کی بجائے اپنے سابقہ رویوں کی تلافی کے لئے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا اور رانیہ کے کمرے میں شفٹ ہو گئی اور یونہی وہ دونوں ایک دوسرے کی موجودگی کو نظر انداز کرتے صبح و شام گزارنے لگے اور دو ماہ گزر گئے تھے رانیہ کافی حد تک سنبھل گئی تھی وہ رانیہ کو مکمل وقت و توجہ دے رہا تھا البتہ اس کو مخاطب بھی کرنا ہوتا تو رانیہ کو ہی سیڑھی بناتا تھا کبھی ڈائریکٹ اس کے ذریعے تو کبھی ان ڈائریکلی اس تک صمیم کی بات رانیہ تک پہنچ جاتی تھی۔

☆☆☆

وہ تینوں ڈائننگ ہال میں موجود بریک فاسٹ کر رہے تھے آج قمری مہینہ شعبان کی چودہ تاریخ تھی اسی لئے رانیہ ناشتہ کرتے ہوئے صمیم سے پٹاخوں اور پھلجڑیوں کو دلانے کی ضد کرنے لگی تھی وانیہ ہمیشہ کی طرح یوں بیٹھی تھی جیسے موجود نہ ہو مگر اس کے اقرار پر اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی تھی جبکہ رانیہ خوشی سے کھل اٹھی تھی اور وہ اس کی نظروں کو محسوس کرنے کے باوجود انجان بنا مارکیٹ جانے کا پروگرام ترتیب دینے لگا تھا اور اس کی برداشت جواب دے گئی تھی اور رانیہ کے وہاں سے جاتے ہی ڈھائی ماہ میں وہ پہلی دفعہ اسے براہ راست مخاطب کر گئی تھی۔

''آج شب برات یعنی عبادت کی رات ہے نہ کہ آتش بازی کا مظاہرہ کرنے کے لئے یہ رات نصیب ہوئی ہے اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ رانیہ کو اس شب کی اہمیت کو اس کی اصل روح کے ساتھ بتائیں نہ کہ اسے پٹاخے دلانے چل پڑیں۔'' وہ نہایت تلخی سے بولی تھی اور وہ اسے سینے پر بازو باندھے گہری سنجیدگی سے سن رہا تھا مگر اس کے خاموش ہوتے ہی وہ آگے بڑھ گیا تھا وہ پہلے پہل تو سمجھی نہیں اور جیسے ہی بات سمجھ آئی توہین کے احساس سے وہ سلگ اٹھی تھی اور وہ نہایت غصہ سے اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی اور اس کو بہت کچھ کہتی چلی گئی تھی جسے اس نے سنا نہایت سنجیدگی سے تھا مگر اس کے خاموش ہوتے ہی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھانے بڑھا تھا کہ وہ اس کا بازو دبوچ گئی تھی۔

''میں پاگل ہوں جو بکواس کیے جا رہی ہوں، آپ میری بات کے جواب میں کچھ کہتے کیوں نہیں ہیں۔'' وہ غصہ کی انتہاؤں پر تھی اس نے ایک نگاہ اس کے حسین تمتماتے چہرے کو دیکھا اور بڑی سہولت سے اس کا موی ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا اور آگے بڑھ کر موبائل اٹھا لیا یکدم توہین و اہانت کا احساس قوی ہو گیا تھا بے بسی کے احساس سے آنسو رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

''نہیں کرنی آپ کو مجھ سے بات تو یاد رکھیں کہ میں بھی آپ سے بات کرنے کے لئے مر نہیں رہی ہوں۔'' گرتے آنسو بھیگا لہجہ اس کی بے نیازی میں دراڑیں ڈال گیا تھا، وہ بے اختیار اس دشمن جاں کو دیکھنے لگا تھا وہ اسے کتنی عزیز تھی وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا تھا مگر اس کی چاہت میں اس نے خود کو یکسر بدل ڈالا تھا اور وہ اس کی پسند کے خاکے میں اترا اس کو نظر انداز کر رہا تھا تو بھی اسے اس سے شکایت ہونے لگی

کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے نثار درانی عجیب مشکل میں پھنس گئے تھے ایک طرف بیٹی تھی تو دوسری جانب بھتیجا اور ان کو تعامل کا شکار دیکھ ثانیہ درانی نے اپنی ردا جیٹھ جٹھانی کے قدموں میں رکھ دی تھی کہ انہیں اکلوتا بیٹا بہت عزیز تھا اور ان کی اس حرکت کے بعد نثار درانی نے بیٹی کی ضد، اس کی خوشی کا خیال نہیں رکھا تھا بھابھی کی حرمت کا پاس رکھتے ہوئے ان کو رضا مندی دے دی تھی اور انہوں نے منگنی کے بجائے نکاح کی بات کر دی تھی اور وہ خاموش رہے تھے مگر جیسے ہی اسے پتہ چلا تھا وہ ان کے فیصلے کے آگے آ گئی تھی مگر انہوں نے اس بار اس کی نہ سنی اور وہ بھوک ہڑتال پر چلی گئی تو انہوں نے اسے اپنی قسم دے کر نکاح پر مجبور کر دیا اور وہ ان سب سے خفا ہو کر بھی وانیہ ضمیم بننے سے خود کو بچا نہیں پائی تھی مگر نکاح کے بعد اس نے چاچا چاچی کا ہی سامنا کرنا چھوڑ دیا تھا اور وہ اپنے پیرنٹس سے بھی خفا تھی اس کے رویے کی وجہ سے ضمیم کی شرارتیں، ہنسی مذاق سب ماند پڑ گئے تھے اور بیٹے کی بدلتی روٹین چہرے پر نظر آنے والی آزردگی ان کی زندگی کے دن کم کرتی چلی گئی تھی اور وہ ایک دن بڑی خاموشی سے دنیا سے چل بسی تھیں، ماں کی موت نے اسے بالکل ہی خاموش کر دیا تھا گھر کے در و دیوار اس کی ہنسی کو ترس گئے تھے اور وہ اسپیشلائزیشن کے لئے باہر چلا گیا تھا ثانیہ درانی کی وفات کے تقریباً آٹھ ماہ بعد ابصار درانی بھی اسے چھوڑ کر گئے تھے اس لئے اس نے مکمل سکونت باہر ہی اختیار کر لی تھی اور تقریباً دو سال بعد اسے نثار درانی کی موت کی خبر ملی تھی مگر وہ چاہ کر بھی پاکستان نہیں آ سکا تھا اور تقریباً دو ماہ بعد جب فراغت میسر آئی تھی اس کا پاکستان جانے کا دل ہی نہیں کر رہا تھا مگر رقیہ بیگم کے اصرار پر وہ نثار درانی کی وفات کے تقریباً پانچ ماہ بعد پاکستان چلا آیا تھا یکسر نئے روپ میں اور اس کا یہ روپ اسے حیران کر گیا تھا جس نے اسے اس کی خوش مزاجی اور لاابالی سی طبیعت کے سبب اسے بہت بڑی سزا دی تھی، اس سے اس کی بذلہ سنجی ہی نہیں اس کے اپنے بھی چھین لئے تھے اور بالکل تنہا کر ڈالا تھا وہ اس کی سوچ سے بڑھ کر کٹھور ثابت کر رہا تھا لیکن رقیہ بیگم اسے اپنے وعدہ پر پابند کر گئیں تھیں اور ان کے چالیسویں کے بعد اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ مزید کراچی میں نہیں ٹھہر سکتا اور اس نے بھیگتی پلکوں سے قسمت کے آگے سر جھکا دیا تھا وہ اس کے خود سے رخصتی کے لئے کہنے پر بہت کچھ اسے جتانا چاہتا تھا مگر رقیہ بیگم سے کیے عہد اس کی راہ کی رکاوٹ بن گئے اور یوں نہایت سادگی کے ساتھ چند ایک دور کے رشتہ داروں اور دوستوں کی موجودگی میں رخصتی کی تقریب انجام پا گئی تھی اور وہ دونوں اس کے ساتھ اسلام آباد آ گئی تھیں ضمیم کے دوست فہیم اور اس کی بیوی عرشیہ نے ان کا گھر آنے تک بھرپور ساتھ دیا تھا فہیم اپنی فیملی کے ساتھ اس کے برابر والے بنگلو میں رہائش پذیر تھا اور ان دونوں میاں بیوی نے اسلام آباد سے کراچی جانے میں بھی خوش دلی سے حصہ لیا تھا اور سارے انتظامات خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے تھے۔

ان لوگوں کو اسلام آباد آئے تقریباً دو گھنٹے ہو گئے تھے مگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو مخاطب تک نہیں کیا تھا وہ دونوں میاں بیوی کھانا کھا کر اپنے گھر چلے گئے تھے عرشیہ اسے ضمیم کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی وقت گزر رہا تھا وہ تو نہیں آیا تھا البتہ اس نے رانیہ کو اس کے پاس بھیج دیا تھا کیونکہ وہ نئی جگہ پر کچھ

ہراساں تھی کہ پے در پے والدین کی وفات نے اسے بہت کمزور اور زود و رنج کر دیا تھا، کتنے ہی آنسو اس کے دل پر گرتے چلے گئے تھے اور وہ چینج کر کے سونے کے لئے لیٹ گئی تھی پوری رات اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا تھا، گزری رات ہی نہیں آنے والی صبح نے بھی اس کی حیثیت کا تعین کر دیا تھا وہ اسے دیکھنا تو دور مخاطب کرنے سے بھی گریزاں تھا اور اس نے بھی کسی قسم کی کوشش کرنے کی بجائے اپنے سابقہ رویوں کی تلافی کے لئے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا اور رانیہ کے کمرے میں شفٹ ہو گئی اور یونہی وہ دونوں ایک دوسرے کی موجودگی کو نظر انداز کرتے صبح و شام گزارنے لگے اور دو ماہ گزر گئے تھے رانیہ کافی حد تک سنبھل گئی تھی وہ رانیہ کو مکمل وقت و توجہ دے رہا تھا البتہ اس کو مخاطب بھی کرنا ہوتا تو رانیہ کو ہی سیڑھی بناتا تھا کبھی ڈائریکٹ اس کے ذریعے تو کبھی ان ڈائریکلی اس تک صمیم کی بات رانیہ تک پہنچ جاتی تھی۔

☆☆☆

وہ تینوں ڈائننگ ہال میں موجود بریک فاسٹ کر رہے تھے آج قمری مہینہ شعبان کی چودہ تاریخ تھی اسی لئے رانیہ ناشتہ کرتے ہوئے صمیم سے پٹاخوں اور پھلجڑیوں کو دلانے کی ضد کرنے لگی تھی وانیہ ہمیشہ کی طرح یوں بیٹھی تھی جیسے موجود نہ ہو مگر اس کے اقرار پر اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی تھی جبکہ رانیہ خوشی سے کھل اٹھی تھی اور وہ اس کی نظروں کو محسوس کرنے کے باوجود انجان بنا مارکیٹ جانے کا پروگرام ترتیب دینے لگا تھا اور اس کی برداشت جواب دے گئی تھی اور رانیہ کے وہاں سے جاتے ہی ڈھائی ماہ میں وہ پہلی دفعہ اسے براہ راست مخاطب کر گئی تھی۔

''آج شب برات یعنی عبادت کی رات ہے نہ کہ آتش بازی کا مظاہرہ کرنے کے لئے یہ رات نصیب ہوئی ہے اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ رانیہ کو اس شب کی اہمیت کو اس کی اصل روح کے ساتھ بتائیں نہ کہ اسے پٹاخے دلانے چل پڑیں۔'' وہ نہایت تلخی سے بولی تھی اور وہ اسے سینے پر بازو باندھے گہری سنجیدگی سے سن رہا تھا مگر اس کے خاموش ہوتے ہی وہ آگے بڑھ گیا تھا وہ پہلے پہل تو سمجھی نہیں اور جیسے ہی بات سمجھ آئی توہین کے احساس سے وہ سلگ اٹھی تھی اور وہ نہایت غصہ سے اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی اور اس کو بہت کچھ کہتی چلی گئی تھی جسے اس نے سنا نہایت سنجیدگی سے تھا مگر اس کے خاموش ہوتے ہی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھانے بڑھا تھا کہ وہ اس کا بازو دبوچ گئی تھی۔

''میں پاگل ہوں جو بکواس کیے جا رہی ہوں، آپ میری بات کے جواب میں کچھ کہتے کیوں نہیں ہیں۔'' وہ غصہ کی انتہاؤں پر تھی اس نے ایک نگاہ اس کے حسین تمتماتے چہرے کو دیکھا اور بڑی سہولت سے اس کا مومی ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا اور آگے بڑھ کر موبائل اٹھالیا یکدم توہین درہانت کا احساس قوی ہو گیا تھا بے بسی کے احساس سے آنسو رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

''نہیں کرنی آپ کو مجھ سے بات تو یاد رکھیں کہ میں بھی آپ سے بات کرنے کے لئے مر نہیں رہی ہوں۔'' گرتے آنسو بھیگا لہجہ اس کی بے نیازی میں دراڑیں ڈال گیا تھا، وہ بے اختیار اس دشمن جاں کو دیکھنے لگا تھا وہ اسے کتنی عزیز تھی وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا تھا مگر اس کی چاہت میں اس نے خود کو یکسر بدل ڈالا تھا اور وہ اس کی پسند کے خاکے میں اترا اس کو نظر انداز کر رہا تھا تو بھی اسے اس سے شکایت ہونے لگی

تھیں، یکدم اس نے آنسو رگڑے اور دوری مٹاتے ہوئے عین اس کے سامنے ٹھہر گئی۔

''دشمنی مجھ سے ہے، اپنے ٹھکرائے جانے اور اپنی ماں کی موت کا بدلہ مجھ سے لینا ہے نا، تو تل تل کر کے ماریں یا ایکدم ہی گلا دبا کر میری سانسیں چھین لیں مگر یاد رکھیں میری بہن کو سٹر می نہ بنائیں۔'' وہ بہت غصہ سے بولی تھی مگر وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا جواب نجانے کون سا الزام اس پر جڑنے جا رہی تھی۔

''رانیہ کا اس سب میں کوئی قصور نہیں ہے اس لئے اسے اس سب میں مت گھسیٹیں، اسے اچھائی اور نیکی کا درس نہیں دے سکتے تو کم از کم گمراہی کی دلدل بھی اس کا نصیب نہ بنائیں۔'' اس نے غصے سے لب بھینچ لئے تھے چہرہ الگ دہک اٹھا تھا مگر اس کی بکواس یونہی چل رہی تھی۔

''اسے شب برات کی اصل روح، عبادات کی اہمیت بتانے کی بجائے اسے بم پٹاخوں میں الجھا کر آپ مجھ سے نہیں رانیہ سے دشمنی نبھا رہے ہیں اور یہ آپ کو زیب نہیں دیتا کہ میرے کیے کی سزا آپ میری معصوم بہن کو بے راہ رو کر کے دیں۔'' وہ آگے بھی بہت کچھ بولتی جا رہی تھی وہ سب اس کی زبان سے نکل رہا تھا جو اس نے تصور تک نہیں کیا تھا اور اس کی چلتی زبان کو یکدم بریک لگ گئے تھے۔

''تڑاخ۔'' کمرے کی فضا میں تھپڑ کی گونج پھیلتی چلی گئی تھی اور وہ گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''رانیہ بہن ہے میری دشمن نہیں ہے اس لئے بہتر ہو گا کہ اپنی گھٹیا سوچ اپنے تک ہی محدود رکھو۔'' اس کے لہجے میں شعلوں کی سی لپک تھی۔

''میں تمہیں صفائی دینا ضروری نہیں سمجھتا مگر یاد رکھنا کہ میں نے صرف رانیہ کی خوشی کے لئے اس کی ضد مان لی مگر میرا ارادہ اسے آتش بازی کا پلندہ دلانے کا بالکل نہیں تھا میں نے سوچا تھا کہ اسے باہر لے جاؤں گا اسے چند ایک اس کی پسند کی چیزیں دلا کر اسے بتاؤں گا کہ ہمارے مذہب میں ان سب چیزوں کی بالکل اجازت نہیں ہے۔'' وہ اب دھیرے دھیرے بول رہا تھا اور اس کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگی تھیں کہ اس نے زندگی میں پہلی دفعہ تھپڑ کی ذلت سہی تھی۔

''میں اس کی بات کو رفوز کر کے شب برات کی فضیلت و اہمیت سے آگاہ کرتا تو شاید اسے میری بات سمجھ نہ آتی اس لئے میں نے درمیانی راہ نکالی تھی لیکن تم نے حد ہی کر ڈالی اور یاد رکھنا رانیہ تمہاری نہیں میری ذمہ داری ہے بڑی ماما اسے تمہارے نہیں میرے سہارے چھوڑ گئی ہیں اس لئے تمہیں اس کی فکر میں دبلا ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔'' وضاحت دیتے دیتے تلخی سے اس نے بات ہی ختم کر دی تھی۔

''اور میں جانتا ہوں تمہارے ذہن و دل میں میری طرف سے کتنا غبار کتنی نفرت ہے مگر اس نفرت کو میں بھی چاہوں گا کہ تم مجھ تک رکھو رانیہ کو اس سب کا حصہ نہ بناؤ کہ خدا پاک کی قسم رانیہ مجھے ایک بہن و بیٹی ہی کی مانند عزیز و محبوب ہے۔'' وہ ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالتا اپنے کمرے سے ہی نہیں رانیہ کو لئے گھر سے ہی نکل آیا تھا اور راستے میں اس نے نہایت نرمی سے اسے شب برات کی فضیلت سے آگاہی دینا شروع کی تھی جو اسے سمجھ آ گئی تھی اور اس نے ضمیم کے کچھ کہنے سے قبل خود ہی پٹاخے لینے سے ہاتھ کھینچ لئے تھے اور دھیمے سے بولی تھی۔

''بھیا! آپ ایسا کریں کہ مجھے اتنی رقم دے دیں جتنی آپ مجھے پٹاخے وغیرہ دلانے والے تھے۔'' وہ اس کے فیصلے سے انجان متحیر سا اسے

والٹ تھما گیا تھا جس میں سے اس نے پانچ ہزار کی ایک بھاری رقم نکالی اور شرارت کے ساتھ اس کا والٹ اسے واپس کر دیا اور اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے والٹ جیب میں رکھ لیا تھا اور وہ جیپ گاڑی سے اتری اور اس نے وہ رقم غریبوں میں تقسیم کی تو اس کے لب مسکرا اٹھے تھے کہ اسے سمجھنے میں لمحہ نہیں لگا تھا کہ اس کی بات رانیہ کو سمجھ آ گئی ہے جس کا اس نے اظہار بھی کیا تھا۔

''آج عبادت کی رات ہے تو حقوق اللہ کی ادائیگی سے قبل حقوق العباد کی ادائیگی ضروری ہے اور پٹاخوں وغیرہ میں پیسہ ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ یہ حقداروں تک پہنچ جائے۔'' وہ مسکرا رہی تھی اور ضمیم کا ہاتھ اس کے سر پر آ ٹھہرا تھا اور وہ سوچنے لگا تھا کہ تربیت ڈنڈے کے زور پر نہیں نرمی سے کی جاتی ہے کہ دل کی بات دل تک طاقت و زور کے ذریعے نہیں جاتی یکدم اسے وانیہ کا رویہ ستانے لگا تھا کہ اس کے ساتھ بھی اس نے کبھی زور زبردستی نہیں کی پہلے دل کی بات رکھی تھی اور اس کے انکار پر منانے کی کوشش کی تھی اور اب بھی صرف اسی کا خیال کرتے دوریاں بنائے ہوئے تھا اور اس کی دل کی بات نہ نرمی سے اس تک پہنچی تھی نہ ہی بے اعتنائی برتنے سے ایسا ہو پا رہا تھا۔

''آپ آپا سے ناراض ہیں بھیا؟'' اس کی گہری سوچ کی طنابیں ٹوٹی تھیں۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے اور تم اپنی آپا کو تو جانتی ہی ہو وہ کم گو ہے۔'' اس نے رانیہ کی بات کو مذاق میں ٹالنے کی بھرپور سعی کی تھی۔

''آپا کو تو جانتی ہوں مگر میرے لئے آپ کا انداز بہت اجنبی سا ہے کہ آپا تو ویسی ہی ہیں بس آپ ہی بدل گئے ہو۔'' اسے رانیہ کے اتنے درست و گہرے تجزیہ پر شدید حیرانگی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

''آپ نہ پہلے کی طرح ہنسی مذاق کرتے ہو، نہ ہی کوئی شرارت ورنہ میں اور آپ مل کر آپا کو کتنا تنگ کرتے تھے آپا تو تب بھی ایسی ہی تھیں۔'' وہ قدرے اداس نظر آنے لگی تھی وہ کافی ذہین تھی ہمیشہ جماعت میں اول آتی تھی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں شمولیت پر کتنے ہی سرٹیفکیٹ حاصل کر چکی تھی اور اس کی ذہانت آج ضمیم کے لئے امتحان بن گئی تھی۔

''آپا کی تصویر والٹ میں سجائی ہے تو انہیں ان کے ہونے کا احساس بھی بخشیں کہ آپ اگر آپا کی راہ پر چلیں گے تو نہ صرف خود اکیلے رہ جائیں گے آپا بھی تنہا ہو جائیں گی۔'' وہ اسے حیران و دکھی چھوڑ کر گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی تھی اور اسے احساس ہوا تھا کہ وانیہ سے لاتعلقی ظاہر کرنے کے لئے اسے راستہ بنا کر اس نے کتنا غلط کیا تھا کہ اگر گھر میں کوئی بڑا ہوتا تو وہ ایسا نہ کر پاتا اپنا بھرم ضرور قائم رکھتا اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ بھرم و مان بڑوں کے ہی نہیں اپنے چھوٹوں کے سامنے بھی قائم رکھنا پڑتا ہے وہ بہت کچھ بدلنے کا سوچتا ہاسپٹل کے راستے پر گاڑی ڈال گیا تھا۔

☆☆☆

''رانیہ! اپنی آپا سے پوچھو کہ ان کا تمہارے کمرے میں کب تک قیام پذیر رہنے کا ارادہ ہے۔'' اس نے موبائل پر گیم کھیلتی رانیہ کو ڈھال بنا کر درحقیقت وانیہ سے پوچھا تھا، وہ آج کل گرمیوں کی تعطیلات کی وجہ سے گھر میں ہی تھی، کہ ضمیم نے اس کا میٹرک کلاس میں اسلام آباد کے بہترین اسکول میں داخلہ کروا دیا تھا جو مشکل تو تھا مگر اس کے شاندار تعلیمی ریکارڈ اور ٹیسٹ کلیئر

کر لینے کے سبب آسانی سے ہو گیا تھا، رانیہ ہی نہیں وانیہ بھی حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ دونوں ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں مجھے؟'' وہ معصوم بنا تھا۔

''تمہاری آپا نئی جگہ کی وجہ سے اتنے عرصے سے تمہارے ساتھ روم شیئر کر رہی ہیں مگر اب یہاں آئے ہمیں کافی عرصہ ہو گیا ہے میرا خیال ہے اب تمہیں اکیلا رہنے کی عادت ڈالنی چاہیے کب تک میری بیوی پر قبضہ کیے رہو گی۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا تھا تا کہ رانیہ کے تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں جبکہ وہ ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالتی تن فن کرتی چلی گئی تھی۔

''آپ نے آپا سے دوستی کر لی ہے؟'' وہ اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''ڈیئر ہم دوست ہی تھے تمہارا خیال کر رہے تھے اور الٹا تم ہی نہ جانے کیا کچھ سوچ بیٹھیں اب اکیلے ڈر لگے نا تو میری بیوی کو زحمت مت دینا۔'' اس نے منہ بنا کر کہہ کر اس کی پونی کھینچی تھی اور وہ مسکرا دی تھی اور رانیہ کے جاتے ہی وہ آن دھمکی تھی۔

''رانیہ کے سامنے فضول بکواس کا مطلب؟'' وہ اسے ناگواری سے دیکھ رہی تھی تب اس نے رانیہ سے ہوئی گفتگو اس کے گوش گزار کر دی تھی جس کے بعد اس نے بڑی خاموشی سے ازخود اپنا سامان صمیم کے کمرے میں شفٹ کر لیا تھا مگر اس نے اپنا قیام صوفے تک محدود رکھا تھا اور وہ دونوں کمرے میں چاہے ایک دوسرے سے لاتعلق ہو کر رہتے تھے مگر رانیہ کے سامنے ایک پرفیکٹ کپل شو کرتے تھے۔

☆☆☆

رمضان کی آمد آمد تھی، اس نے رانیہ کے ساتھ مل کر پورے گھر کی اور کچن کی خصوصی صفائی کی تھی اور چند ایک چیزیں بنا کر فریز کر دی تھیں کہ یہی طریقہ ان کی ماں کا تھا کہ رمضان کے بابرکت مہینہ میں وہ عبادت پر خصوصی توجہ دیتیں تھیں اس لئے یہی وانیہ کی بھی عادت تھی اس لئے اس نے رمضان کے آغاز سے قبل ہی چنے ابال کر اور سموسے رول اور جو چیزیں فریز کی جا سکتی تھیں کر لی تھیں تا کہ رمضان میں کام کم ہوں اور عبادت کے لئے وقت زیادہ میسر آ جائے، ان دونوں کی وہی روٹین تھی اور رمضان کا آغاز ہو گیا تھا پڑوس میں درس اور دورہ قرآن کی محفل ہوا کرتی تھی جس میں نہ صرف وہ خود پابندی سے جا رہی تھی رانیہ کو بھی لے کر جاتی تھی، رمضان کی برکات سے وہ مستفید ہو رہے تھے اور ایک ایک کر کے روزے گزرتے جا رہے تھے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس نے عبادات اور نفلی نمازوں کا خاص اہتمام رکھا تھا وہ دونوں مل کر ''صلوۃ التسبیح'' کی نماز لازماً پڑھا کرتی تھیں اور عبادت میں دل لگایا تھا تو اسے اپنے رویے کی بد صورتی کا بھی شدت سے احساس ہونے لگا تھا مگر تلافی کی ہمت نہیں پڑتی تھی وہ رمضان سے پہلے اور رمضان کے دوسرے عشرہ میں بھی عید پر بننے کے لئے کافی کچھ لے آیا تھا مگر رانیہ نے جیسے ہی عید کا چاند نظر آیا تھا چوڑیاں لانے کی ضد شروع کر دی تھی کہ نثار درانی ان سب کو چاند رات کی رونقیں دکھانے لے جایا کرتے تھے وہ منع کرنا چاہتا تھا مگر وانیہ نے بھی چلنے کو کہا تو وہ حیرانگی کے باوجود خاموشی سے راضی ہو گیا تھا، راستے میں رانیہ نے کہا تھا کہ وہ چوڑیوں کے ساتھ اپنی پسند کا جوڑا بھی لے گی اور اس نے لگے ہاتھ وانیہ کو بھی مشورہ دے ڈالا تھا کہ وہ عید کے لئے ساڑھی لے لے مگر اس نے بڑھی سے صاف انکار کر دیا تھا۔

''مجھے ساڑھی بالکل پسند نہیں ہے اور ہم ابھی صرف چوڑیاں لے کر واپس آجائیں گے۔'' اس کے کہنے پر اس کا منہ لٹک گیا تھا۔

''رمضان کی تمام راتوں کی طرح آج کی رات بھی بہت اہم ہے رانیہ، کہ آج عبادت کریں گے تب ہی تو ہمیں انعام یعنی صبح عید نصیب ہوگی کہ پورے سال پڑھیں اور امتحان نہ دیں تو کوئی فائدہ ہوگا؟ سال بھر کی محنت ضائع ہو جائے گی اور شب عید کو عبادت نہ کرنے کا مطلب ہے پورے مہینہ کی عبادت کا انعام وصلہ اپنے ہاتھوں سے ضائع کر دیا۔'' اس نے بہت نرمی سے اسے آج کی شب کی اہمیت سمجھائی تھی وہ دونوں مسکرا دیئے تھے جبکہ وانیہ اس کے بات سمجھ آجانے پر مطمئن ہوگئی تھی لیکن جب کچھ سوچ کر اس نے اپنی پسند سے اسے ایک ساڑھی دلوانا چاہی تھی تب وہ چڑ گئی تھی۔

''آپ لوگ کیوں پیچھے پڑ رہے ہیں، جب میں نے کہا کہ مجھے نہیں پسند، نہیں پہننی ہے ساڑھی۔'' دبے دبے غصہ سے بولی تھی۔

''تمہیں نہیں پسند تو تمہیں میرے کہنے پر پہننی پڑے گی۔'' وہ بے لچک لہجہ میں بول کر وہ ساڑھی پیک کرنے کو کہہ گیا تھا جبکہ وہ اس کے حکمیہ انداز پر خاموش ہوگئی تھی ان دونوں کو ڈھیر ساری شاپنگ کروانے کے بعد وہ انہیں لئے پیزا ہٹ آگیا تھا یہ اور بات تھی کہ رانیہ نے ہر ایک چیز اپنی پسند سے لی تھی اور وانیہ کے لئے اس نے اپنی پسند سے ایک ایک چیز لی تھی اس کی خاموشی، اترا ہوا چہرہ اس کے غصہ و ناراضگی کا مظہر بنا ہوا تھا لیکن اس نے ذرا برابر اہمیت نہیں دی تھی اور فہیم واس کی بیوی کے لئے گفٹ بھی خود ہی پسند کیے تھے، رانیہ بہت چہک رہی تھی اور کافی عرصہ بعد وہ بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

''بہت دن کر لئے تھے آپ نے سنجیدگی کے مظاہرے آخر آ ہی گئے نا اپنے اصلی مسخرے انداز میں۔'' اسے اونچے اونچے قہقہہ لگاتے ہوئے دیکھ کر اس نے بے زاری سے سوچا تھا۔

''بہت تھک گیا ہوں ایک مگ کافی بنا دو۔''

سارے کام بے شک وہی کرتی تھی مگر اس طرح فرمائش اس نے اتنے ماہ میں پہلی بار کی تھی وہ تو پہلے ہی خار کھائے بیٹھی تھی نہایت تپ کر صاف انکاری ہوگئی تھی۔

''میں بھی بہت تھک گئی ہوں، میرا کچن میں جانے کا بالکل ارادہ نہیں ہے۔'' وہ آگے بڑھی ضرور تھی مگر جا نہیں سکی تھی اس نے اتنے ماہ میں پہلی دفعہ اس کی کلائی تھام لی تھی۔

''میں نے تمہارا ارادہ نہیں پوچھا، حکم سمجھتی ہو وہی دے رہا ہوں۔'' وہ اس کی بے یقینی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے سرد لہجے میں بولا تھا۔

''آپ کی ملازمہ نہیں ہوں جو آپ مجھے حکم دے رہے ہیں۔'' وہ کلائی آزاد کرواتے ہوئے بدلحاظی سے بولی تھی۔

''میں نے ملازمہ تو نہیں سمجھا یہ اور بات ہے کہ بیوی اور ملازمہ کی حیثیت میں بلا مبالغہ تھوڑا بہت ہی فرق ہوتا ہے۔'' اس نے لفظوں کو چبا چبا کر ادا کیا تھا وہ اہانت سے سرخ پڑتی ناگواری سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''اور بیوی کا درجہ تمہیں دیا نہیں ہے اس لئے اپنی حیثیت کا تعین خود کر لو تو زیادہ بہتر ہے۔'' اس کے دیکھنے پر وہ مسکرانے لگا تھا اس کا چہرہ ذلت کے مارے سرخ پڑ گیا تھا۔

''رونا چاہو تو شوق سے مگر پہلے مجھے کافی بنا دینا۔'' اس کی آنکھوں میں مچلتے آنسو دیکھ کر گہری سنجیدگی سے کہتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا جبکہ اس کے آنسو روانی سے بہنے لگے

تھے رہانت وغصہ کا احساس رگ و پے میں اترنے لگا تھا اور غصہ میں تو اس کی عقل بالکل ہی ماؤف ہو جاتی تھی اس وقت بھی یہی ہوا تھا جبکہ وہ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھنے کے بعد ایک پل کو چین کی سانس نہیں لے سکتا تھا کمرے میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا اس نے اے سی کی کولنگ بڑھائی مگر نہ جانے کیسی بے کلی تھی کہ اس نے تازہ ہوا کی چاہ میں کھڑکی کے پردے ہٹا دیئے تھے سگریٹ سلگائی تھی اور کھڑکی میں آن کھڑا ہوا تھا سامنے کا منظر دیکھ اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھوٹی اور وہ اندھا دھند باہر کی طرف بھاگا اور وہ جو غصہ میں کچھ سوچے سمجھے بنا گھر سے نکل گئی تھی اسے ہزار تاویلوں کے باوجود زبردستی بازو سے جکڑے تقریباً گھسیٹتے ہوئے گھر میں لایا تھا اور بیڈ پر دھکیل کر بری طرح اسے اس کی حرکت پر سرزنش کرنے لگا تھا۔

''مجھے نہیں رہنا ہے آپ کے ساتھ۔'' وہ چیخی تھی۔

''بکواس بند کرو اپنی ورنہ جان سے مار دوں گا۔'' وہ اس سے زیادہ زور سے چیخا تھا۔

''ہاں مار دیں ایک بار ہی جان سے مار دیں تا کہ روز روز کی بے عزتی سے تو جان چھوٹ جائے گی۔'' بلکتے ہوئے بولی تھی اور وہ جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا تھا۔

''وانیہ!'' اتنے عرصے میں پہلی دفعہ نرمی و چاہت سے اسے پکارا تھا۔

''بیوی آپ سمجھ نہیں رہے، ملازمہ میں بننا نہیں چاہتی تو کیوں روکا مجھے، جانے دیں یہاں سے مجھے آپ کی ملازمہ بن کر نہیں رہنا ہے۔'' اس کی گریہ وزاری بڑھ گئی تھی۔

''آئی ایم سوری، میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔'' وہ اس کے مقابل آیا تھا۔

''آپ نے مجھے ہرٹ نہیں کیا میری عزت نفس کو کچل کر رکھ دیا ہے۔'' وہ اس کا بازو جھٹکتی پھنکاری تھی۔

''اور یہی سب جب تم کر رہی تھیں، وہ کچھ نہیں صرف تمہارے خراب رویے کے سبب کتنے لوگ متاثر ہوئے کبھی تم نے سوچنے کی زحمت تک نہ کی اور آج بات خود پر آئی تو برداشت نہیں ہو رہا۔'' وہ دکھی لہجے میں بولے بنا نہیں رہا تھا۔

''ہاں نہیں ہو رہا برداشت اور کیوں ہو، میں نے تو آپ سے صرف شادی سے انکار کیا تھا نہیں ہیں آپ مجھے پسند اس لئے نہیں کرنا تھی مجھے آپ سے شادی اور اقرار و انکار کا جب مجھے حق حاصل تھا تو کیوں انا و ضد کا مسئلہ بنایا؟ کیوں زبردستی مجھ سے نکاح کیا؟ اسی لئے نا کہ میری عزت نفس متاثر کر سکیں، مجھ سے اپنی توہین کا بدلہ لے سکیں۔'' وہ اس سے بدگمان تھی۔

''میں نے ضد و انا کا مسئلہ نہیں بنایا کہ ہر مسئلہ تمہاری طرف سے ہے کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ جبراً نکاح کیا ہے۔'' وہ بھی دوبدو بولا تھا۔

''اور جبر کیسے ہوتا ہے میرے انکار کے بعد کیوں میرے باپ کو جذباتی بلیک میل کیا گیا؟'' وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

''میں نے تمہارے صاف انکار کے بعد ہر راستہ بند ہونے پر اپنی جان لینا چاہی تھی اور میرے لئے میرے ماں باپ مجبور ہو گئے لیکن میں نے اپنی ماں کی آنکھوں میں مجھے کچھ ہو جانے کا جب خوف دیکھا تھا تب مجھے احساس ہوا تھا کہ میں نے کتنا غلط قدم اٹھایا تھا میں نے اپنی ماں سے سوری کی تھی اور انہوں نے جب ہمارے نکاح کی بعد کی تھی تو میں نے انکار کر دیا تھا لیکن ان کے قسم دینے، ہاتھ جوڑنے پر میں خاموش ہو

گیا تھا میری ماں سے محبت اور دل میں ان کے لئے احترام کو تم جبر کا نام دیتی ہو تو شوق سے دو۔" اس نے تمام تر تفصیل سے اسے آگاہ کیا تھا۔

"نکاح سے پہلے احساس تھا کہ تم ایسا نہیں چاہتیں تو ماں کو روکنا چاہا تھا مگر ماں نے مجبور کر دیا اور ہمارا نکاح ہو گیا۔" وہ بیڈ پر گر سا گیا تھا۔

"نکاح کے بعد احساس ہوا کہ تم اسے نبھانا نہیں چاہتیں تو اس بندھن سے تمہیں آزاد کرنا چاہا مگر بڑی ماما نے مجبور کر دیا اس لئے رشتہ اب تک قائم ہے۔" وہ نہایت آزردہ لہجہ میں بولا تھا۔

"لیکن تم نہیں چاہتیں تو ٹھیک ہے میں تمہیں آزاد کر دیتا ہوں کہ تمہاری خوشیوں کا قاتل بننے سے بہتر تو یہ ہے کہ میں عہد شکن بن جاؤں۔" اس نے فیصلہ لیا اور اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

"عہد شکنی آپ کریں گے نہیں آپ تو ہر عہد توڑ چکے صمیم درانی۔" وہ اسے بے یقینی سے دیکھنے لگا تھا۔

"آپ نے خود سے کیا عہد توڑا ہے مجھ سے محبت کرنا چھوڑ کر، آپ نے محبت سے کیا عہد توڑا ہے، محبت کے تقاضے پورے نہ کر کر، آپ نے چھوٹی مما سے کیا عہد توڑا ہے مجھے خوش نہ رکھ کر، مجھے طلاق دینے کی بات کر کے، آپ نے مما سے کیا عہد توڑا ہے مجھے محبت و عزت نہ دے کر، آپ عہد شکن ہیں صمیم اور پہلے میں آپ کو صرف ناپسند کرتی تھی مگر اب شدید نفرت کرتی ہوں، سنا آپ نے صمیم میں آپ سے نفرت کرتی ہوں۔" وہ اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑے بلکتے ہوئے کہتی چلی گئی تھی اور وہ سناٹے میں آ گیا تھا مگر کچھ ہی دیر میں سنبھلا تو اس کے اپنے گریبان تھامے ہاتھ جکڑ لئے تھے۔

"ہاں ہوں میں عہد شکن، مگر مجھے عہد شکن تم نے بنایا ہے، تمہارے دھوپ سے مزاج اور خزاں کی چاہ نے مجھے ایسا بنایا ہے۔" وہ ہر الزام اس پر جڑ گیا تھا وہ رونا بھول کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کے حزن و ملال کا منظر پیش کرتے چہرے کو دیکھنے لگی تھی۔

"تمہاری پسند کے سانچے میں ڈھلتے ڈھلتے میں خود خزاں کی دھوپ بن گیا مگر تمہارے معیار پر پھر بھی نہ اتر سکا۔" اس کی آنکھوں میں نمی سی در آئی تھی۔

"میں نے ہنسنا، مذاق کرنا، تمہیں ستانا شوخ رنگ پہننا چھوڑ دیئے پھر بھی تم مجھے بے یقینی سے دیکھتی رہیں تمہیں میری چاہت کے رنگ میری کمزوری لگتے تھے۔" اس نے یکدم نگاہ چرا سی لی تھی اور وہ تلخی سے ہنس دیا تھا۔

"تمہیں سوبر اور غصیلے دو ٹوک فیصلہ سنانے والے، بات کہہ کر پیچھے نہ ہٹنے والے، اپنی ذات کو اہمیت دینے والے، اپنی ضد کے آگے کسی کو کچھ نہ سمجھنے والے مغرور مرد اچھے لگتے تھے اور میں ایسا ہی بن گیا تو تم کہتی ہو کہ میں عہد شکن ہوں۔" وہ نہایت دکھ و آزردگی سے بولا تھا۔

"میں غلط تھی، میری پسند غلط تھی صمیم۔" وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"میں جن باتوں، جن انداز کو مردوں کی شان سمجھتی تھی وہ خود میرے لئے باعث آزار بن گئے۔" وہ بہ خوبی سمجھ گئی تھی کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔

"آپ کی بے رخی نے مجھے احساس دلایا کہ آپ کا سابقہ روپ کتنا میٹھی چھاؤں جیسا تھا کہ مزاج کی دھوپ تو بہار کو خزاں میں بدل دیتی ہے جبکہ آپ تو میرے لئے بہار کا پیام تھے مگر

میں یہ اس وقت جان پائی جب بہار نے خزاں کی دھوپ اوڑھ لی۔'' وہ بری طرح سسک رہی تھی۔
اپنی پسند، اپنی سوچ پر نادم تھی کہ انسان بعض اوقات پسند اور آئیڈیل کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اپنے لئے خزاں کا انتخاب کر لیتا ہے جبکہ اللہ نے اس کے لئے نرم سی بہار رکھی ہوتی ہے مگر انسان اپنی ناشکری و جلد بازی سے مجبور ہو جاتا ہے۔
''میں نے تمہاری ڈائری پڑھی تھی وانیہ۔''
وہ رونا بھول گئی تھی۔
''میں ڈائری کے ذریعے تمہاری سوچ، تمہاری پسند اور تمہارے آئیڈیل سے متعلق سب کچھ جان گیا تھا اسی لئے جب رخصتی ہوئی اس کے بعد میں نے تمہیں مخاطب تک نہ کیا بلکہ تمہارے ساتھ روڈلی بی ہیو کرتا رہا کہ میں تمہیں یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ مزاج کی نرمی اور سختی معنی نہیں رکھتی کچھ معنی رکھتا ہے تو وہ ہے رشتوں کا احساس اور محبت۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔
''اگر شوخ آدمی کے دل میں محبت ہے اور وہ محبت کرنا جانتا ہے تو اس سے اچھا کوئی نہیں ہے اور سنجیدہ و اکھڑ آدمی کے دل میں محبت نہیں ہے گر محبت ہے بھی تو اسے محبت کرنا نہیں آتی تو اس سے زیادہ برا و کمزور انسان کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔'' وہ نہایت نرم لہجہ میں بولا تھا۔
''سچ کہوں ناصمیم تو آپ مجھے وہ اپنے شوخ بے پرواہ انداز میں ہی اچھے لگتے تھے، یہ سنجیدہ سا کڑوے جملہ بولتا صمیم درانی مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' وہ سسکی تھی اور اس نے اسے خود سے لگا لیا تھا۔
''میری ساری شوخیاں تمام شرارتیں تمہارے دم سے ہیں کہ میں تمہاری خوشی کے لئے خود کو قربان کر سکتا ہوں۔'' وہ اس کے گرد گھیرا تنگ کرتے ہوئے شدت جذبات سے چور لہجے میں بولا تھا۔
''آئی لو یو وانیہ! تم میری محبت، میرے جینے کی وجہ ہو۔'' اس نے مخمور لہجے میں کہہ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔
''آئی لو یو ٹو صمیم!'' وہ بھیگتے حیا آلود لہجے میں بولی تھی۔
''اب لگا ہے کہ آج چاند رات ہے۔'' وہ شوخی سے مسکرایا تھا وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔
''چاند میری بانہوں میں اترا ہے اس سے حسین چاند رات کون سی ہو سکتی ہے۔'' وہ اسے اپنے قریب کرتے ہوئے معنی خیزی سے بولا تھا اور اس کا چہرہ دہکنے لگا تھا اور وہ مزید جسارتوں پر آمادہ ہوا ہی تھا کہ دروازہ پر زوردار طریقے سے دستک ہوئی تھی جہاں وہ بدمزہ ہوا تھا وہ کھلکھلا اٹھی تھی اس نے وانیہ کو یوں کھل کر پہلی دفعہ ہنستے دیکھا تھا ورنہ وہ تو مسکرانے میں بھی کنجوس واقع ہوئی تھی۔
''ہنستی رہا کرو بہت اچھی لگتی ہو۔'' وہ بے ساختہ بولا تھا اور وہ جھینپ کر دروازہ کھول گئی تھی آنے والی رانیہ ہی تھی جو خوشی خوشی اپنی مہندی دکھا رہی تھی۔
''آپا! میری مہندی اچھی لگ رہی ہے نا؟'' اس نے اپنے ہاتھ بھرپور مسرت کے ساتھ وانیہ کے آگے کیے تھے۔
''بہت پیاری لگ رہی ہے بالکل تمہاری طرح۔'' اس نے مسکرا کر کہتے ہوئے اس کا رخسار تھپکا تھا اور وہ حیرانگی سے وانیہ کو دیکھنے لگی تھی۔
''میں جان گئی ہوں رانی! کہ جو مزہ ہنستے مسکراتے زندگی گزارنے میں ہے وہ منہ بنا کر روتے دھوتے گزارنے میں نہیں ہے۔'' وہ بہن

کی حیرت بھانپ کر آزردگی سے بولی تھی اور وہ بہن سے لپٹ گئی تھی۔

''سچ کہا آپ نے کہ جو مزہ دوسرے کو تنگ کرنے میں آتا ہے کسی اور کام میں آ ہی نہیں سکتا۔'' وہ کھلکھلا رہی تھی وہ مسکرا دی تھی کہ اس کی سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے ان دونوں میں خاص انڈر اسٹینڈنگ نہ تھی مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ خودساختہ فاصلے مٹا ڈالے گی۔

''بھابھی! آپ کو بھی مہندی لگانے کے لئے بلا رہی ہیں۔'' اس نے عرشیہ کا کہا تھا کہ وہ خود بھی اسی سے مہندی لگوا کر آئی تھی۔

''نہیں، مجھے پسند نہیں ہے۔'' وہ سختی کے بجائے نرمی سے بولی تھی۔

''مہندی لگوا لو جا کر وانیہ۔'' وہ دونوں ہی خاموش کھڑے صمیم کی آواز پر چونکی تھیں۔

''مجھے مہندی بہت اچھی لگتی ہے اور مہندی لگے ہاتھ اچھے سے بھی بہت اچھے لگتے ہیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا اور رانیہ کے کھلکھلانے پر وہ جھینپ مٹانے کو اس کے سر پر ایک چپت لگا گئی تھی۔

''مہندی لگاؤں گی میں سجنا کے نام کی۔'' وہ شوخی سے گنگنائی تھی اور وانیہ کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا جبکہ صمیم کے بے ساختہ قہقہہ پر اس کا چہرہ اناری ہو گیا تھا اور وہ خفت مٹانے کو اسے مارنے کو لپکی تھی جبکہ وہ اسے انگوٹھا دکھاتی منہ چڑاتی باہر کی جانب بھاگ گئی تھی۔

''تو جان صمیم آپ لگائیں گی اپنے سجنا کے نام کی مہندی۔'' وہ آنکھوں میں شوخی لبوں پر مسکان سجائے اس کے سامنے آن ٹھہرا تھا۔

''ہاں کہ اب یہ جان صمیم صرف وہی کرے گی جو صمیم کو پسند ہے۔'' وہ حیاء سے سرخ پڑتی لب کا کونا دانتوں تلے دبا کر نرمی سے شوخی سے بولی تھی اور اس کی اس ادا پر وہ دل و جان سے فدا ہوتا اسے خود سے لپٹا گیا تھا رمضان کی مبارک ساعتیں گزر گئی تھیں مگر اللہ کو ان کا کوئی ادنیٰ سا فعل اتنا پسند آیا تھا کہ ان کی کھوئی مسرتیں انہیں لوٹا دی تھیں خزاں کو بہار کا پیرہن عطا کر دیا تھا اور دھوپ، چھاؤں کے قالب میں ڈھل گئی تھی شب عید ان کے لئے راحتیں مسکراہٹیں لے کر آئی تھی کہ وہ محبتوں کی کاری گری جان گئے تھے کہ محبت جس دل کو چھو لے ہر دن بہار اور ہر رات شب عید کی مانند چمکدار اور روشن ہو جاتی ہے۔

میں خزاں کی دھوپ ہوں
تو پیام ہے بہار کا

وہ مہندی سے بیل بوٹے بنواتے ہوئے کسی سوچ کے تحت مسکرائی تھی اور اس نے اپنی سوچ بذریعہ ٹیکسٹ اسے ارسال کر دی تھی جو بے چینی سے اس کا منتظر تھا اس نے مسکرا کر اس کا ارسال کیا ہوا میسج پڑھا اور کمرہ اس دشمن جاں کے شایان شان سجانے کی تیاری کرنے لگا کہ شب عید وصال یار کے سنگ جلوہ افروز ہونی تھی اور انہیں یقین ہو چلا تھا کہ صبح عید بہت پرنور ہوگی۔

☆☆☆

شگفتہ شاہ

''دانش کی ماں! ارے کہاں ہو بھئی؟''
توصیف صاحب نے پکارا تو ان کی بیگم نے کچن سے سیٹنگ روم میں آتے کہا۔
''ارے آپ گئے نہیں ابھی تک، ٹرین کا وقت ہونے ہی والا ہے، ایسا نہ ہو کہ مسکان پہلے پہنچ جائے اور اسٹیشن پر کسی کو نہ پا کر پریشان ہو جائے۔''
''جا رہا ہوں بھئی، کار کی چابی ڈھونڈ رہا تھا سو اب مل گئی، اس کا کمرہ تو سیٹ ہو گیا ہے ناں؟''
''ہاں بھئی! بالکل سیٹ ہے۔''
''دانش کہاں ہے؟''
''وہ تو باہر گیا ہوا ہے۔''
''اس لڑکے کا جانے کیا ہوگا، گھر میں ہوتا بھی ہے تو جیسے نہ ہونے کے برابر، کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتا، یا پھر باہر ہوتا ہے، بغیر کسی اطلاع کے۔'' توصیف صاحب کچھ فکر مندی سے بولے۔
''ہاں، اسے بھی آپ کے ساتھ جانا چاہیے تھا ریلوے اسٹیشن۔'' بیگم توصیف بولیں۔
''اسے اپنی دنیا سے باہر کا کچھ ہوش ہو تو وہ دوسروں کے بارے میں بھی سوچے برخوردار...... اچھا بھئی میں جا رہا ہوں۔'' کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئے۔

☆☆☆

''مسکان بیٹا! اتنا تکلف کیوں کر رہی ہو؟ یہ تمام ڈشز تمہارے لیے ہی تو پکائی ہیں مگر تم تو کچھ نہیں لے رہی ہو۔'' بیگم توصیف شامی کباب مسکان کے قریب بڑھاتے ہوئے بولیں تو مسکان نے فوراً کہا۔
''آنٹی! پلیز اور کتنا کھلائیں گی اتنا تو کھا چکی ہوں، سچ اتنے عرصے کے بعد تو ہاسٹل کے کھانے کے بعد گھر کے کھانے میسر آئے ہیں۔''
''ہائے میری بچی! اسی لیے تو اتنی دبلی ہو رہی ہو، کیوں دانش کے ابا، بچی اسی لیے کمزور لگ رہی ہے ناں؟'' بیگم توصیف نے مسکان سے بات کرتے ہوئے اچانک توصیف صاحب کو مخاطب کیا تو وہ ازراہ مذاق بولے۔
''بیگم صاحبہ! میری کیا مجال ہے کہ میں آپ کی کسی بات سے اختلاف کروں؟ آپ سے نکاح کے وقت تین مرتبہ ''قبول ہے'' کہا تھا تو آج تک آپ کی ہر بات پر بھی قبول ہے کہا ہے۔'' یہ سنتے ہی مسکان کی جو ہنسی چھوٹی تو بیگم توصیف کھسیانی ہو کر بولیں۔
''توبہ ہے! آپ تو کبھی سنجیدہ ہوں گے ہی نہیں۔''
مسکان نے اتنی دیر سے ٹیبل پر بیٹھے کھانے میں مشغول دانش کو حیرت سے دیکھا جو لگتا تھا کہ وہاں اکیلا بیٹھا تھا، نہ کچھ سن رہا ہو نہ محسوس کر رہا ہو، اپنی سوچوں میں گم اور لاتعلق سا، وہ بیگم توصیف سے بولی۔
''آنٹی! یہ دانش صاحب بہت کم بولتے ہیں کیا؟'' بیگم توصیف سے پہلے توصیف صاحب بول اٹھے۔
''مسکان بیٹا! یہ ہمارے آرٹسٹ صاحب ہیں، ان کو ہماری کمپنی میں بھلا کیا مزہ آئے گا؟ ان ے

کوشاید ہماری باتیں سمجھ میں ہی نہیں آتی ہیں، یہ تو صرف رنگوں کی زبان سمجھتے ہیں۔''
''کون...... میں؟'' دانش ایکدم چونک کر بولا۔

''نہیں بابا، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''
''بیٹا! دانش واقعی تمہیں بھی مسکان سے اپنا تعارف کرانا چاہیے، یہ کوئی مہمان نہیں ہے، بلکہ آج سے یہ ہماری فیملی میں شامل ہے اور اسے

اسی گھر میں رہنا ہے ہم سب کے ساتھ۔'' بیگم توصیف مسکان کی طرف شفقت بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی بولیں تو دانش کے چہرے سے لگا کہ وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پایا تھا تب توصیف صاحب نے مسکان کی اداسی کو بھانپتے ہوئے کہا۔

''بیٹا دانش! میں تعارف کراتا ہوں، یہ میری پیاری بیٹی مسکان ہے، میرے سب سے عزیز ترین دوست کی بیٹی، اس کی زندگی نے وفا نہیں کی، اس کے انتقال کے بعد یہ بچی اب میری ذمہ داری ہے، سوچتا ہوں کہ آج وہ اگر زندہ ہوتا تو مسکان کی تعلیم مکمل کرنے پر کتنا خوش ہوتا۔''

''اب بس بھی کریں، آج خوشی کے اس موقعے پر بچی کو باپ کی کمی یاد دلا کر اداس تو نہ کریں، یہ اب ہماری بچی ہے۔'' بیگم توصیف نے ٹوکا۔

''دانش بیٹا! تم مسکان بیٹی کو اپنی پینٹنگز دکھانا اور ہاں بلکہ اس گیلری میں لے کر جانا جہاں آج کل تمہاری پینٹنگز کی نمائش ہے۔''

''جی ہاں ضرور۔'' دانش نے تکلفاً کہا مگر یہ سن کر مسکان بہت ہی ایکسائیٹڈ ہوگئی۔

''ارے ہاں، آپ کا تو آرٹ میں بہت نام ہے، میری فرینڈز گئی تھیں آپ کی تصویروں کی نمائش دیکھنے، وہ تو آپ کا کام دیکھ کر فین ہو گئیں ہیں آپ کی۔''

''مسکان بیٹا! تم سفر سے آئی ہو، اب تھک گئی ہو گی، چلو میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھاتی ہوں۔'' بیگم توصیف یہ کہتے ہوئے کھڑی ہو گئیں، تو وہ بھی اٹھ کر ان کے ساتھ جانے لگی، وہ واقعی بہت تھک گئی تھی اور اب تو کھانے کے بعد نیند بھی آنے لگی تھی۔

☆☆☆

دوسری صبح مسکان بہت فریش ہو کر اٹھی اسے بہت آراستہ اور ہر سولت سے آراستہ کمرہ دیا گیا تھا، وہ فریش ہو کر کمرے سے باہر نکلی اور گھوم پھر کر بنگلے کا جائزہ لیا، بہت خوبصورت بنگلہ تھا خاص طور پر لان جو بہت ہی خوبصورت تھا، ہری گھاس کے کناروں پر طرح طرح کے پھول اور درخت، درختوں کے نیچے خوبصورت آئرن ورک کا جھولا، پھر وہ کچن کی طرف آ گئی جہاں بیگم توصیف چائے اور آملیٹ بنا رہی تھیں، وہ ایکدم اندر آئی اور پوچھا۔

''آنٹی! کچن کا کام آپ خود کرتی ہیں کیا؟''

''ارے نہیں بیٹا! آج زیبو نہیں آئی ہے تو خود ناشتہ بنانے لگی، وہ جب بھی چھٹی پر ہوتی ہے تو میں ہی کھانا وغیرہ بنا لیتی ہوں۔''

''اوہ...... چھوڑیں آپ، مجھے بتائیں کہ کیا بنانا ہے، آپ کو تو آرام کرنا چاہیے۔'' وہ ان کے ہاتھ سے فرائنگ پین لے کر بولی اور جلدی جلدی آملیٹ کے ساتھ سلائس بنا کر رکھے، دو مگ چائے کے ٹرے میں رکھے اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھی جہاں توصیف صاحب اخبار پڑھ رہے تھے۔

''ارے مسکان بیٹا! یہ کیا کر رہی ہو؟'' بیگم توصیف پیچھے پیچھے آتے کہہ رہی تھیں مسکان نے ٹرے ٹیبل پر رکھا اور کہا۔

''آنٹی آپ نے ہی تو کہا تھا کہ میں اب اسی گھر کا ایک فرد ہوں بلکہ بیٹی کہا ہے آپ نے تو بیٹی کو خدمت کا موقع بھی تو دیں۔''

''ارے تمہیں ہم بیٹی بنا کر لائے ہیں، خدمت کے لئے نہیں۔'' توصیف صاحب بھی بول پڑے۔

"فکر مت کریں انکل، ہاسٹل میں چار سال ضرور رہی ہوں مگر چھٹیوں میں کوکنگ، سلائی کڑھائی اور سجاوٹ کی چیزیں بنانے کے شارٹ کورسز بھی کیے ہیں، اب مجھے ان کو عملی طور پر آزمانے کا موقع بھی ملنا چاہیے ناں۔" اس نے کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے، کتنا اچھا لگ رہا تھا انہیں، ان کی اپنی تو کوئی بیٹی نہیں تھی مگر آج لگا کہ جہاں بیٹیاں ہوتی ہیں وہ گھر کتنا بھرا بھرا اور مختلف لگتا ہے۔

"انکل! گھر کتنا بکھرا بکھرا سا لگ رہا ہے، یہ نوکر آخر کیا کام کرتے ہیں؟"

"بس بیٹا! کوئی دیکھنے اور نگرانی کرنے والا جو نہیں، میں آفس میں شام تک ہوتا ہوں، تمہاری آنٹی بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں، طبیعت خراب ہو تو کمرے تک ہی محدود رہتی ہیں، رہا دانش، تو اسے اپنی آرٹ کی دنیا سے ہی فرصت نہیں ہے، وہ یونیورسٹی میں آرٹ کے شعبے میں استاد ہے مگر اس کا کہنا ہے کہ نوکری میں اسے محدود دائرے میں رہ کر کام کرنا ہوتا ہے اس لئے شام کو آرٹ کلب میں دوستوں کے ساتھ تخلیقی کام کرتا ہے اور اکثر رات کو دیر سے آتا ہے تو پھر کون دیکھے اس گھر کو۔" ان کے لہجے میں کرب تھا۔

"اب آپ لوگ بالکل بے فکر ہو جائیں، اب میں ہوں ناں، کچھ ہی دنوں میں دیکھئے گا کہ اس گھر کا نقشہ کیسے بدلتا ہے۔" توصیف صاحب اور بیگم توصیف کے چہروں پر اطمینان بھری مسکراہٹیں آگئیں اور پھر تینوں نے مل کر ناشتہ کیا۔

☆☆☆

دانش نے آخری اسٹروک لگا کر پینٹنگ کو مکمل کیا اور اب کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر اس کا تنقیدی جائزہ لے رہا تھا، ایک حسین عورت کا پورٹریٹ تھا جس کے پس منظر میں قوس و قزح کے رنگ بکھرے ہوئے تھے، وہ کتنے ہی دنوں سے اس پورٹریٹ پر کام کر رہا تھا مگر آج مکمل کرنے کے باوجود اسے لگا کہ کہیں کوئی کمی ہے، وہ اب بھی ادھوری سی لگ رہی تھی، وہ بار بار مختلف زاویوں سے اسے دیکھتا رہا مگر اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس چیز کی کمی تھی، ابھی وہ اسی گتھی کو سلجھا رہا تھا کہ اچانک تیز جدید موسیقی کی دھن کانوں سے ٹکرائی تو وہ اپنے خیالوں سے چونک سا پڑا، اس گھر میں تو سدا سے سناٹوں کا ڈیرہ تھا، پھر یہ زندگی سے بھرپور موسیقی کی آواز کیسی تھی؟

وہ ڈسٹرب ہو رہا تھا، اس لئے کمرے سے باہر آیا تو دیکھا کہ لاؤنج میں صوفے پر مسکان پاؤں رکھے بڑے مزے سے فیشن میگزین دیکھ رہی تھی اور ساتھ میں رکھے سی ڈی پلیئر پر کوئی سونگ چل رہا تھا، وہ غصے سے آگے بڑھا اور سی ڈی پلیئر سے سی ڈی ایک جھٹکے سے نکال لی تو وہ چلا کر بولی۔

"آپ نے کیوں بند کر دیا سانگ؟"

"مجھے یہ شور شرابا بالکل بھی پسند نہیں ہے۔"

"کون سا شور شرابا؟" وہ معصومیت سے بولی۔

"یہ...... فضول قسم کے گانے۔" وہ اسے سی ڈی دکھا کر بولا۔

"ارے...... یہ...... سانگ؟" وہ زور سے ہنس کر بولی۔

"کیا خوشی کی کیفیت والا گیت شور شرابا ہوتا ہے؟" پھر کچھ سنجیدہ ہو کر بولی۔

"دانش صاحب! یہ تو انسان کے موڈ پر منحصر ہوتا ہے، کبھی کلاسیکل انداز من کو بھاتا ہے تو کبھی غزلیں سننے کا جی چاہتا ہے اور کبھی کبھار بہتر

موسیقی کا موڈ ہوتا ہے، آپ کے لئے کیا خوشی سے بھرپور گیتوں کے لئے ''شور شرابا'' کا تاثر ہے۔''

''میں سخت ڈسٹرب ہو رہا ہوں، میں کسی شور شرابے کا عادی نہیں ہوں اپنے تخلیقی کام کے دوران اور نہ ہی مجھے غیر سنجیدہ لوگ پسند ہیں؟''
وہ اب بھی غصے میں تھا، تب وہ افسردہ ہو کر بولی۔
''ضروری نہیں کہ بظاہر غیر سنجیدہ نظر آنے والے لوگ واقعی ایسے ہی ہوں، سنجیدگی کی بات پر سنجیدہ رہنا چاہیے، مگر بغیر سبب کے سنجیدہ رہنا بھی اچھا نہیں، بندے کو ہنس بول بھی لینا چاہیے، لائف کو انجوائے بھی کرنا چاہیے۔''
''میں کسی قسم کی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔''
''کبھی رنگوں کی دنیا سے باہر نکل کر بھی دیکھیں تو پتا چلے گا کہ زندگی اتنی بور بھی نہیں جتنی آپ نے اپنے لئے بنا رکھی ہے۔''
دانش نے کوئی جواب نہیں دیا اور سی ڈی اپنے ساتھ لئے چلتا بنا اور وہ اسے پٹر پٹر دیکھتی ہی رہ گئی۔

☆☆☆

مسکان دانش کے والد کے مرحوم دوست کی اکلوتی بیٹی تھی، مرتے وقت وہ توصیف کے حوالے اس کی ذمہ داری کر گئے تھے، جو اس وقت ہاسٹل میں رہ رہی تھی، جب اس کی تعلیم مکمل ہوئی تو وہ اسے گھر لے آئے تھے، اس کے آنے سے پہلے اس کے گھر کا ماحول خاموش سا تھا، توصیف صاحب صبح سے شام تک آفس میں مصروف، بیگم توصیف اپنے کمرے تک محدود اور خاموش کیونکہ اس سے بات کرنے والا بھی تو کوئی نہیں تھا، وہ خود بھی سارا سارا دن گھر سے باہر ہی رہتا تھا اور ویسے بھی اس کی تو کل کائنات ہی اس کے فن کی دنیا تھی، وہ آرٹسٹوں کے سرکل تک محدود تھا اور زیادہ سوشل نہیں تھا۔
وہ فطری نظاروں کو بھی پینٹ کرتا تھا مگر حقیقت میں وہ خود فطری ماحول سے دور ہوتا جا رہا تھا، گھر میں ہوتا تو کمرے میں بند ہوتا، کھڑکیاں تک نہ کھولتا۔
مگر اب...... مسکان کے آتے ہی جیسے اس گھر کا ماحول ہی بدل کر رہ گیا تھا، وہ واقعی میں مسکان تھی ہر وقت ہنستی اور مسکراتی، اب گھر میں سناٹے کے بجائے اس کی ہنسی کی کھنکناہٹ گونجتی رہتی اور پھر ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتی نظر آتی، کچن تو اس نے سنبھال ہی لیا تھا اور اب ملازمہ کے ہاتھوں کے کھانے کے بجائے نت نئی ڈشز ہوتیں ہر روز، کبھی مالی کے سر پر سوار ہو کر نت نئے پودے لگواتی اور پھر اپنے ہنر بھی آزماتی، خوبصورت والز کو خود اسپرے کر کے پینٹ کرتی اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے Italian dovgh اور toamic پھول سجاتی جو بے انتہا خوبصورت دکھتے، نئے پردے سلوائے اور گھر کی سیٹنگ بھی بدلی، خود بھی ملازمہ کے ساتھ کھڑی صفائی کے کام کی نگرانی کرتی اور ہدایات دیتی، غرض کہ دیکھتے ہی دیکھتے گھر کا نقشہ ہی بدل گیا۔

☆☆☆

''دانش کے ابا! جب سے مسکان اس گھر میں آئی ہے تو کس قدر رونق ہو گئی ہے، پھر سارے گھر کا انتظام بھی سنبھال لیا ہے اور میرا تو بہت خیال رکھتی ہے۔'' بیگم توصیف بولیں تو توصیف صاحب نے کہا۔
''ہاں بھئی! اور اب تو خوب مزے کے کھانے بھی مل رہے ہیں، ہمیں تو ساری عمر حسرت ہی رہی کہ آپ ہمارے لئے اتنے اچھے کھانے پکاتیں۔''

''آپ کو تو ہر وقت مذاق سوجھتا ہے۔''
بیگم توصیف نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
اسی وقت مسکان کمرے میں داخل ہوئی۔
''ڈنر تیار ہے آجائیں، میں دانش کو بھی بلا کر لاتی ہوں۔''
''اچھا بیٹا!'' توصیف صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔
مسکان دانش کے کمرے کی طرف بڑھی اور بند دروازے پر ناک کیا، دانش نے دروازہ کھولا اور اسے دیکھ کر کہا۔
''کیا بات ہے؟''
''ڈنر کے لئے آجائیں جناب!''
''سوری، اس وقت میں پینٹنگ میں مصروف ہوں۔''
''پینٹنگ تو آپ ہر وقت ہی کرتے رہتے ہیں، کھانا وقت پر کھانا صحت کے لئے اچھا ہوتا ہے، ڈنر کے بعد اپنا کام کرتے رہیے گا۔'' وہ بولی۔
''مجھے آپ کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ چڑ کر بولا۔
''آپ اتنے بیزار کیوں رہتے ہیں؟ کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتے، خاص طور پر مجھ سے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔
''میں نے کہا ناں کہ مجھے ڈسٹرب نہ کریں پلیز۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا تو وہ بڑبڑائی۔
''نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں، ناں کھائیں کھانا، میری بلا سے۔'' وہ کہتے ہوئے ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

دانش آرٹ کلب کے کیفے میں اپنے آرٹسٹ دوست آصف کے ساتھ بیٹھا تھا، دونوں کتنی ہی دیر آرٹسٹوں کے مسائل کے حوالے سے بات کر رہے تھے اور ساتھ میں اسنیکس اور چائے کا دور بھی چل رہا تھا کہ اچانک آصف نے کہا۔
''یار! آرٹ کے حوالے سے بہت بول چکے، تم اب یہ بتاؤ کہ شادی کب کر رہے ہو؟''
''یار! کیسا سوال کر دیا اچانک۔'' دانش نے کہا اور پھر اداس ہو کر کہا۔
''تم بہت خوش قسمت ہو کہ جسے چاہا تھا اسی سے شادی بھی ہو گئی، تم تو جانتے ہو کہ میری یونیورسٹی میں پڑھائی کے دوران فقط نتاشا سے ہی انڈر اسٹینڈنگ ہو پائی تھی مگر اس کی شادی کہیں اور ہو گئی، اب کوئی اور لڑکی مجھے اس کی طرح سمجھ نہیں پائے گی، تمہاری فیملی کتنی آئیڈیل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم دونوں میں شادی سے پہلے اور بعد میں اتنی انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہوتی تو شاید تمہاری فیملی آئیڈیل نہیں ہوتی۔'' یہ سنتے ہی آصف نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔
''شادی سے پہلے انڈر اسٹینڈنگ اور طرح کی ہوتی ہے جبکہ کامیاب ازدواجی زندگی کے لئے کمپرومائز ہوتا ہے، تبھی گزرتی ہے۔''
''کیا مطلب؟'' دانش حیران ہو کر بولا۔
''میں سمجھا نہیں۔''
''کچھ نہیں۔'' آصف نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
''تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ جسے نوجوان جوانی کے دنوں میں محبت کے نام دیتے ہیں، وہ فقط ایک سراب ہوتا ہے، ہم جسے اپنا آئیڈیل سمجھتے ہیں، وہ شادی سے پہلے چاند کی طرح ہوتا ہے، بہت روشن، خوبصورت اور رومینٹک مگر شادی کے بعد وہ تجربہ ہوتا ہے جیسے چاند پر قدم رکھنے والوں کا تھا، کہ چاند دور سے جیسا تھا، وہاں نہیں تھا، یہاں تک کہ اس کی روشنی بھی اپنی نہیں

ہوتی۔"

"یار! کھل کر بات کرو، پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو؟"

"مطلب یہ کہ شادی سے پہلے ہم پر محبت کا رنگ ہوتا ہے اور ہم اپنے محبوب کو سب سے خوبصورت اور آئیڈیل سمجھتے ہیں مگر شادی کے بعد ساتھ رہنے سے ایک دوسرے کی خامیاں اور کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں، سمجھدار لوگ ایک دوسرے کی ان خامیوں اور کمزوریوں سے کمپرومائز کرتے ہیں تو شادی کامیاب رہتی ہے اور جذباتی اور ناسمجھ لوگوں کی شادی ناکام رہتی ہے کہ وہ زندگی کی حقیقتوں سے سمجھوتا نہیں کر پاتے، لو بھئی تمہاری بھابھی ادھر ہی آ رہی ہے ایک تو ایک ہی فیلڈ میں کام کرنے والے میاں بیوی کو گھر سے باہر بھی کوئی Change نہیں ملتی۔"

آصف نے سارہ کو کیفے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا جواب ان ہی کی طرف آ رہی تھی، وہ بھی بہت اچھی آرٹسٹ تھی اور کبھی کبھار ان کے ساتھ آرٹ کلب آ جاتی تھی، وہ ان کے ساتھ بیٹھتی ہوئی بولی۔

"بہت دنوں بعد آج تم سے ملاقات ہو رہی ہے دانش کیوں کہ شام کو بچوں کے ٹیوشن وغیرہ کی ذمہ داریوں میں مصروف رہتی ہوں اس لئے نہیں آتی یہاں۔" وہ بہت پیاری اور اسٹائلش تھیں۔

"کیسی ہیں آپ بھابھی؟ ابھی آصف سے یہی بات ہو رہی تھی کہ وہ لکی ہے کہ اس نے جسے چاہا اسے پایا بھی، آپ اتنی اچھی بیوی اور ماں اچھی ہیں۔" دانش بولا۔

"ٹھیک کہا دانش، مگر شادیاں وہ بھی کامیاب رہتی ہیں جو بڑوں کی مرضی سے طے پاتی ہیں اور اجنبی لڑکی اور لڑکا شادی کے بندھن میں بندھ کر پھر ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں، آپ بھی بھول جاؤ نتاشا کو، مائینڈ مت کرنا، مگر میں یہ ضرور کہوں گی کہ اسے واقعی آپ سے پیار ہوتا تو وہ ایک دولت مند شخص سے شادی نہیں کرتی بلکہ آپ سے ہی کرتی، مگر اس نے اس کا بڑا عہدہ دیکھا اور بے تحاشا دولت دیکھی تھی۔"

"بھابھی! چھوڑیں اس قصے کو جو ماضی ہو گیا۔" دانش نے دکھ سے کہا۔

"چھوڑ تو تم ہی نہیں رہے جواب تک شادی نہیں کی ورنہ میں نے تو کچھ لڑکیوں کا تذکرہ کیا تھا کہ ان میں سے کوئی پسند کرو تو میں بات آگے بڑھاؤں مگر تم مانتے ہی نہیں۔"

"اچھا اب مجھے اجازت دیں۔" دانش یہ کہتے ہوئے اٹھا اور چل دیا اور وہ دونوں اسے حیرت اور دکھ سے دیکھتے رہ گئے۔

☆☆☆

دانش کمرے میں داخل ہوا تو دروازے پر ہی ٹھٹک کر رہ گیا، کمرے کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا، پوری سیٹنگ اور پردے تبدیل تھے، کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں، کمرہ بہت روشن اور نکھرا نکھرا لگ رہا تھا، ہر چیز بڑے سلیقے اور ترتیب سے رکھی تھی اور مسکان ٹیبل پر رکھے گلدان میں اصلی پھولوں کو بہت خوبصورت انداز میں سیٹ کر رہی تھی، کوئی اور ہوتا تو باغ باغ ہو جاتا مگر وہ دانش تھا، اکھڑ اور بیزار، سو چیخ پڑا۔

"یہ سب کیا ہے؟ اور تم میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟"

"کچھ نہیں، کمرہ سیٹ کروا رہی تھی۔" وہ پھولوں کو سیٹ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میری اجازت کے بغیر تمہیں یہ سب کرنے کی ہمت کیسے ہوئی؟"

''اتنا ناراض ہونے کی کیا بات ہے اس میں؟ دیکھیں ناں، ضروری تو نہیں کہ اگر آپ کے رنگ برش، کتابیں اور دوسری چیزیں ادھر ادھر بکھری ہوئی ہوں، آپ کے اپنے بال بکھرے ہوئے ہوں، اپنا اور کمرے کا ہوش نہ ہو، تبھی آپ آرٹسٹ لگیں گے؟ کیا اپنی شخصیت پر دھیان دینے والا بندہ اور صاف ستھرے سلیقے سے سجے کمرے میں رہنے والا آرٹسٹ نہیں ہوتا؟'' مسکان نے اس کے غصے کو نظر انداز کر کے بڑے اطمینان سے کہا تو دانش نے اسی لہجے میں کہا۔

''میں فضول بحث کا عادی نہیں ہوں، کیوں ڈسٹرب کرتی ہو تم مجھے بار بار؟''

''ارے آخر میں نے کیا ہی کیا ہے؟'' پہلی دفعہ وہ بھی چیخ کر بولی۔

''رنگوں اور برشوں کو ترتیب سے رکھا ہے، کتابوں کو شیلف میں سیٹ کیا ہے، پردے بنوائے تھے نئے آپ کے کمرے کے لئے وہ لگائے ہیں اور مناسب طریقے سے کمرے کی سیٹنگ ہی تو کی ہے، یہی جرم ہے ناں میرا۔'' وہ اس کے تیز لہجے پر چونکا مگر پھر چیخا۔

''یہ سب کھڑکیاں کیوں کھولی ہیں؟''

''آپ نہ جانے کیسے آرٹسٹ ہیں؟ آپ کو فطرت سے کوئی لگاؤ ہی نہیں، سچ بتائیں، یہاں سے باہر لان کا نظارہ کتنا خوبصورت دکھتا ہے، کھڑکی کے قریب گلاب کی کیاریوں میں لگے گلاب کتنے پیارے لگ رہے ہیں اور ان کی بھینی بھینی خوشبو کمرے کے اندر تک آ رہی ہے، چڑیوں کی چہچہاہٹ اور کوئل کی کوکو، کس قدر مدھر سر بکھیر رہی ہیں، اس سیٹنگ میں آپ کا کمرہ پہلے سے بہتر اور کھلا کھلا نہیں لگ رہا؟''

''بہت سن لیا میں نے، براہ مہربانی چلی جاؤ یہاں سے اب اور آئندہ کبھی یہاں قدم بھی نہ رکھنا۔''

یہ سن کر مسکان کے دل کو شدید دھچکا لگا اور اپنی توہین پر اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور وہ آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

دانش نے کھڑکیاں بند کیں، پردوں کو برابر کیا اور پھر کمرے کا دروازہ بھی کھٹاک سے بند کر دیا۔

☆☆☆

''انکل آپ کو بریانی کیسی لگی؟'' مسکان نے پوچھا تو توصیف صاحب بولے۔

''ہماری بیٹی کی تو ہر پکائی ہوئی چیز لاجواب ہوتی ہے، چاہے بریانی ہو یا شامی کباب، ہر چیز لذیذ ہے۔''

''واقعی بیٹا! تم تو بہت اچھی کوکنگ کر لیتی ہو۔'' بیگم توصیف بول پڑیں تو توصیف صاحب نے حسب عادت ان کو تنگ کیا۔

''بیگم صاحبہ! شکر ہے کہ آپ نے بھی پہلی مرتبہ میری ہاں میں ہاں ملائی۔''

''آپ تو بچوں کے سامنے بھی شروع ہو جاتے ہیں، کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کریں۔''

''آنٹی! پلیز، انکل کو ایسا ہی رہنے دیں، ان کی زندہ دلی سدا قائم رہے ایسے۔'' مسکان نے کہا تو توصیف صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''جیو میری بچی! سدا خوش رہو، چلو اس خوشی میں تمہیں آئسکریم کھلانے چلیں۔''

''نہیں انکل آج نہیں کل کیونکہ ابھی تو میں کیک بیک کروں گی، سارا سامان تیار ہے، پھر بتایئے گا کہ کیسا بناتی ہوں براؤنیز۔'' یہ کہتے ہوئے وہ کچن کی طرف چل دی، وہ دونوں اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہے، اس کے جانے کے بعد بیگم توصیف نے کہا۔

''بہت ہی پیاری بچی ہے، میری بہت خدمت کرتی ہے، رات کو مجھے بخار تھا تو بس اتنا پریشان ہو گئی، سوپ پلایا، دوائی دی، پھر بھی چین نہ آیا تو رات گئے بیٹھی رہی میرے پاس جب تک کہ میرا بخار کم نہ ہوا، سچ ہے کہ بیٹیاں رحمت ہوتی ہیں۔''

''دانش کی ماں! یہ بھی تو سوچو کہ بیٹیوں کو گھر سے رخصت بھی کیا جاتا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ اسے اپنی پڑھائی پوری کیے بھی چھ مہینے ہونے کو آ رہے ہیں، اب یہ ہم پر فرض ہے کہ اس کے لئے مناسب رشتہ تلاش کر کے اس کی شادی کر دیں۔''

''اوہ...... واقعی میں نے تو یہ سوچا ہی نہیں تھا اب تک، دانش کے ابا، اس کی شادی ہو جائے گی تو ہمارا گھر تو پھر سے سنسان ہو جائے گا، اس کی ہنسی نے تو اس گھر کو زندگی بخشی ہے، پھر اس کے آنے سے تو گھر ہی جیسے بدل گیا، وہ چلی جائے گی تو......'' وہ چپ ہو گئیں۔

''اپنی بیٹیوں کو ہی کوئی ساری عمر گھر میں نہیں بٹھاتا اور پھر پرائی بچی کی ذمہ داری تو اور بھی بڑی ہوتی ہے۔''

''نہ...... نہ...... پرائی نہ کہیں، ایک بات کہوں؟''

''ہزار کہو بھئی۔''

''گھر کی بات گھر میں ہی کیوں نہ رہے؟ دانش میں کیا کمی ہے، وہ ہماری بہو بن کر سدا اس گھر میں کیوں نہ رہے؟''

''میں نے خود کئی بار ایسا سوچا ہے، مگر دانش مانے تب نہ، اس کی طبیعت اور مزاج اپنا ہے، وہ پتا نہیں راضی ہو گا بھی یا نہیں۔''

''کیوں انکار کرے گا؟ کیا کمی ہے بچی میں؟''

''بات کمی کی نہیں ہے، نوجوان نسل کی اپنی دنیا ہے، بڑوں کی سوچوں کو تو وہ آؤٹ ڈیٹڈ سمجھتے ہیں۔''

''آپ اس سے بات کر کے تو دیکھیں ایک بار۔''

''ہاں میں بھی بہت دنوں سے یہی سوچ رہا ہوں، دیکھیں کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔''

☆☆☆

مسکان نے دانش کے کمرے کے دروازے پر ناک کی تو اس نے پوچھا۔

''کون؟''

''خان صاحب! اجازت ہو تو بندی اندر آ جائے؟'' مسکان نے زور سے کہا تو دروازہ کھل گیا، دانش نے اسے دیکھا تو ایک سائیڈ پر ہٹ گیا کیونکہ وہ چھوٹی سی ٹرے میں چائے کا مگ ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی۔

''اوہ تھینکس، سچ پوچھو تو چائے کی بہت طلب ہو رہی تھی، اندر آ جاؤ۔''

وہ آج کچھ خوشگوار موڈ میں تھا، مسکان نے اسے حیرت سے دیکھا اور کمرے کے اندر آ کر چائے تپائی پر رکھی اور پھر ایزل پر رکھی بڑی پینٹنگ پر نظر ڈالی تھی تو اتنی من کو بھائی کہ وہ قریب آ کر دیکھنے لگی، بڑی حسین عورت کا پورٹریٹ تھا جس کے پس منظر میں دھنک کے رنگ بکھرے ہوئے تھے، دانش کو اس کی محویت پر ہنسی آ گئی۔

''کیا دیکھ رہی ہو اتنے غور سے؟''

''کیا یہ تصویر مکمل ہو چکی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''بظاہر تو مکمل ہے مگر درحقیقت یہ ابھی میرے تخیل کے مطابق نہیں ہے، لگتا ہے کہ تصویر

ابھی ادھوری ہے، مگر سمجھ نہیں پا رہا کہ کس چیز کی کمی ہے اس میں۔''

''ایک بات پوچھوں؟''

''ضرور۔'' وہ بڑی فراخدلی سے بولا۔

''میرے ذہن میں اکثر یہ سوال آتا ہے کہ آرٹسٹ، شاعر اور ادیب اتنے حسن پرست کیوں ہوتے ہیں؟''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ شاعر ہمیشہ عورت کے حسن کے قصیدے لکھتے ہیں، ادیبوں کی کہانیوں اور ناولوں کی ہیروئنز ہمیشہ حسین و جمیل ہوتی ہیں اور مصور بھی ہمیشہ مہ جبینوں کی تصاویر بناتے ہیں، کیا عام اور معمولی شکل صورت کی لڑکیاں ان کا موضوع نہیں بن سکتیں؟ یا بد صورت لوگ ان کی توجہ کے مستحق نہیں ہوتے؟ جذبے تو ہر انسان کے ایک جیسے ہوتے ہیں ناں، پھر کیا کوئی مجھ جیسی عام سی لڑکی بھی ان کو متوجہ نہیں کر سکتی؟''

''فنکار فطری طور پر حسن پرست ہوتا ہے، شاید وہ دنیا کی خوبصورت چیزوں کو اس لئے دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے کہ آج کل کے نفسا نفسی کے اس دور میں ہر انسان ویسے ہی بہت دکھی اور پریشان ہے اس لئے کچھ دیر کے لئے ہی صحیح وہ دنیا کی خوبصورت چیزوں، شکلوں اور نظاروں کو دیکھ کر اپنا دکھ بھول جائے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، مگر میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ حسن کی اہمیت اپنی جگہ پر مگر حسین چہروں کے جھرمٹ میں عام شکل صورت کے لوگوں کو نظر انداز مت کریں، نہ ہی محبت جیسے خوبصورت جذبے کو کسی حسینہ کے لئے مخصوص کر دیں، کبھی فرصت ملے تو اپنے آس پاس کے عام لوگوں کی چاہت کو بھی محسوس کیجئے گا۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی اور وہ اسے حیرت سے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''پاپا! آپ نے مجھے بلایا تھا؟'' دانش نے ان کے اسٹڈی روم میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! بیٹھو، تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' انہوں نے کہا تو وہ کچھ حیران سا صوفے پر بیٹھ گیا کیونکہ وہ بہت سنجیدہ موڈ میں تھے۔

''جی فرمایئے۔'' اس نے مودب ہو کر پوچھا تو کچھ دیر تو توصیف صاحب خاموش رہے، ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کوئی بہت اہم بات کرنے جا رہے تھے۔

''بیٹا! میں اور تمہاری ماں تو اب بوڑھے ہو چکے ہیں، تمہاری ماں گھر کی ذمہ داریوں سے بری ہونا چاہتی ہے اس لئے وہ اب اپنی بہو کو لانا چاہ رہی ہے، تم...... میری بات سمجھ رہے ہو نا دانش!''

''جی پاپا!''

''بیٹا! تمہارے پاس بہت اچھی جاب ہے پھر اب فن کی دنیا میں بھی بہت نام کما چکے ہو اس لئے اب شادی کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔''

''پاپا! یقیناً ماں باپ اولاد کی بہتری اور خوشی کے لئے سوچتے ہیں، مجھے یہ بھی پتا ہے کہ آپ نے کبھی بھی میری مرضی کے خلاف اپنا کوئی فیصلہ مجھ پر تھوپا نہیں ہے، میں اس کے لئے آپ لوگوں کا بے حد شکر گزار ہوں۔''

''شاباش بیٹا! دل خوش کر دیا۔'' توصیف صاحب یہ کہہ کر تھوڑا سا رکے اور پھر بات کا سلسلہ جوڑا۔

''بیٹا! تم نے دیکھا کہ مسکان کے اس گھر میں آنے کے بعد جیسے زندگی آ گئی ہے، بڑی

پیاری بچی ہے۔''
''جی پاپا! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔''
''تمہیں وہ کیسی لگتی ہے؟'' انہوں نے اچانک سے سوال داغا تو دانش بالکل کنفیوز ہو کر رہ گیا اور مشکل سے بول پایا۔
''مجھے...... مگر آپ...... یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''بیٹا! تم جانتے ہی ہو کہ وہ میرے بھائیوں جیسے مرحوم دوست کی نشانی ہے، وہ صرف میرا دوست اور بھائی ہی نہیں تھا بلکہ میرا محسن بھی تھا، آج میرے پاس جو کچھ بھی ہے، میرا کاروبار، گھر یہ سب کچھ اسٹیبلش کرنے میں اس نے میری مدد کی تھی، پھر جب اسے کینسر ہوا اور اسے پتا چلا کہ اس کے پاس بہت کم وقت رہ گیا تھا تو اسے اپنی بچی کی شادی کی فکر رہتی کیونکہ پوری دنیا میں اس بچی کے سوا اس کا کوئی نہیں تھا، تب اس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ موت نے اسے مہلت نہ دی تو مسکان کی تعلیم ختم ہوتے ہی میں اس کی شادی کی ذمہ داری سرپرست کی حیثیت سے کرواؤں، میں نے اس سے وعدہ کیا تاکہ وہ اس کی طرف سے فکر مند ہو، اس کی وفات کے بعد میں سرپرست کی حیثیت سے مسکان کی ہاسٹل اور تعلیم کی ذمہ داریاں پوری کرتا رہا اور جب اس کی تعلیم مکمل ہوگئی تو اسے گھر لے آیا، کیونکہ بن ماں باپ کی بچی کو گھر کا ماحول اور ہمارا پیار چاہیے تھا، مگر اب وقت آ گیا ہے کہ میں اس کی شادی کی ذمہ داری بھی پوری کروں، اس لئے میرا اور تمہاری ماں کا خیال ہے کہ وہ ہمیشہ اس گھر میں رہے، ہماری بہو بن کر۔''

دانش کے لئے یہ فیصلہ دھماکے سے کم نہیں تھا، وہ پریشان ہو کر بولا۔
''نہیں سوچا تو اب سوچنا بیٹا! آخر اس میں کس چیز کی کمی ہے؟''
''نہیں...... نہیں...... پاپا...... میں نے یہ تو نہیں کہا کہ اس میں کوئی کمی ہے،...... مگر......''
''کیا تمہارا انٹرسٹ کہیں اور ہے؟ ایسا ہے تو بتا دو، جہاں تم خوش وہاں ہم خوش، اولاد کی خوشی ہمیں عزیز ہے بہت۔''
''نہیں بابا! ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔''
''پھر مسکان سے شادی سے انکار کیوں ہے۔''
''بابا! مجھے لگتا ہے کہ میری اور اس کی انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہو پائے گی، دیکھیں ناں وہ کتنی غیر سنجیدہ سی لڑکی ہے، وہ کبھی بھی مجھے اور میرے فن کو نہیں سمجھ پائے گی۔''
''ارے بیٹا! یہ انڈر اسٹینڈنگ وغیرہ کا چکر آج کل کے نوجوانوں نے شروع کیا ہے، سالوں کی انڈر اسٹینڈنگ کے بعد شادیاں ہوتیں ہیں پھر بھی ناکام ہو جاتی ہیں، ہمارے دور میں ایسا کوئی چکر نہیں تھا، پھر بھی نبھ جاتی تھی، بہر حال میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا، مسکان کے لئے اچھا رشتہ مل ہی جائے گا مگر میں پھر بھی چاہوں گا کہ تمہیں کچھ وقت دوں تاکہ تم پھر سے سوچو اور پھر جو بھی فیصلہ کرو گے وہ ہمیں منظور ہو گا، اب تم جا سکتے ہو۔''
انہوں نے کہا تو اسے جیسے آزادی کی نوید مل گئی اور وہ تیزی سے اٹھ کر اسٹڈی سے نکل باہر آیا تو مسکان کو موجود پا کر اور بھی گڑ بڑا گیا، پتا نہیں وہ ابھی پہنچی تھی یا وہیں کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی، کہیں میں نے اس کے متعلق ایسی ویسی بات تو نہیں کی جو اس نے سن لی ہو، اوہ مجھے کیا......؟ اس نے سوچا اور اسے نظر انداز کرتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

جب وہ رات گئے گھر لوٹا تو اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کے کانوں میں اقبال بانو کی آواز میں پرسوز غزل کے الفاظ ٹکرائے۔

داغ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیئے جلانے لگے

دانش کے قدم جیسے جم کر رہ گئے، آواز مسکان کے کمرے سے آئی تھی، مگر وہ تو اتنے اداس گیت یا غزلیں پسند ہی نہیں کرتی، مگر آج کل وہ بہت خاموش اور سنجیدہ سی رہنے لگی ہے، کیوں؟ کانوں سے پھر یہ الفاظ ٹکرائے۔

ایک پل میں وہاں سے ہم اٹھے
بیٹھنے میں جہاں زمانے لگے

''خیر مجھے کیا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، کچھ دیر بعد وہ پھر اپنی پینٹنگ کی طرف متوجہ ہو گیا، اب نہ اس کے کانوں میں کوئی آواز آ رہی تھی اور نہ ہی کسی اور کا ہوش رہا، بس وہ تھا، رنگ تھے اور اس کی اپنی دنیا، آج اسے ہر حال میں اپنی ادھوری پینٹنگ کو مکمل کرنا تھا، اچانک قدموں کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا، مسکان اس کے لئے چائے لے کر آئی تھی، اب وہ اکثر اس کے لئے چائے لے آتی جب وہ رات گئے تک کوئی پینٹنگ بناتا، اسے اس وقت واقعی مسکان کے ہاتھوں کی بنی ہوئی چائے کی طلب محسوس ہوتی جس کا ذائقہ اور خوشبو اس چائے سے بالکل مختلف ہوتی جیسی وہ اس سے پہلے ملازموں کے ہاتھوں سے بنی چائے پیتا رہا تھا، آج اس نے پہلی بار غور سے مسکان کو دیکھا، عام صورت کی لڑکی تھی وہ مگر پھر بھی کشش تھی اس میں، اپنے لمبے بالوں کا اس نے جوڑا بنایا ہوا تھا، مگر کتنی ہی آوارہ لٹیں بکھر رہی تھیں چہرے کے آس پاس، وہ اپنے وجود اور کپڑوں سے لاپرواہ سی لگ رہی تھی، آنکھیں بہت سرخ اور کچھ سوجی ہوئی تھیں کہ جیسے وہ روتی رہی ہو، سیاہ پرنٹڈ سوٹ میں وہ اور بھی اجڑی اجڑی سی لگ رہی تھی، وہ آج بے اختیار بول پڑا۔

''کھڑی کیوں ہو مسکان؟ بیٹھ جاؤ۔''

''نہیں...... میں تو صرف آپ کو چائے دینے کے لئے آئی تھی۔''

''اچھا چلو، یہ بتاؤ کہ کیا میری تصویر اب بھی ادھوری سی لگ رہی ہے کیا؟'' وہ ماحول کی گمبھیرتا کو توڑنے کے لئے بولا تو مسکان نے بہت تلخی سے کہا۔

''کمال ہے آپ اپنے فن کے بارے میں مجھ سے رائے لے رہے ہیں، میں تو بہت غیر سنجیدہ لڑکی ہوں اور آپ کو یہ آپ کے فن کو کیسے سمجھ پاؤں گی؟''

''اوہ تو اس نے اس رات والی گفتگو سن لی تھی جو توصیف صاحب اور اس کے درمیان میں ہوئی تھی۔'' وہ پھر بولی۔

''آپ کو شاید یقین نہ آئے کہ میں بھی آپ کی طرح بہت حساس ہوں، بچپن سے ماں کے سائے سے محروم رہی، یہ کیسی محرومی ہے؟ اسے صرف میں ہی جانتی ہوں، اب باپ کا سائبان بھی نہ رہا، تو اگر میں آنٹی اور انکل کے پیار کو پا کر اپنے دکھوں کو دل کی گہرائی میں چھپا کر ہنستی ہنساتی ہوں تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں غیر سنجیدہ ہوں۔''

دانش اس کا یہ نیا روپ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس کے پاس کوئی جواب ہی نہیں تھا اس کی باتوں کا۔

وہ آہستہ سے چلتی ہوئی اس کی تصویر کے آگے آ کر کھڑی ہو گئی اور اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ اب بھی ادھوری ہے۔''

"مگر کیا کمی ہے اس میں۔" اس نے چونک کر پوچھا۔

"کیونکہ اس عورت کا چہرہ حسین ہونے کے باوجود بے جان پتھر کی طرح لگ رہا ہے، کیونکہ اس کی آنکھوں اور چہرے سے کوئی تاثر نہیں ابھر رہا، اس لئے بے تاثر ہے اور شاید یہ تخلیق تب تک مکمل نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے تخلیق کار کا ادھورا پن ختم نہیں ہوگا، کیونکہ اس کو بنانے والا خود ادھورا انسان ہے۔"

"کیا کہا؟ میں ادھورا ہوں؟"

"جو فنکار دوسروں کے جذبوں اور احساسوں کو محسوس نہ کر پائے، وہ ادھورا ہی تو ہوتا ہے، آپ کو اپنے آس پاس کے خوبصورت رشتوں کی محبت کا احساس ہی نہیں ہے، آپ کو کوئی بھی نظر نہیں آتا، آپ اپنی ذات کے خول کے اندر ہی بند ہیں اور شاید انکل اور آنٹی اس خول کو توڑ ہی نہ پائے، دانش! میں نہیں چاہتی کہ میری ذات کسی کی زندگی پر اثر انداز ہو، انکل نے اس دن آپ سے جو میرے اور آپ کے رشتے کے حوالے سے بات کی تھی وہ انہوں نے شاید آپ کے والد کی حیثیت سے نہیں کی تھی بلکہ میرا باپ بن کر سوچا تھا اور بات کی تھی، آپ میری فکر نہ کریں، مجھے پتا ہے کہ میں آپ کو ناپسند ہوں، آپ انکار کر دیں۔" یہ کہہ کر وہ اسے حیران و پریشان چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی، وہ ہلتے ہوئے پودے کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

رمضان کا بابرکت مہینہ آیا تو افطاری اور سحری پر پہلی مرتبہ اس گھر میں اتنا اہتمام ہوا تھا، مسکان افطاری کے لئے اپنی بنائی ہوئی فروٹ چاٹ، دہی بڑے، چھولے، تو کبھی پکوڑے اور سموسے ٹیبل پر سجائے سب کو افطاری کے وقت بلاتی، کھانا سب لوگ عشاء اور نوافل کے بعد کھاتے، اس دوران مسکان بھی جائے نماز پر کتنی ہی دیر بیٹھی اپنے رب سے راز و نیاز کرتی، توصیف صاحب اور بیگم توصیف تو اسے دعائیں دیتے نہیں تھکتے تھے، مگر اب وہ پہلے والی مسکان نہیں رہی تھی، بہت خاموش اور سنجیدہ رہنے لگی تھی، یا تو قرآن پاک اور نماز پڑھتی نظر آتی یا پھر کچن میں مصروف ہوتی۔

دانش کو یہ احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ اندر سے بہت ٹوٹ رہی تھی، رمضان کا دوسرا ہفتہ ختم ہونے کو تھا اور یہ پہلی عید تھی جب اس کا والد بھی اس کے پاس نہیں تھا، وہ انہیں یاد کر کے بہت روتی اور والدین کے حق میں مغفرت کی بے تحاشا دعائیں کرتی۔

اچانک ہی تب شمائلہ آ گئی اس سے ملنے، وہ نہ صرف یونیورسٹی میں کلاس فیلو تھیں مگر ہاسٹل کے ایک ہی کمرے میں رہتی تھیں، وہ بھی تعلیم مکمل کر کے اپنے گھر چلی گئی، آج اسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی اور لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی کہ دل کا غبار یا تو بہنوں کے ساتھ شیئر کیا جا سکتا ہے یا پھر فرینڈز سے۔

"کتنی کمزور ہو گئی ہو تم! میں جانتی ہوں کہ تمہارے دل میں کئی باتیں ہیں جو تم یہاں کسی سے شیئر نہیں کر سکتیں، چلو میرے ساتھ، ہم خوب باتیں بھی کریں گے اور ماہ مبارک کے آخری عشرے میں مل کر عبادت اور ذکر بھی کریں گے۔" شمائلہ نے یہ بات توصیف صاحب اور ان کی بیگم سے کی تو وہ بجھ کر رہ گئے تھے، وہ تو اس کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ یہ دوری انہیں گوارا نہیں تھی مگر سمجھتے بھی تھے کہ مسکان کے ساتھ یہاں پر کوئی ہم عمر کمپنی دینے والا نہیں تھا ہیں، انہوں نے اجازت تو دے دی مگر اس شرط پر کہ

چاند رات کو وہ اسے واپس لے آئیں گے، وہ چاہتے تھے کہ عید وہ اپنے ہی گھر کرے، شائلہ اسے اپنے ساتھ لے کر چلی گئی۔

☆☆☆

وہ کیا گئی جیسے گھر سے زندگی رخصت ہو گئی، توصیف صاحب اور ان کی بیگم تو اداس تھے ہی مگر گھر کے ملازم بھی بولائے بولائے پھرتے اور بار بار اس کے آنے کا پوچھتے۔

دانش بھی حیران تھا کہ یہ خاموشی تو ہمیشہ اس گھر میں تھی مگر اب یہ عجیب کیوں لگ رہی ہے، ایسا لگتا کہ ابھی مسکان کچن سے نکلے گی، بس اب لان سے پھول لئے مسکراتی نظر آئے گی، پھر وہی بے ذائقہ کھانے تھے اور بے رونق سی سحر و افطار تھے، اب دانش اپنے کمرے میں رنگ اور کتابیں بکھرے دیکھتا تو دل چاہتا کہ مسکان آئے اور ان کو ترتیب سے رکھے، اب وہ اس سے نہیں لڑے گا، اس کے کان اس کے معصوم قہقہوں اور ہنسی کی مانوس آواز کو مس کرتے، اسے احساس ہی نہیں تھا پہلے کہ وہ لڑکی اپنا اتنا بھرپور وجود رکھتی تھی، بعض اوقات ہمیں کسی کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے جانے کے بعد ہی ہوتا ہے۔

ایک دن وہ گھر کی ویرانی سے اتنا گھبرایا کہ آصف کے گھر چلا گیا اور اسے سب بتایا تو وہ مسکرا پڑا، وہ اس کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا مگر اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

''یار! تمہیں تو وہ پسند ہی نہیں تھی، تم نے اس کے رشتے کے متعلق اب تک انکل توصیف کو پازیٹو جواب نہیں دیا ہے، اب اتنا مس کیوں کر رہے ہو؟''

''آصف یار! مجھے تمہاری لائف دیکھ کر ہمیشہ لگا کہ جب تک شادی سے پہلے محبت نہ ہو تو شادی کامیاب نہیں ہو سکتی اور پھر بھابھی سارا کی طرح میری بیوی بھی آرٹسٹ ہو اور ایکٹیو ہو۔''

''نہیں پر تم غلط ہو میرے دوست، شادی سے پہلے میں بھی یہی سوچتا تھا، مگر ایسا نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟ کیا تم اپنی گھریلو لائف سے خوش نہیں ہو، سارے لوگوں کو تو تم دونوں کا بہت آئیڈیل کپل لگتا ہے۔''

''بس...... ازدواجی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے بہت سارے کمپرومائزز کرنے پڑتے ہیں اور بعض اوقات لوگوں کے سامنے ہمارا دوسرا روپ ہوتا ہے۔''

''کیا مطلب یار! میرے پلے تو کچھ بھی نہیں پڑ رہا۔''

''دانش! بات دراصل یہ ہے کہ میرے والدین میری شادی ایک سادہ سی گھریلو لڑکی سے کرنا چاہتے تھے مگر میرے خیالات بھی اس وقت تمہاری طرح بہت اونچے تھے اور پھر یونیورسٹی میں میری ملاقات سیارا سے ہوئی جو بہت آزاد خیال اور فیشن ایبل تھی، پھر ہم لوگوں کا شعبہ بھی آرٹ کا تھا، میں اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا اور ماں باپ کی مرضی کے خلاف اس سے شادی کر لی، مگر...... یار...... اس کی بولڈنیس اور آرٹسٹ ہونے سے میں متاثر تھا وہی چیزیں شادی کے بعد میرے لئے مسئلہ بن گئیں، پھر صرف سمجھوتے ہی رہ گئے، محبت ایک Fantacy ہے جبکہ شادی صرف حقیقت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ نتاشا نے جہاں شادی کی ہے وہی اس کی کلاس ہے، وہ خوش ہے، تم اس کے لئے شاید کمپرومائزز نہیں کر پاتے، وہ تمہارے گھر کے ماحول میں خود کو ڈھال نہیں سکتی تھی کہ وہ بھی آرٹسٹ ہے اور اسے اپنے آرٹ سے زیادہ گھر سے دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔''

''اوہ یار! سچ کہا ہے تم نے، آج میری آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی دھند چھٹ گئی ہے، یار یہ بھابھی ابھی تک نہیں لوٹیں؟ رات ہو چکی ہے۔''

''مت پوچھو یار! اب انہوں نے اپنی فرینڈز کی NGO جوائن کر لی ہے، پھر کبھی میٹنگز ہوتی ہیں تو کبھی وزٹس، لو بھئی وہ آ گئیں خیر ہے۔''

اچانک اونچا سا ٹراؤزر پہنے اونچی ایڑھی کی کھٹ کھٹ سے سارا کمرے میں داخل ہوئی اور دانش سے ہیلو ہائے کی وہ سب ساتھ پڑھتے تھے یونیورسٹی میں اس لیے وہ بھی اس کی دوست تھی اور اب تک بے تکلف بھی اسی لئے دانش نے کہا۔

''بھابھی! ابھی تو آپ کی بچی بہت چھوٹی ہے، پھر آپ نے NGO جوائن کر لی۔''

''کم آن دانش Conservative مت بنو، اس کے لئے فل ٹائم کی آیا رکھی ہے اور پھر میں بھی نگرانی کرتی ہوں، تمہارا کیا خیال ہے کہ مجھے بھی عام عورتوں کی طرح صرف کچن سنبھالنا چاہیے اور شوہر کی خدمت کروں اور بچے پالوں، ہم لوگوں کے خیالات تو بہت اونچے ہوتے تھے یونیورسٹی لائف میں، یاد ہے ناں؟''

''جی ہاں۔'' وہ بھلا اور کیا کہتا، وہ انہیں وش کر کے اپنے کمرے میں چل دی، دانش اب بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔

''وقت کو ہاتھ سے مت نکلنے دو دانش، مسکان بہت پیاری لڑکی ہے اور تمہارے چھوٹے سے خاندان کو اسی کی ضرورت ہے، وہ تمہارے والدین اور تمہیں بہت خوش رکھے گی اور مس تو تم بھی کر رہے ہو اسے کیسا؟'' دانش کے چہرے پر ایک زندگی سے بھرپور مسکراہٹ آ گئی اور اس نے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

''چاند نظر آ گیا۔''

''چاند مبارک۔''

''چاند رات مبارک۔''

''عید مبارک۔''

ہر طرف سے آوازیں آ رہی تھیں اور موبائل پر بھی کھٹا کھٹ مبارکبادیوں کے پیغام آنے لگے۔

شمائلہ نے کون مہندی نکالی اور مسکان کے ہاتھوں پر نقش و نگار بنانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ وہ بول پڑی۔

''نہیں مجھے نہیں لگانی۔''

''اچھا چلو، بیوٹی پارلر چلتے ہیں، فیشل کرواؤ اور بالوں کی سیٹنگ بھی۔''

''نہیں بھئی، مجھے نہیں کرنا یہ سب کچھ۔''

''کیسے نہیں کرنا، پھر دیکھوں گی کہ دانش اب تمہیں کیسے نظر انداز کر سکتا ہے۔''

''کوئی اور بات کرو شمائلہ، انکل نے کال کی تھی اور بتایا کہ وہ لینے آئیں گے۔''

''ان کے آنے سے پہلے ہی ہم آ جائیں گے، پھر تھوڑی شاپنگ بھی کرنی ہے تمہاری عید کی خریداری کے لئے، انکل آئیں گے تو ابا ان کو کمپنی دے دیں گے، بس چلو جلدی ورنہ امی نے کوئی کام دے دینا ہے۔''

اسے ہنسی آ گئی، پھر وہ رات گئے لوٹیں تو بیوٹی پارلر سے جیسے دوسرا روپ لے کر آ گئیں، دونوں کی ہیر کٹنگ بڑی غضب کی تھی پھر فیشل سے چہرے نکھر رہے تھے، شمائلہ کی امی نے دونوں کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

''لڑکیاں ہوں یا خواتین، بیوٹی پارلر سے ہو کر نکلیں تو عمر کے پانچ سال تو جیسے وہیں چھوڑ

آئی ہیں۔'' دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں، تب مسکان نے پوچھا۔

''آنٹی! انکل توصیف تو نہیں آئے مجھے لینے۔''

''نہیں بیٹا! انہوں نے فون کیا تھا مگر میں نے بتایا کہ ابھی تک تم لوگ نہیں لوٹیں۔''

''اوہ گاڈ، انکل کی اتنی مسڈ کالز ہیں اور میں تو سیل کو سائلینٹ پر لگا کر بھول ہی گئی۔'' مسکان نے کہا۔

''میں نے بات کر لی تھی بیٹا، پریشان مت ہو، وہ آجائیں گے تھوڑی دیر میں۔''

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائیں تھیں کہ سامنے سے دانش شمائلہ کے والد کے ساتھ گھر کے اندر آئے اور پھر مسکان کو دیکھ کر ٹھٹک ہی گیا، کتنی پیاری اور فریش لگ رہی تھی اور شانوں سے نیچے اسٹیپ کٹینگ میں اس کا ہیر اسٹائل اس پر بہت جچ رہا تھا، کہ شمائلہ کی زوردار ہنسی پر وہ چونکا، وہ اس کی محویت پر ہنس رہی تھی، وہ جھینپ گیا۔

''انکل اب ہمیں اجازت دیں، مسکان تمہارا سامان کہاں ہے؟'' وہ بولا۔

وہ لوگ انہیں کھانے کے لئے روکتے ہی رہ گئے مگر دانش نہ رکا۔

''کھانے پر امی اور پاپا انتظار کر رہے ہوں گے، دونوں بیتاب ہیں اپنی بیٹی سے ملنے کے لئے۔''

''اور آپ؟'' شمائلہ نے آہستہ سے کہا جسے صرف مسکان نے سنا اور زور سے اس کی چٹکی کاٹی اس بات پر۔

وہ دونوں کار کے قریب آئے، مسکان پچھلی سیٹ کی طرف بڑھی ہی تھی کہ دانش نے ڈرائیونگ سیٹ کی ساتھ والی سیٹ کا دروازہ کھول کر وہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا، تو وہ جھجکتی ہوئی آگے بیٹھ گئی، دانش بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور کار اسٹارٹ کی اور کار کا سی ڈی پلیئر آن کیا تو مسکان چونک پڑی۔

کیونکہ یہ تو وہی دھوم دھڑکے والا گیت تھا جسے سننے کی پاداش میں دانش نے نہ صرف اسے ڈانٹا تھا بلکہ سی ڈی ہی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

''یہ...... یہ...... تبدیلی...... کیسے؟'' وہ حیران ہو کر بولی۔

''اس لئے کہ اب میری ادھوری تصویر مکمل ہو چکی ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ایسے کہ اب میں ادھورا انسان نہیں۔''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میرے آس پاس کون سے ایسے پیار کرنے والے لوگ تھے جن کو میں عام سمجھتا تھا مگر وقت نے ثابت کیا کہ وہ خاص تھے، بلکہ ہیں۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تو اس کا چہرہ گلنار سا ہو گیا۔

''چاند رات مبارک ہو۔'' وہ بولا۔

''آپ کو بھی مبارک۔'' وہ مسکرائی اور جسے زندگی مسکرا اٹھی۔

☆☆☆

''آنٹی! یہ سب کیا ہے؟ اتنے خوبصورت کپڑے، یہ پھولوں کے گجرے اور یہ سینڈل، پرس، اف اتنا اہتمام میرے لئے؟'' مسکان نے حیرت سے کہا تو بیگم توصیف اسے گلے لگا کر بولیں۔

''تو اور کس کے لئے ہوگا؟ بھئی ہماری بیٹی کی پہلی عید جو ہے، ہمارے ساتھ اور یہ سیٹ بھی پہننا۔'' انہوں نے سونے کا ایک خوبصورت سیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ اور بھی

حیران ہوئی۔

''جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ، تمہارے انکل اور دانش عید کی نماز پڑھ کر آنے ہی والے ہوں گے، پھر مل کر شیر خورمہ کھائیں گے اب تک تم نے اپنے ہاتھوں سے اتنا کھلایا پلایا، آج میرے خاندانی طریقے کا شیر خورمہ بھی کھا کر دیکھنا۔'' وہ مسکرا پڑی، کچھ دیر بعد وہ تیار ہو کر آئی تو بیگم توصیف نے بڑھ کر گلے لگایا۔

''اللہ تمہیں ایسی ہزاروں عیدیں نصیب کرے۔'' اس نے بھی انہیں گلے لگایا۔

''عید مبارک۔''

''عید مبارک۔''

انکل توصیف اور دانش نے آتے ہی صدائیں لگائیں، دانش کی نظروں کی شوخی سے مسکان بار بار گلنار ہو رہی تھی، ویسے ہی اس پر گلابی رنگ خوب سج رہا تھا اور پھر زیورا سے اور بھی خوبصورت بنا رہے تھے، وہ سب ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھے تو توصیف صاحب نے پہلے مسکان کو عیدی دی تب دانش بولا۔

''میری طرف سے بھی مسکان کے لئے عیدی ہے۔''

''وہ کیا بھئی؟'' توصیف صاحب اور بیگم توصیف نے ایک ساتھ پوچھا، وہ تو ویسے بھی صاحبزادے کے بدلے ہوئے رنگ دیکھ کر پھولے نہیں سما رہے تھے، رات کو بھی خود ہی لینے پہنچ گئے تھے اور اب عیدی بھی دے رہے ہیں۔

''وہ عیدی یہ ہے۔'' دانش نے چھوٹی سی مخملی ڈبیا ٹیبل پر رکھی جس میں سونے کی خوبصورت انگوٹھی چمک رہی تھی جسے سلیکٹ کرنے میں آصف اور سارہ نے اس کی مدد کی تھی۔

''یہ کیا؟ ایسے دے دو گے اس عیدی کو؟'' توصیف صاحب بول پڑے تو وہ گڑبڑا کر بولا۔

''پھر کیسے؟''

''برخوردار منگنی کی انگوٹھی خود پہنائی جاتی ہے، اٹھو اور پہناؤ۔''

وہ روبوٹ کی طرح اٹھا اور انگوٹھی مسکان کی انگلی میں پہنا دی، وہ تو ابھی تک اس سچوئیشن پر ہکا بکا تھی کہ دانش کی نئی فرمائش نے اسے اور بھی پریشان کر دیا۔

''اب مجھے میری عیدی بھی چاہیے۔''

''ضرور ملے گی۔'' توصیف صاحب نے کہا اور مسکان کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

''ایسی عیدی دے رہے ہیں تمہیں ہم دونوں جو عمر بھر تمہارے ساتھ رہے گی۔''

''آئی لو یو پاپا اینڈ آئی لو یو مما۔''

''یہاں صرف ہم دو تو نہیں۔'' وہ مسکرا کر بولے تو مسکان کا چہرہ پھر گلنار ہو گیا۔

''آئی لو یو مسکان۔''

''آئی لو یو آل، مائے ڈیئر فیملی۔'' مسکان نے کہا تو توصیف صاحب اور بیگم توصیف کی آنکھوں سے تشکر اور خوشی کے آنسو نکل پڑے۔

گھر بھر کے ملازمین ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔

''عید مبارک۔''

''منگنی مبارک۔''

☆☆☆

چندا روٹھ نہ جانا
مصباح نوشین

فائقہ نے کوئی تیسری مرتبہ ناگواری سے پہلو بدلا ہوگا، مگر دوسری جانب جیسے کوئی پرواہ ہی نہیں تھی، حالانکہ فائقہ نے آج کی تیاری پر خاص الخاص زور دیا تھا، بہترین ڈیزائنر کا قیمتی سوٹ، سینڈل اور امپورٹڈ میک اپ، اتنی شدید گرمی میں بھی فریش اور بے حد خوب صورت نظر آنے کی ایک جان مارنے والی بے ضرری کوشش بھی۔

مگر راشد جب سے آئے تھے، بچوں کے ساتھ ہی لگے ہوئے تھے، انہوں نے فائقہ کی جانب نگاہ غلط بھی نہیں ڈالی تھی، فائقہ کو ان دونوں بچوں سے اس وقت معمول سے اور اپنی فطرت و ہمت سے زیادہ نفرت اور چڑ محسوس ہوئی تھی۔

''اب بس بھی کر دیں راشد، ان ندیدوں کا تو پیٹ کبھی بھرنے سے رہا، آپ خود تو کچھ لیں، بہترین بیکری آئٹمز کا صفایا ہوتا دیکھ کر وہ ٹوکے بغیر نہیں رہ سکی تھی، یہ سب بھی راشد ہی لاتے تھے مگر فائقہ راشد کی کمائی پر سوائے اپنے کسی کا حق نہیں سمجھتی تھی سو اسے برا تو لگنا ہی تھا۔''

''راشد اب میں اٹھ کر جا رہی ہوں، کہا ناں بس کر دیں۔'' اب کی بار وہ تپ اٹھی تھی راشد اس کے خوبصورت گلابی چہرے کو دیکھ کر نرمی سے مسکراتے فائقہ نے انہیں مسکراتے ہلکا سا جھٹکا دے کر کلائی پکڑ لی، وہ ان پر گرتے گرتے بچی۔

''مجھے جانے دیں؟'' نگاہیں جھکا کر نروٹھے پن سے کہا۔

''کہاں جاؤ گی میرے بغیر؟'' راشد نے جیسے لطف لیا اس یقین کا کہ فائقہ ان کے علاوہ کہیں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔

''اپنے کمرے میں جاؤں گی، کیونکہ آپکے پاس تو میرے لئے وقت ہی نہیں ہے، سارا وقت تمہارا ہے۔'' وہ جان نثار ہوئے۔

''ہاں دکھائی دے رہا ہے مجھے۔'' اس نے دانت چباتے کینہ توز نگاہوں سے چکن رولز اڑاتے ان بچوں کو دیکھا جو پچھلے چھ مہینوں سے اس کی زندگی اجیرن کیے ہوئے تھے۔

''ارے غصہ تو مت کرو جان۔'' راشد نے اس کا چہرہ اپنی جانب موڑتے پیار سے کہا۔

''راشد، آپ جانتے ہیں ناں کہ میں اپنے اور آپ کے درمیان کسی تیسرے کو برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ درشت ہوئی راشد دھیمے پن سے مسکرا کر گویا ہوئے۔

''جانتا ہوں جان مگر جانے کیا بات ہے مجھے ان بچوں پر ترس سے زیادہ پیار آتا ہے یہ کس قدر معصوم ہیں اور کتنے بے خبر کہ انہیں اندازہ ہی نہیں کہ ان پر کتنی بڑی قیامت ٹوٹ چکی ہے۔'' وہ ان کے دکھ میں دکھی ہو گئے۔

''اب تقدیر کا لکھا کون ٹال سکتا ہے راشد۔'' وہ اور بھی بےزار ہوئی۔

''اب ان کے باپ کو ہم نے تو نہیں مارا، الٹا ہم تو انہیں سہارا دے کر یہاں لائے ہوئے ہیں۔''

''بہت اچھی بات ہے میں تو ماموں کے اس جذبے کی بہت قدر کرتا ہوں کہ انہوں نے یتیم بھتیجے کے بیوی بچوں کو گھر میں پناہ دی۔'' انہوں نے پیار سے چار اور سات سالہ انعم اور صمد کو دیکھا اور مسکرا دیئے۔

''اور کچھ کھانا ہے بیٹا۔'' وہ مسکرا کر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور اچھا کھانا کبھی کبھار راشد کی آمد پر کھانے والے بچوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر سر کو ایک بار پھر اثبات میں جنبش دے کر پلیٹ بھروالی، راشد نے ساری چیزیں ایک ہی بار میں انہیں ڈال کر دے دیں۔

''جاؤ اور جا کر اپنی ماما کو بھی دو۔'' انہوں نے بچوں کو پیار سے سمجھاتے وہاں سے بھیجا۔

''بھوکے نہیں رہتے یہ یہاں سارا دن، مگر پھر بھی آپ نے ان کا ندیدا پن دیکھا، ایسے کھا رہے تھے جیسے آج سے پہلے کھانے کی کبھی شکل ہی نہ دیکھی ہو۔'' وہ چڑی۔

''وہ بچے ہیں فائقہ، سیکھ جائیں گے آہستہ آہستہ۔''

''نہیں سیکھیں گے یہ، ماں کی طرح دونوں ڈرامے باز ہیں، جان بوجھ کر لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کو ایسا کرتے رہتے ہیں، ورنہ ہم نے انہیں کوئی کمی نہیں دے رکھی یہاں۔'' وہ ہلکی آواز میں بھر کر چلائی، کہ اس کا تنفس درہم برہم ہو گیا۔

''اتنا غصہ کیوں کرتی ہو تم ان بچوں پر۔'' راشد کو حیرت ہوئی آج کی ملاقات بھی ضائع ہی ہوگئی۔

''آپ کیوں مجھے اگنور کر کے انہیں اہمیت دیتے ہیں۔'' راشد ہنسے۔

''تمہارا اور ان بچوں کا کیا مقابلہ۔'' وہ حیران بھی ہوتے۔

''راشد سخاوت کی بھی ایک حد ہوتی ہے، آپ خواہ مخواہ میں ان بچوں کو اپنے سر پر چڑھا رہے ہیں، ہر دفعہ ان کے لئے ڈھیروں کے حساب سے کھانے پینے کی اشیاء اور کپڑے کھلونے لاتے ہیں، دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا ہے ان کا، کل یہ بڑی انعم کہہ رہی تھی کہ اسے پیزا منگوا کر دیا جائے، اسے گھر کی بنی پھیکی دال نہیں کھانی، بھلا بتائیں جن بچوں کے باپ مر جائیں انہیں ایسے نخرے کرنا زیب دیتا ہے بھلا، ساری دوپہر روتی رہی، ایک پل کو سونے نہیں دیا اس بدتمیز نے۔''

''اوہ تو تم مجھے فون کر دیتیں ناں، میں بھجوا دیتا، خواہ مخواہ میں بچی بیچاری کو اتنا رلا دیا تم لوگوں نے۔'' وہ متاسف ہوئے اور فائقہ کی تو آنکھوں میں شرارے بھر گئے بجائے اس کے کہ وہ فائقہ کی ڈسٹربنس کا خیال کرتا، وہ تو الٹا انعم کے لئے پریشان ہو رہا تھا، یعنی حد ہے بھئی، منگیتر سے زیادہ بچوں کی پریشانی اور فکرمندی۔

''بس ہو گئی آپ کی حمایت شروع، آپ یہاں کس کے لئے آتے ہیں راشد؟''

''آف کورس یار تمہارے لئے۔''

''تو پھر مجھ تک ہی اپنی دلچسپی مرکوز رکھا کریں، اس گھر میں کوئی کیا کر رہا ہے اس فکر میں دبلا مت ہوں، سب بہت اچھے حال میں ہیں۔''

''اچھا بابا آئندہ خیال رکھوں گا، چلو اب اپنا موڈ ٹھیک کرو، میں تمہارے لئے ایک بہت خوبصورت گفٹ لایا ہوں۔'' وہ نرمی سے مسکراتے جیب کی طرف ہاتھ بڑھالے گئے تھے، گفٹ کا نام سن کر ہی فائقہ کا چہرہ کھل اٹھا تھا، وہ بے ساختہ ہنسی۔

''کیا لائے ہیں، دکھائیں ناں، اتنی دیر سے کیوں چھپا رکھا تھا پھر۔'' نروٹھے پن سے کہتی بمشکل مسکراہٹ چھپاتی دلفریبی سے بولی، راشد کی جذبات کی دنیا میں تہلکہ مچ گیا، گولڈ کا خوبصورت بریسلیٹ نکال کر اس کے سامنے لہرایا، فائقہ نے جھپٹنے والے انداز میں پکڑا۔

''اللہ...... یہ تو بہت قیمتی لگ رہا ہے، اف......ف...... کتنا پیارا ہے یہ راشد۔'' سینے اور آنکھوں سے لگا کر دیکھتے وہ خوشی سے بے ربط ہوئے جا رہی تھی، راشد اسے خوش دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔

''کتنے کا آیا ہے، یہ تو خاصا مہنگا ہو گا ناں۔''

''تم سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔'' راشد نے

مسکراتے ہوئے کہا۔
''پھر بھی بتائیں ناں، ای پوچھیں گی تو میں کیا کہوں گی بھلا۔''
''انہیں کچھ بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے، میرے لئے تمہاری پسند کی اہمیت ہے۔'' راشد بڑے شفاف انداز میں بات بدل گئے، تحفہ دیکھ کر فائقہ کا موڈ بھی خوشگوار ہو گیا کچھ دیر پہلے کی ساری کوفت و بیزاری ہوا میں تحلیل ہو گئی تھی، راشد اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے، ویسے بھی راشد کی تو جان ہی فائقہ کی مٹھی میں تھی۔

☆☆☆

دریہ نے کچن کے تمام برتن دھو کر ابھی اسٹینڈ پر خشک کر کے رکھے ہی تھے کہ وہاں پر فائقہ دندناتی ہوئی چلی آئی تھی، دریہ کی بے ساختہ ٹانگیں لرزیں، جانے آج کیا غلطی ہو گئی تھی جو وہ یوں ایسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، حالانکہ آج تو کھانا بھی بہت اچھا بنا تھا، راشد بہت تعریف کر کے گئے تھے، خیر وہ تو ہمدردی کیا کرتے تھے اصل تعریف تو آج اصغر چچا نے کی تھی، ورنہ کھانے میں مین میخ نکالنا تو ان پر ختم تھا۔
''کیا چاہتی ہو تم؟'' وہ سر پر آ کر دھاڑی تھی۔
''کک...... کیا ہوا فائقہ؟'' دریہ نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا تھا، شاید پھر بچوں نے کوئی غلطی کر دی تھی۔
''نہ تو تم اتنی بھولی ہو نہ ہی معصوم، دنیا دیکھ چکی ہو اور شوہر کو کھا چکی ہو، سارے تجربے ہیں تمہارے پاس، کیوں بھیجتی ہو اپنے بچوں کو میرے منگیتر کے پاس، آخر کیا چاہتی ہو تم، کیوں چاہئیں اس کی ہمدردیاں تمہارے بچوں کو۔'' دریہ کا حلق خشک ہو گیا۔

''میں نے کبھی بچوں کو نہیں کہا جی، وہ تو خود ہی ان کے لئے کچھ نہ کچھ لے کر آ جاتے ہیں۔'' دریہ سے صفائی دینا مشکل ہو گیا۔
''تم نے خود انہیں ندیدہ بنایا ہوا ہے، کہ راشد کے پاس پیسہ دیکھ کر جتنا نکلوایا جا سکے نکلوا لیا جائے اور تم کیا سمجھتی ہو میں ایسا کرنے دوں گی بھلا، راشد کی کمائی پر صرف میرا حق ہے، سمجھیں تم۔'' وہ جیسے آئی تھی طوفان اٹھا کر ویسے ہی واپس چلی گئی تھی، دریہ سے اتنی ذلت کے بعد کھڑا رہنا محال ہو گیا، وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر رونے لگی، کافی دیر رو چکنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آئی تھی، جہاں پرانا سا پنکھا گھرر گھرر کی آواز سے چلتا بمشکل رینگ رہا تھا، اس کے تینوں بچے پسینے میں شرابور سوئے ہوئے تھے، وہ انہیں کیا ڈانٹ کر سمجھاتی، بلکہ انہیں دیکھ کر وہ اور بھی شدت سے رونے لگی تھی، وہ فائقہ کو بتا نہیں سکی کہ جن چیزوں کی وہ بات کر رہی ہے اس کے بچے ندیدے پن میں انہیں نہیں کھانے کو مانگتے بلکہ وہ عادی تھیں کھانے کے، اسلم ہمیشہ ان کے لئے آفس سے واپسی پر بیکری کی مہنگی آئٹمز لایا کرتے تھے۔
اور یہ وقت اور تقدیر کا ستم ہی تھا ناں کہ اچھا خاصا خوشحال ہنستا بستا گھرانہ آن واحد میں اجڑ گیا تھا، اسلم کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ کی وجہ سے وہ بے آسرا ہو گئے تھے، ابھی اس کا چھوٹا شرجیل تو چھلے میں تھا، کچھ عرصہ اس کے پاس جو تھوڑی بہت بچت تھی وہ کام آئی پھر اس کے بعد گھر میں فاقے ہونے لگے، لوگوں نے شرم دلائی یا خود ہی دنیا دکھاوے کو اسلم کے چچا اصغر انہیں اپنے گھر میں لے آئے مگر یہاں رہنے کو چھت تو ملی اور دو وقت کی روٹی بھی، مگر بدلے میں اور جو جو کچھ ملا، وہ عزت نفس پہ تازیانہ بن بن کر لگتا، کہ جگر چھلنی

ہو جاتا، نفرت، بے زاریت، غصہ، چڑچڑا پن عروج پر ہوتا، دریہ سارا دن گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی، اقم اور صمد دونوں سکول جایا کرتے تھے یہاں پر اسکول بند ہو گیا، وہ گھر پر ہی ماں کے ساتھ کام کاج کروانے میں مدد کرتے کرواتے، صمد کو پڑھنے کا بہت شوق تھا وہ کتنی بار ماں سے کہہ چکا تھا کہ اسے اسکول میں داخلہ دلوا دیں مگر اس کے پاس داخلے کی رقم نہیں تھی، ڈرتے ڈرتے اصغر چچا سے بات کی تو وہ یوں حیران ہوئے کہ دریہ شرمندہ ہو گئی اور تو اور سکینہ چچی تو باقاعدہ ہنس ہی پڑیں۔

''ارے تم تو بالکل ہی پاگل ہو گئی ہو دریہ، نت نئی کیسی کیسی فرمائشیں کرنے لگتی ہو، بھلا تمہارے اصغر چچا کی کون سی فیکٹریاں چل رہی ہیں جو وہ تمہارے بچوں کی پڑھائی کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔'' ان کا مذاق اڑاتا لہجہ دریہ کے سینے میں نیزے کی انی کی طرح فٹ ہو گیا۔

''جو مل رہا ہے اور جتنا مل رہا ہے اس پر قناعت کرو بی بی، یہ بھی نہ ہوتا تو سوچو کیا ہوتا۔'' وہ مزے سے آم کی اچار کی پھانک چوستے اسے پاتال میں گرا رہی تھیں۔

عزت نفس بھی عجیب شے ہے اسے غریبوں اور مجبور لوگوں کے اندر نہیں ہونا چاہیے، ورنہ غریب بہت ہلکان ہو جاتا ہے، اس کی غربت معاشی ضروریات سے نڈھال کر دیتی ہیں، دریہ بغیر کچھ کہے خاموشی سے نکل آئی۔

''توبہ ہے بے حیائی کی بھی ایک حد ہوتی ہے، اچھائی کا تو زمانہ ہی نہیں، ایک تو گھر اور آسرا دیا اوپر سے نخرے اور فرمائشیں ایسے انداز میں کرتی ہیں محترمہ گویا قرض دار ہوں اس کے، اف......ف......ف، آپ نے بھی تو اسے میرے سر پر بٹھا کر ہی دم لیا اصغر صاحب۔''

دریہ نے یہ چبھتے ہوئے الفاظ اپنے کانوں سے کمرے سے نکلتے ہوئے سنے تھے، آنسو باہر نہیں گرے اس کی عزت نفس اور خودداری کی طرح اندر ہی کہیں روح کی پاتال میں گرتے رہے، قطرہ قطرہ رات بھیگتی رہی۔

☆☆☆

دریہ کے بیٹے کو جو بمشکل ابھی چھ ماہ کا ہوا تھا اسے بخار تھا ساتھ میں خسرہ کے دانے بھی نکلے ہوئے تھے، سارا سارا دن وہ روتا رہتا، گھر کے کاموں میں دریہ گھن چکر بنی ہوئی تھی اور شرجیل کے رونے کی آوازیں اس کے ممتا بھرے دل کا خون کرتی جاتی تھیں، مگر سکینہ چچی نے آج ہی اسے گھر کے سارے پردے اور کشنز دھونے کی ذمہ داری سونپ دی تھی ساتھ ہی دوپہر میں کھانے پر اہتمام بھی تھا کیونکہ آج سکینہ چچی کی دور پار کی کزن کھانے پر آ رہی تھیں، دریہ اسی لئے صبح سویرے ہی کام پر لگ گئی تھی اسی چکر میں ناشتہ بھی نہیں کیا تھا چھت پر کپڑے دھوتے سوا نیزے سورج کے نیچے کھڑے اپنے جلتے تلوؤں کو اس نے ڈبڈباتی نگاہوں سے دیکھا اس کی چپل ٹوٹ چکی تھی اور اس کا تلوہ بھی گھس چکا تھا، گرمی کی تپش مستزاد شرجیل کی چیخیں، اس سے کھڑا رہنا محال ہو گیا تھا تبھی وہ بے ساختہ نیچے چلی آئی، اس کا سر گھوم رہا تھا خوراک کی کمی نے اس کا بی پی لو کر دیا تھا شاید، شرجیل رو رو کر ہلکان ہو رہا تھا وہ بے ساختہ نیچے آئی اور اسے تڑپ کر گلے سے لگا کر رو دی۔

''امی بھائی کو ڈاکٹر کو دکھائیں ناں، دیکھیں تو اسے کتنا تیز بخار ہے۔'' صمد کی آنکھوں میں دکھ سے آنسو آ گئے، دریہ لب کچل کر رہ گئی۔

''میرے بھائی کو بخار ہے امی جان، اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں ہم دونوں، آپ

جلدی کریں۔'' صمد کو لگا ماں نے غور سے بات نہیں سنی تبھی دوبارہ دہرادی۔

''ہم کیسے جا سکتے ہیں صمد۔'' بالآخر اسے بولنا ہی پڑا۔

''میں آپ کے ساتھ جاتا ہوں ناں، سڑک پر رکشے کھڑے ہیں میں بلا کر لاتا ہوں ابھی۔'' وہ جانے کو تیار بھی ہوگیا، مگر دریہ نے روک دیا۔

''رہنے دو صمد، ہم اسے ڈاکٹر کو نہیں دکھا پائیں گے۔'' صمد نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

''مگر ای۔''

''میرے پاس پیسے نہیں ہیں بیٹا اور اصغر چچا کے پاس بھی نہیں ہیں، فریج سے ٹھنڈا پانی لے کر آؤ، میں اسے پانی کی پٹیاں کر دیتی ہوں اس کا بخار اتر جائے گا۔''

''بخار نہیں اترے گا امی جان، ٹھنڈے پانی کی پٹیاں تو آپ رات بھر سے کر رہی ہیں۔'' صمد نے گہرے تاسف میں گھر کر جیسے دکھ سے ماں کو بتایا تھا، حالانکہ دریہ جانتی تھی کہ خسرے اور چیچک کے بخار انجکشن کے بغیر نہیں ٹھیک ہوا کرتے مگر وہ مجبور تھی کیونکہ وہ بے سہارا تھی اور اس گھر کے مکین ہزار ہا مرتبہ اسے جتلا چکے تھے کہ اس سے زیادہ کی امید اس سے نہ رکھی جائے، پھر بھی وہ ایک آخری کوشش کے تحت اصغر چچا کے پاس گئی۔

''اصغر چچا میرا بیٹا بہت بیمار ہے پلیز اسے ڈاکٹر کو دکھا لائیں۔'' دریہ بات کرتے کرتے رو پڑی، اصغر چچا نے بہت ہی سنجیدگی سے اسے دیکھا اور کہا۔

''تمہارے پاس پیسے ہیں تو تم لے جاؤ، میری جیب میں تو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے جو کچھ بھی تھا آج کی دعوت میں خرچ ہو گیا۔'' انہوں نے کچھ ایسی سفاکی اور سنجیدگی سے کہہ کر بات ختم کی کہ دریہ حیرت کے مارے گنگ ہو گئی، کیونکہ ابھی اس نے کمرے میں آتے وقت ان کی گود میں کافی سارے نوٹ پڑے دیکھے تھے۔

''میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں چچا۔'' دریہ حسب عادت لب کچل کر رہ گئی۔

''میرے پاس بھی نہیں ہیں۔'' اصغر چچا نے بھی بات ختم کر دی لہٰذا وہ واپس پلٹ گئی۔

☆☆☆

کھانے کی تیاری کے دوران اور بعد کا سارا وقت اس نے اسی دکھ میں روتے ہوئے گزارا، مہمان آئے کھانا کھا کر خوش گپیوں میں مصروف تھے جب وہ کمرے میں گئی اور دیکھا کہ شرجیل بخار سے بے ہوش پڑا ہے، اس نے اپنا کلیجہ پھٹتا ہوا محسوس کیا تھا، بے ساختہ وہ ایک بار پھر اصغر چچا کے کمرے کی طرف دوڑی، مگر اصغر چچا مہمانوں کے درمیان بیٹھے خوش گپیوں کر رہے تھے، فائقہ البتہ اپنے کمرے میں تھی سو وہ وہیں چلی آئی، وہ فائقہ کے کمرے میں نہیں جایا کرتی تھی اسے اجازت ہی نہیں تھی کہ وہ اس کے کمرے میں جا سکے، مگر آج وہ اتنی مجبور ہو گئی تھی کہ فائقہ کی تنبیہہ کو یاد ہی نہیں رکھ سکی، فائقہ نے آمد پر اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' فائقہ نے اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھا دریہ بے ساختہ رونے لگی۔

''اوہو بتاؤ بھی کیا مسئلہ ہے، نحوست کیوں پھیلانے بیٹھ گئی ہو یہاں۔''

''فائقہ پلیز مجھے کچھ پیسے دے دو، میرا بیٹا بہت بیمار ہے۔'' دریہ روتے روتے بے ساختہ ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی فائقہ نے اسے کسی قدر کروفر سے دیکھا۔

''خدا کے لئے فائقہ، مجھ پر رحم کرو، میرا بیٹا مر جائے گا، میرے پاس تو ان کے علاوہ اور کوئی سہارا بھی نہیں ہے۔''

''بند کرو اپنی بکواس، تم کتنی ڈھیٹ ہو دریہ، تمہیں اثر ہی نہیں ہوتا ہماری کہی باتوں کا، جب ایک بار کہہ دیا کہ اس گھر میں تمہیں سوائے روٹی کپڑے کے اور کچھ نہیں ملے گا تو تم مزید کی امید کیوں رکھتی ہو، نہیں ہیں میرے پاس پیسے، تم چلی جاؤ یہاں سے۔'' فائقہ نے فرعونیت کی حد ہی ختم کر دی تھی دریہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اس نے تو صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا شرجیل کی پریشانی میں۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں فائقہ، تم خود چل کر دیکھ لو، میرا بیٹا بہت بیمار ہے۔'' وہ ایک مرتبہ پھر گڑگڑائی تھی۔

''میں کیوں جانے لگی تمہارے ساتھ، تمہارے میلے کچیلے بچوں کو تو دیکھنے کو بھی دل نہیں کرتا اور تمہارے کمرے سے تو اتنی بدبو آتی ہے کہ حد نہیں۔'' اس نے یوں منہ اور ناک کو سکیڑا جیسے واقعی میں اسی بدبو کو اپنے اردگرد محسوس کر رہی ہو۔

''تم مجھے کچھ پیسے دے دو، پھر۔'' دریہ ایک آخری امید کے طور پر پھر منت ساجت پر اتری۔

''اب تو تمہیں میری صرف چپل ہی پڑتے گی، تم کیا نیا ڈرامہ رچا کے کھڑی ہوگئی ہو، جبھی تم راشد کے آگے پیچھے پھرتی ہو کبھی میرے، کیوں پیدا کیے تھے اتنے بچے اگر تم سنبھال نہیں سکتی تھیں تو، خود تو تمہارا شوہر مر گیا، ہمارے سر پر عذاب مسلط کر گیا تم سب کا، نکل جاؤ یہاں سے۔'' فائقہ اب کی باہر بہت زور سے چلائی تھی تبھی دروازہ کھلا تھا دریہ نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا اور فائقہ کا تو رنگ ہی اڑ گیا تھا، دریہ لب کچلتی وہاں سے جانے لگی کہ راشد نے ٹوک دیا۔

''ٹھہریے بھابھی۔'' دریہ کے قدم بے ساختہ ٹھہر گئے وہ ان کے قریب آیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں، تیار ہو جائیں میں شرجیل کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے جی۔'' دریہ جذباتی ہو کر ایک بار پھر رونے لگی تھی، چلو کوئی تو تھا انسانوں کے ہجوم میں جس کے اندر ابھی تک انسانیت کی رمق نظر آئی تھی۔

''آپ اسے خود لے کر جائیں گے کیا؟'' فائقہ چیل کی طرح اڑتی دریہ کے جاتے ہی راشد کے سر پر پہنچی۔

''ہاں، تم ساتھ چل رہی ہو کیا؟'' راشد نے نرمی سے پوچھا مگر فائقہ تو نرم لہجے میں بات کر ہی نہیں سکتی تھی۔

''آپ اسے ساتھ لے کر نہیں جائیں گے راشد، یہ ٹھیک عورت نہیں ہے، ڈرامہ کر رہی ہے کل بھی ابا جی نے اسے پیسے دیے ہیں یہ دکھا دے گی اپنے بیٹے کو، آپ یہاں بیٹھیں۔'' راشد نے اس کے جھوٹ پر اسے تاسف سے دیکھا چہرہ جتنا بھی خوبصورت ہو جب غلط بیانی کرے تو بد صورت ہی لگتا ہے۔

''اس کے پاس پیسے ہوتے تو وہ کیا تمہارے سامنے یوں روتی گڑگڑاتی فائقہ؟'' راشد نے دھیمے ٹھہرے لہجے میں اس سے پوچھا تھا، فائقہ لحہ بھر کو ٹھٹکی اسے راشد کا رویہ آج کچھ عجیب سا لگا تھا۔

''ہم...... میں سچ کہہ رہی ہوں راشد، آپ بھی اس عورت کی چال میں آگئے۔'' فائقہ نے فوراً ہی بات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''مجبور انسان چال باز نہیں ہوتا فائقہ، جب ہم اسے چالباز سمجھ رہے ہوتے ہیں تب وہ بھی وہ صرف مجبور ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں، بہر حال میں دریہ بھابھی کو ڈاکٹر کے پاس

لے جا رہا ہوں، واپسی پر بات ہوتی ہے۔''
''تو آپ انہیں پیسے دے دیں ناں، خود جانے کی کیا ضرورت ہے۔''
''میں خود جاؤں گا اس بچے کو لے کر، شاید ایمرجنسی میں ڈاکٹر اسے ایڈمٹ کر لے، بھابھی بے چاری کہاں بھاگتی پھریں گی۔'' یہ کہہ کر وہ چلے گئے مگر حسب توقع و حسب معمول فائقہ کا منہ پھول گیا، وہ شدید غصے میں بھری کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔

☆☆☆

راشد پہلی بار دریہ بھابھی کے کمرے میں آئے تھے، اور اس کمرے کے مکینوں کی حالت زار نے ان کی آنکھیں نم کر دیں تھیں، اچھے خاصے کھاتے پیتے تھے اصغر چچا، گھر میں خوشحالی دبے دبے پاؤں رقص کیا کرتی تھی، مگر وہ اتنا نہیں کر سکے کہ ایک بیوہ اور یتیم بچوں کو مکمل سہارا محبت اور بنیادی ضروریات فراہم کر سکیں، وہ جب بھی اس گھر میں آتے تھے ہمیشہ ہی دریہ بھابھی کو گھر کے کاموں میں مصروف پایا کرتے، چھ ماہ میں ایک نیا جوڑا انہوں نے بچوں کے یا ان کی ماں کے تن پر سجا نہیں دیکھا اور گھر کے مکینوں کی لعن طعن، طنز و تشنیع کچھ بھی ان سے مخفی نہیں تھا اور جو کچھ بھی مخفی تھا وہ آج عیاں ہو گیا تھا، دنیا بھر کے سامنے واہ واہ سمیٹنے والے اصغر چچا کی اصل صورت کیا تھی راشد کو جان کر دلی صدمہ ہوا تھا۔

جب وہ کمرے میں آئے دریہ بھابھی بوسیدہ چادر سے خود کو ڈھانپ چکی تھیں ساتھ ہی تینوں بچے تیار کھڑے تھے، راشد انہیں لے کر گاڑی کی طرف گئے، ایک بار پھر صمد کو فائقہ کو بلانے بھیجا مگر وہ نہیں آئی تو مجبوراً خود ہی اکیلے ان بچوں کو لے کر گئے، ان کا دل بہت نرم اور حساس تھا وہ کسی کو بھی دکھ درد میں دیکھ ہی نہیں سکتے تھے اور یہ تو پھر چھوٹے چھوٹے معصوم ان کے کزن کے بچے تھے، شرجیل کی حالت واقعی میں بہت خراب تھی ڈاکٹرز نے اسے جاتے ہی ایڈمٹ کر لیا تھا، راشد شہر کے سب سے اچھے ہاسپٹل میں انہیں لائے تھے، آتے ہی ٹریٹمنٹ شروع ہو گیا تین گھنٹے میں شرجیل کی حالت بہتر ہو گئی اور ان تین گھنٹوں میں راشد نے بچوں کو ڈھیروں کے حساب سے شاپنگ کرا دی تھی نجانے اس آدمی کا دل کیسا تھا، جو بڑے دھڑلے سے دوسروں پر ہزاروں روپے با آسانی لٹا دیا کرتا تھا، تھی تو اس کی بھی محنت کی کمائی پھر وہ اوروں کی طرح اس پر صرف اپنا حق کیوں نہیں سمجھتا تھا وہ کیوں یتیم اور بے سہارا بچوں پر خرچ کرتا تھا، بچے جب لدے پھندے واپس آئے تو ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے، دریہ انہیں پہلے دکھی دیکھ کر روتی تھی اب خوش دیکھ دیکھ کر روتی رہی، راشد کا شکریہ الگ ادا کرتی رہی اور وہ بلا وجہ شرمندہ ہوتا رہا، جبکہ اسکی ایک ہی تکرار تھی۔

''اگر آپ نہ ہوتے تو نجانے آج کیا ہو جاتا، آپ تو مسیحا بنے ہیں میرے لئے، میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھول پاؤں گی راشد بھائی۔''

''آپ مجھے بارہا کیوں شرمندہ کر رہی ہیں بھابھی، ان بچوں پر میرا بھی تو کچھ حق بنتا ہے میں بھی ان کا رشتے میں چاچو لگتا ہوں، آپ پلیز ایسا کچھ مت سوچیں جب بھی کوئی ضرورت ہو، مجھے بلا جھجک کہہ دیا کریں۔'' گھر کے سامنے گاڑی روکتے انہوں نے اپنا سیل نمبر دیتے دریہ سے کہا تھا، وہ تشکر سے کارڈ تھامتی باہر نکل آئی کہ انہوں نے دوبارہ پکارا۔

''یہ کچھ پیسے رکھ لیں عید آنے والی ہے اپنے لئے کچھ خرید لیجئے گا، بچوں کے کپڑے تو میں خود لے آؤں گا اور ہاں، آج کے بعد آپ کو فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، ان بچوں کا سارا خرچ میں اٹھاؤں گا تب تک جب تک یہ کسی قابل نہیں ہو جاتے۔''

''آپ پہلے ہی ہمارے لئے بہت کر چکے ہیں راشد بھائی، مزید مجھے اپنے احسانوں کے بار تلے مت دبائیں۔'' دریہ ایک بار پھر اس فرشتہ صفت انسان کی نیکی پر رو پڑی۔

''بھابھی، آج کے بعد یہ اجنبیوں والی باتیں آپ بالکل بھی نہیں کریں گی، میں صبح آؤں گا دوبارہ، اپنا خیال رکھئے گا۔'' گاڑی اسٹارٹ کرتے بولے تھے۔

''آپ اندر نہیں آئیں گے؟''

''ابھی ایک ضروری میٹنگ میں جانا ہے کل آؤں گا، آپ فائقہ کو بتا دیجئے گا۔'' یہ کہہ کر وہ تو گاڑی زن سے آگے بڑھا کر لے گئے، مگر دریہ کے لئے مصیبت کا ایک نیا در کھول گئے، اس نے ابھی گھر کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ فائقہ کسی چیل کی مانند اس پر جھپٹی تھی، ساتھ سکینہ ممانی بھی غضبناک ہو رہے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''خبردار اگر تم نے اس گھر کی دہلیز پار کی تو۔'' دریہ اور بچے یکلخت سہم گئے۔

''بدکردار عورت، میرے منگیتر پر ڈورے ڈالتے تجھے اس سے زیادہ گھٹیا آئیڈیا نہیں ملا تھا کیا۔'' فائقہ نے بچوں کے ہاتھ میں شاپر پکڑے دیکھے تو اپنے آپے میں نہیں رہ سکی اور دریہ پر جھپٹ کر اسے مارنے لگی۔

''یہ...... یہ دیکھیں ذرا بیٹے کو لے کر گئی تھیں۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا فائقہ، پلیز میرا یقین کرو، میں ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔'' فائقہ نے ہاتھوں میں اس کے بال جکڑے تھے اور دریہ کے کندھے پر سویا ہوا شرجیل تھا اور فائقہ نے اس کے بال اتنی زور سے جکڑے تھے کہ دریہ لڑکھڑا کر نیچے گر گئی تھی اور شرجیل جاگ گیا تھا اور بے تحاشا رونے لگا تھا شرجیل کو بچاتے بچاتے خود دریہ کا سر اینٹ میں جا لگا تھا، وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی کہ فائقہ کو آخر غصہ کس بات کا تھا اس کی آنکھ کے سامنے ہی تو وہ راشد کے ساتھ گئی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ ڈاکٹر کے ہی گئی تھی۔

''دیکھ لیا امی آپ نے، اسی دن کے لئے اس ڈائن کو پناہ دی تھی آپ نے، صرف اس کے ڈراموں کی وجہ سے راشد نے آج مجھے ڈانٹا ہے اور دیکھیں آج وہ اندر بھی نہیں آئے، میں اسے اس گھر میں اب ایک منٹ نہیں رہنے دوں گی، نکالیں اسے گھر سے باہر۔'' زور زور سے روتی فائقہ نے بالکل اچانک ہی ایک عجیب فرمائش کر دی تھی بجائے اس کے کہ سکینہ کچھ سمجھاتی الٹا وہ بھی بیٹی کا ساتھ دینے لگ گئی تھی۔

''کیا یہ سچ کہہ رہی ہے دریہ۔'' سکینہ چچی کے الفاظ نہیں لہجہ بہت سنگین تھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں چچی جان، آپ بے شک راشد بھائی سے پوچھ لیں، آپ جانتی ہیں کہ میرا بیٹا بخار سے تڑپ رہا تھا پچھلے دو دن سے۔''

''تو پھر یہ شاپنگ کہاں سے کی تم نے؟'' ان کے لہجے کی سنجیدگی اور بھی بڑھی۔

''یہ تو انہوں نے خود بچوں کو......'' دریہ کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ فائقہ نے اچک لی۔

''دیکھا، ابھی کیا باقی رہ گیا امی جان، پہلے صرف بچوں کے کھانے کی اشیاء آیا کرتی تھیں آج سے شاپنگ بھی اسٹارٹ ہو گئی، آپ ابھی

مزید کس وقت کا انتظار کر رہی ہیں، نکالیں اسے گھر سے باہر۔" فائقہ پھر ہوئی شیرنی بن گئی۔

"فائقہ تم خاموش رہو، مجھے بات تو کرنے دو۔" سکینہ سے اپنی بیٹی کو سنبھالنا محال ہو گیا، خیر یہ ان ہی کی تربیت کا اثر تھا جو وہ کسی کی بھی نہیں سنتی تھی ماں باپ کی بھی نہیں۔

"نہیں اسے نکالیں ابھی گھر سے، یہ ابھی نکلے یہاں سے، یہ اب یہاں مزید نہیں رہ سکتی، قطعاً نہیں۔" پھر اس نے ماں کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی دریہ کو پکڑ کر گھر سے نکال دیا، بچے ماں کے ساتھ گھسیٹتے گئے، دریہ اتنی گنگ اور ششدر تھی کہ سمجھ ہی نہیں سکی کہ جواب میں کیا کہے، اس نے اسے باہر نکالا اور وہ بچوں کے ساتھ ہی باہر نکل آئی، گیٹ کے باہر زمین پر چوکڑی مار کر بیٹھے وہ یہ سوچنے کی کوشش کرتی رہی کہ کوئی ایسا قصور، غلطی یا جرم جو اس سے سرزد ہوا ہو، مگر اس کی سمجھ میں نہیں آیا، رات گہری ہونے لگی اور بچے بھوک اور نیند سے بے حال ہو کر بلبلانے لگے، دریہ دوبارہ دروازہ کھٹکھٹا آئی مگر دروازہ نہیں کھلا اور آج تو نجانے اصغر چچا کہاں تھے، ورنہ شاید ہی کچھ مدد کر پاتے اس کی اندر جانے میں مگر وہ بھی آج نجانے کہاں تھے۔

"امی نیند آرہی ہے، اندر چلو ناں۔" ننھی انعم جیسے صورتحال کی سنگینی کا اندازہ نہیں تھا بار بار ایک ہی تکرار کر رہی تھی، دریہ پتھر آنکھوں سے ٹکر ٹکر بچوں کا چہرہ دیکھتی رہی، رات گہری ہو رہی تھی بچے گیٹ پر ہی سو گئے تھے جبھی اچانک وہاں ایک گاڑی آکر رکی تھی، اندر سے راشد باہر آئے تھے، میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد انہیں احساس تھا کہ فائقہ ناراض بیٹھی ہو گی، وہ اس سے ملے بغیر جو چلے گئے تھے، ان کا دل بے چین ہونے لگا تھا، تبھی وہ گھر جانے کی بجائے فائقہ کو منانے آئے تھے حالانکہ وہ ذہنی طور پر بے تحاشا تھکاوٹ کا شکار ہو گئے تھے، مگر گاڑی سے باہر نکلتے ہی انہوں نے جب ان چاروں کو گیٹ کے باہر بیٹھے دیکھا تو وہ بھی ششدر رہ گئے تھے۔

"دریہ بھابھی کیا ہوا آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟" راشد کی آواز میں حیرت تھی۔

"انہوں نے گھر سے نکال دیا۔" کھوئے کھوئے لہجے میں اس نے راشد کو اجنبی نگاہوں سے دیکھا گویا پہچان کے مرحلے سے گزر رہی ہو۔

"مگر کیوں؟" راشد کو از حد اچنبھا ہوا۔

"آپ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانے کے جرم میں۔" پھر سسکتے بلکتے وہ ساری بات انہیں بتا گئی تھی، راشد کو بے حد دکھ ہوا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ فائقہ ان کے بارے میں اس قدر گھٹی سوچ کی حامل بھی ہو سکتی ہے کیا اسے ان کی محبت پر اعتبار نہیں تھا، کیا وہ رشتوں کے تقدس کو اہمیت نہیں دینے والے تھے جو وہ اس قدر ذہنی گراوٹ کا شکار ہو کر یہ سب سوچتی رہی تھی، ان کا دل چاہا، وہ ابھی جا کر فائقہ سے سوال کریں لیکن وہ اندر نہیں گئے ان کی نظر زمین پر سوئے ان معصوموں پر پڑی تو ان کا کلیجہ جیسے پھٹ سا گیا، کوئی اس قدر احساس سے عاری بھی ہو سکتا ہے، پہلے ان کا ارادہ اندر جا کر بات کرنے کا تھا مگر پھر بدل گیا، وہ خاموشی سے اٹھے صمد اور انعم کو باری باری اٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا اور خود دریہ بھابھی کے پاس آئے۔

"بھابھی! آئیں میرے ساتھ چلیں۔" دریہ نے خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا۔

"کہاں؟" بہت دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہو پائی تھی۔

"میرے گھر، یہاں تو نہیں رک سکتیں ناں

آپ۔'' راشد نے لب بھینچ کر جیسے انہیں ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔

''میں نہیں جاؤں گی آپ کے ساتھ۔'' وہ یکلخت خوفزدہ ہوئی۔

''تو پھر آئیں میں آپ کو اپنے کسی دوست کے گھر ٹھہرا دوں۔'' راشد کو بھی جیسے دریہ بھابھی کی مجبوری سمجھ میں آ گئی تھی اسی لئے زیادہ اصرار نہیں کیا، مگر دریہ نہیں اٹھی بلکہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''جائیں راشد بھائی، میری وجہ سے آپ کیوں کسی مشکل میں پڑتے ہیں، آپ کا اس گھر سے بہت اہم اور گہرا رشتہ ہے، اپنے رشتے کو میری وجہ سے کسی بدگمانی کی نظر مت کریں خدا کے لئے۔''

''میرے لئے ان بچوں کے سکھ اور سکون سے زیادہ اہم اس وقت کچھ بھی نہیں ہے بھابھی، آپ پلیز اٹھیں اور چلیں، رات بہت گہری ہو رہی ہے، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا بس تھوڑا انتظار کر لیں۔'' اس کے بعد دریہ بھی کچھ نہیں بولی جانے راشد کے لہجے میں ایسا کیا تھا کہ وہ مزید کوئی بات کر ہی نہیں سکی، راشد انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئے تھے۔

☆☆☆

دوسری صبح جب سکینہ چچی نے اصغر چچا کے سامنے ناشتہ لا کر رکھا تو انہیں دریہ کی کمی محسوس ہوئی۔

''آج دریہ کہاں ہے، بچے بھی نظر نہیں آ رہے؟''

''وہ چلی گئی ہے۔'' سکینہ چچی نے بات سمیٹ دی، ویسے بھی انہیں کیا وہ جہاں بھی جائے انہوں نے تو صبح اٹھ کر گیٹ سے باہر جھانک کر دیکھا تو وہ نہیں تھی۔

''کہاں چلی گئی ہے؟'' اصغر چچا نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''اب مجھے کیا پتہ کہاں گئی وہ، آپ ناشتہ تو کریں۔'' وہ بے زار ہوئیں اصغر چچا کو یکلخت احساس ہوا کہ اس کا بیٹا بیمار تھا اور وہ ان سے پیسے مانگنے آئی تھی مگر ان کی بیوی نے پہلے ہی ان کے کان بھر دیے تھے کہ ایویں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے واویلا کرنے کی عادت ہے۔

''شرجیل تو ٹھیک ہے ناں؟'' اصغر چچا کو بے چینی ہوئی وہ تو کل شام سے ہی اپنے دوست کے گھر چلے گئے تھے رات دیر تک شطرنج کی بازی جمی رہی اور وہ لیٹ ہو گئے تھے آتے ہی سو گئے کسی نے انہیں رات کو بتایا بھی نہیں تھا لہٰذا اب سکینہ چچی مکمل فارم میں انہیں بتانے ہی والی تھیں کہ راشد آ گئے۔

''شرجیل اب پہلے سے بہت بہتر ہے ماموں۔'' جواب سکینہ چچی کی بجائے راشد نے دیا تھا، اصغر چچا چونکے پھر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''ارے راشد میاں تم، اتنی صبح صبح، خیر تو ہے ناں؟'' وہ گھبرا سے گئے سکینہ چچی نے منہ بنایا آخر کو بیٹی کا دل دکھایا تھا راشد نے وہ کیوں دیکھتیں اس کی طرف، ہونہہ۔

''میں رات کو بھی آیا تھا مگر جب گیٹ پر دریہ بھابھی اور روتے سسکتے بچوں کو دیکھا تو اندر نہیں آ سکا۔''

''کیا مطلب، وہ گیٹ پر کیوں تھے، کک..... کیا ہو گیا بھلا۔'' اصغر چچا جانے کیوں ہکلا سے گئے۔

''فائقہ نے انہیں گھر سے نکال دیا تھا کیونکہ وہ شرجیل کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا اس لئے۔'' انہوں نے نہایت آرام سے بم پھوڑا۔

''شرجیل کی حالت بہت نازک تھی آپ سے دریہ بھابھی نے پیسے مانگے مگر آپ کے پاس بھی نہیں تھے اور فائقہ کے پاس بھی، میں اچانک ہی وہاں آیا تھا اور میں نے صرف اتنا کیا کہ اس روتی تڑپتی ماں کی مدد کر دی، لیکن سکینہ ممانی اور فائقہ نے اسے گھر سے دھکے دے کر نکال دیا کہ کہیں خدانخواستہ میں......'' ضبط سے ان کے جبڑے تن گئے تھے اصغر چچا نے حیرت سے سکینہ چچی کو دیکھا، تبھی فائقہ بھی باہر آئی تھی۔

''میرا خیال تھا آپ سب جانتے ہوں گے کہ میں ان بچوں کے ساتھ اتنی محبت اور ہمدردی سے کیوں پیش آتا ہوں، مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگ جان کر بھی انجان بنے رہے، بہرحال میں یہاں اس لئے آیا ہوں تاکہ آپ کو بتا سکوں کہ میں آفیشلی بچوں کی ذمہ داری اٹھانا چاہتا ہوں میں انہیں الگ گھر لے کر دے رہا ہوں اور ان کے تمام اخراجات میرے ذمے ہوا کریں گے۔'' انہوں نے فائقہ کی طرف دیکھ کر آہستہ آواز میں کہا تھا۔

''سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ ان تین بچوں کی ماں پر دل آ گیا ہے تمہارا۔'' فائقہ بد زبان ہوئی۔

''اچھی طرح سے جانتی ہوں تمہارے اس اچانک فیصلے کی وجہ، اسی دن کا ڈر تھا مجھے اور دیکھا وہی ہوا ناں۔'' وہ بپھرے ہوئے انداز میں راشد کے سر پر کھڑی تھی۔

''اپنی بکواس بند کرو فائقہ، تم بہت بڑی بات کر رہی ہو، وہ میرے لئے بہت قابل احترام ہیں۔'' راشد دبے دبے غصے سے چلایا۔

''ہاں وہ تو نظر آ ہی رہا ہے مجھے، تمہاری طرفداریاں تمہاری قربانیاں تمہاری محبتیں، سب دکھ رہا ہے مجھے، تم اس قابل ہی نہیں کہ میں تم سے شادی کر کے اپنی زندگی خراب کروں۔''

''کیا کہہ رہی ہو فائقہ، ہوش کرو، راشد سے تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔'' سکینہ چچی کو اچانک ہی کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا تو فوراً اسے ٹوک گئیں تھیں۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں میں امی جان، یہ جان بوجھ کر میری منہ پر اسے سہارا دینے کی بات کر رہے ہیں، تو پھر مکمل سہارا دیں ناں اسے، نکاح کر لیں اس سے، میں تو اب اس شرط کے ساتھ ان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی، کہ یہ ساری زندگی اس منحوس کا بوجھ اٹھائیں ہماری اپنی تو پھر کوئی زندگی نہ ہوئی ناں۔''

''شرم کرو اپنے باپ کے سامنے کھڑی ہو کر کیسی باتیں کر رہی ہو تم فائقہ۔'' چچی کو پہلی بار بیٹی کی زبان درازی بے حد کھلی تھی۔

''میری زندگی کا فیصلہ ہے اب میں بلاوجہ کی شرم و حیا میں سے چھوڑ تو نہیں سکتی، اچھا ہے ناں کہ یہ بھی میرے سامنے ہی ہیں، جو بھی ہو کم از کم ان کے سامنے تو ہو، تاکہ انہیں بھی پتہ چل سکے۔''

''میں بھی اسی لئے یہاں آیا ہوں، اس وقت تاکہ ماموں جان سے بات ہو سکے۔'' راشد نے گہری سانس لی، مگر اصغر چچا کیا کہتے انہیں تو کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا ان کی اپنی گھٹیا فطرت نے۔

''میں دریہ بھابھی اور بچوں کی کفالت کا ذمہ اپنے سر لینا چاہتا ہوں ماموں جان، مجھے ان یتیم بچوں کا احساس ہے کیونکہ میں خود بھی یتیم ہوں میں نے بھی اپنی ساری زندگی احساس محرومی میں روتے بلکتے اور سسکتے گزاری ہے اب آج جب میں اس قابل ہوں کہ کسی بچے کو اس دکھ اور محرومی سے اپنی سکون جس سے میں خود گزرا

ہوں اس میں حرج کیا ہے۔"

"حرج ہے راشد، حرج ہے، آپ کو میری خوشی اور خواہشات کا خیال کرنے کی بجائے ان بچوں کا زیادہ خیال ہے تو پھر ٹھیک ہے ناں جائیں اور انہیں مکمل سہارا دیں کیونکہ انہیں تو ایک باپ کی بھی ضرورت ہوگی ناں۔" وہ تڑخی تھی مگر اصغر چچا نے ٹوک دیا۔

"فائقہ! راشد ٹھیک کہہ رہا ہے تمہیں تو اس فیصلے میں اس کا ساتھ دینا چاہیے یہ تو نیکی کا کام ہے۔"

"تو آپ نے یہ نیکی کا کام کیوں نہیں کیا بابا، اصولاً تو فرض تھا یہ آپ کا، راشد کی ذمہ داری تو نہیں در یہ بھابھی اور بچے، آپ کیوں نہیں کرتے ان کی کفالت۔" وہ باپ کی طرف متوجہ ہوئی تو ان کی نگاہیں جھک گئیں مگر سکینہ چچی تڑخ گئیں۔

"ہاں تو تمہارا باپ کدھر سے کرے، ابھی تمہاری شادی کرنی ہے، لاکھوں کا قرض سر پر چڑھا ہوا ہے راشد تو افورڈ کر سکتا ہے خیر سے سرکاری آفسر ہے، اتنی لمبی گاڑی اور بڑا بنگلہ ملا ہوا ہے نوکروں کی فوج الگ، تم تو ٹھاٹھ کرو گی ہی، تمہیں کیا ٹینشن۔"

"مجھے کیوں کوئی ٹینشن ہوگی بھلا، میں اپنا فیصلہ سنا چکی ہوں اب اس میں ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" فائقہ اس غرور کے ساتھ کہ راشد اس کی بات کسی طور نہیں ٹال سکتے کروفر سے سوچتی اندر بڑھ گئی تھی، پھر اس کے بعد سب نے اسے بہتیرا سمجھایا تھا، مگر اس کی ناں ہاں میں نہیں بدلی تھی۔

☆☆☆

عید کا چاند نظر آ گیا تھا، ویسے تو ان کے گھرانے میں کسی کو بھی روزہ رکھنے کی عادت نہیں

تھی مگر فائقہ کو راشد کی جانب سے آتی حسین و دلفریب اور بے حد قیمتی عیدی کا انتظار ضرور ہوتا تھا، چاند رات کو وہ ایک مرتبہ پھر آئے، مگر فائقہ کی بری قسمت کہ منانے پر بھی نہیں مانی، جس کے دماغ میں شک کا کیڑا ابلبلا رہا تھا۔

''دیکھو فائقہ تمہارے حقوق میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی، میں تو صرف ان بچوں کی خاطر تم سے یہ قربانی مانگ رہا ہوں، کیا تم میری خاطر یہ بھی نہیں کر سکتیں؟''

''ہاں نہیں کر سکتی، میرے لئے میری خوشی اور ضد زیادہ اہم ہے، آپ کے لئے کیوں نہیں ہے بتائیں ناں، آپ تو محبت کے دعویدار تھے، آپ چاہتے ہیں کہ میں دریہ کی جوٹھ کھانے آپ کے گھر آؤں؟'' اس نے ابرو اچکا کر براہ راست ان کی آنکھوں میں سوال کیا۔

''کیا کہہ رہی ہو فائقہ۔'' راشد سمجھ نہیں سکے۔

''اتنے عرصے سے وہ آپ کے گھر میں ہے آپ کو کیا لگتا ہے ایک جوان جہان خوبصورت بیوہ عورت اور کنوارے مرد کے درمیان شیطان نے اپنا کھیل نہیں کھیلا ہوگا؟ اور آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں اتنی گری پڑی ہوں کہ ساری زندگی اس کھیل اس چھپن چھپائی کا حصہ بنی رہوں گی؟ اور آپ......'' مگر اس سے پہلے کہ وہ مزید گوہر افشانی کرتی راشد کے اٹھتے ہاتھ نے اس کے گال پر اپنا نقش ثبت کر دیا تھا۔

''بس اب اور نہیں، اب تو تم نے میرے صبر کی حد ہی ختم کر دی فائقہ، مجھے افسوس ہے کہ میرا انتخاب تم تھیں۔'' اتنا کہہ کر وہ تو چلے گئے مگر فائقہ کو ایک نیا درد دے گئے، جاتے جاتے وہ منگنی بھی ختم کر گئے اور پلٹ کر پھر کبھی واپس بھی نہیں آئے، فائقہ کی عید ویران ہو گئی اور اس کا دل جلتا اجڑا قبرستان بن گیا، ہاں اس نے یہ خبر ضرور سنی کہ عید کے دوسرے ہی دن راشد نے دریہ بھابھی سے سادگی سے نکاح کر لیا تھا اور بچوں کی ولدیت کے خانے میں اپنا نام لکھوا کر انہیں واقعی میں ہر قسم کے دکھ اور احساس محرومی سے بچا لیا تھا، چند دن بعد فائقہ کو ایک خط ملا جو راشد کی طرف سے تھا جس پر لکھا تھا۔

''تمہارا بہت شکریہ فائقہ کہ تم نے میری آنکھیں کھول دیں، واقعی میں اگر اس روز تم وہ سب مجھے نہ کہتیں تو میں انجانے میں ایک انتہائی باکردار اور شریف عورت پر بدنامی کا سبب بن جاتا اور ایسا میں قطعاً نہیں برداشت کر سکتا کہ میری نیت اور کردار پر شک کیا جائے اسی لئے میں نے دریہ سے نکاح کر لیا تاکہ کبھی کوئی ان پر انگلی نہ اٹھا سکے، میرے دل میں تم آج بھی بستی ہو کبھی بھی پکارنا چاہو تو میں حاضر ہوں ویسے تو تم اتنی گری پڑی ہرگز نہیں کہ مجھ جیسے آدمی سے شادی کرو، بہرحال ہمیشہ خوش رہو اور مجھے تم ہمیشہ اپنا احسان مند پاؤ گی اس کے لئے تم نے میری آنکھیں کھول دیں، خدا حافظ۔''

فائقہ خط ہاتھ میں پکڑے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، مگر پھر پر سکون ہو گئی جو کچھ اس نے دریہ یا اس کے بچوں کے ساتھ کیا تھا وہ ہی ڈیزرو کرتی تھی اور خود آگہی اور خود اذیتی بھی کبھی کبھار بہت اچھی نعمت بن جاتی ہے اپنے گناہوں کا ادراک اور ذات کے احتساب کے لئے، انسان کو سنبھلنے اور مزید گناہوں سے بچنے کا موقع مل جاتا ہے۔

☆☆☆

کاش کہ
حمیرا نوشین

اس نے جلدی جلدی برتن دھوئے کچن سے ساری چیزیں سمیٹیں سلیب کپڑے سے صاف کی چولہے چیک کیے کہ کوئی بٹن نہ کھلا رہ گیا ہو اطمینان کر کے لائٹ آف کی اور کچن کا دروازہ بند کر کے کمرے میں آ کر جلدی سے لحاف میں لیٹ گئی۔

''ساری چیزیں سمیٹ دی ہیں ناں۔''

''جی امی!'' اس نے سائیڈ ٹیبل سے ہاتھ بڑھا کر لوشن اٹھایا اور ہاتھوں پر نرمی سے مساج کرنے لگی۔

''آٹا گوندھ کے فریج میں رکھ دیا ہے ورنہ پھر صبح صبح روٹی بنانے میں دیر ہو گئی تو تمہارے ابو خواہ مخواہ میری جان کو آ جائیں گے تمہیں تو کچھ کہیں گے نہیں سارا غصہ مجھ پہ نکلے گا۔'' امی ابو سے اکثر ہی شکوہ کناں نظر آتیں۔

''سب کچھ کر دیا ہے امی، آپ کی ہدایت کے مطابق کچن کو چمکا دیا ہے، یہ میری روز کی روٹین ہے یہ پھر آپ بار بار مجھے کیوں یاد دلاتی ہے۔'' عشنا نے لائٹ آف کی اور آہستہ آہستہ ان کے پاؤں دبانے شروع کر دیئے یہ بھی اس کی روٹین میں شامل تھا، جب تک ماں کے قدموں کا لمس اس کے ہاتھوں کو نہیں چھوتا تھا وہ پرسکون نیند سے عاری رہتی۔

''اس لئے تجھے بار بار کہنا پڑتا ہے کہ کل کو تو نے سسرال بھی جانا ہے آج میکے میں یہ عادتیں پختہ ہوں گی تو وہاں مشکل نہیں ہو گی ایک ذرا سی لاپروائی پر ساسوں کی سو سو باتیں سننا پڑتی ہیں پھوہڑ، جاہل کے خطاب سے الگ نوازتی ہیں ماؤں کی تربیت میں کیڑے نکالے جاتے ہیں اور ہر آئے گئے کے آگے رونا بھی ضرور روئیں گی۔''

''تو بس ہے امی آپ تو سسرال کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچتی ہیں کہ بندہ سسرال کے نام سے ہی کانپ جائے۔''

''ہاں تو تیرے بھلے کے لئے ہی سمجھاتی ہوں سسرال ہے ہی خوف کی جگہ، میرے دل سے پوچھو کیسے گزارا کیا بھری پری سسرال میں، سگی پھپھو کے گھر بیاہ کر گئی تھی وہ ناکوں چنے چبوائے کہ بھائی کے رشتے کو بھی فراموش کر بیٹھی کیسا بھائی اور کون سی بھتیجی میرے ساتھ ساتھ ابا کو آٹھ آٹھ آنسو رلائے صحیح معنوں میں سمدھن بن کر دکھایا ابا مرحوم وصیت کر کے مرے تھے کہ بھی اپنوں میں بیٹی نہ بیاہنا کہ غیر کے دیئے دکھ انسان یہ سوچ کر سہہ جاتا ہے کہ غیر ہے مگر اپنوں کے دیئے غم کلیجہ چھلنی کر دیتے ہیں اور انسان کے لئے جینا مشکل ہو جاتا ہے۔'' امی کی آنکھوں میں پتا نہیں پھپھو کے دیئے غم لو دینے لگے تھے، یا اپنے ابا کا دکھ تازہ ہو گیا تھا ان کی آواز بھرا گئی، عشنا بھی افسردہ ہو کر ان کے پاؤں چھوڑ کر ہاتھ سہلانے لگی۔

''امی کیا نانا ابو آپ سے بہت محبت کرتے تھے؟''

''کون سا باپ ایسا ہو گا جسے اپنی بیٹی سے محبت نہ ہو گی اپنے ابو کو ہی دیکھ لو چوتھی بیٹی ہونے پر بھی تمہیں آنکھوں کا تارا بنا کر رکھتے ہیں۔''

''آپ بھی تو مجھ سے ہی زیادہ پیار کرتی ہیں۔'' وہ ان سے لپٹ گئی۔

''بیٹیاں تو ہوتی ہی پیار کے قابل ہیں انہی سے تو گھر کی رونق ہے تمہاری تینوں بہنیں گھر سے کیا گئیں لگتا ہے ساری رونقیں بھی اپنے ساتھ لے گئیں گھر کیسا ویران اور اداس لگتا ہے ان کے بغیر اب تم بھی چلی جاؤ گی تو یہ پہاڑ سے دن تم بن کیسے کٹا کریں گے یہ سوچ کر ہی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔'' وہ اس کے بالوں میں ہولے ہولے انگلیاں پھیرنے لگیں تو وہ سوتی بن گئی

کیونکہ اب مزید ان کی بات سننے کا اس میں یارا نہ رہا تھا اپنے والدین کو چھوڑ کر جانے کا خیال ہی سوہان روح تھا۔

☆☆☆

جیسے ہی ابو گھر میں داخل ہوئے دروازے سے ہی اسے آواز لگائی اور اس نے جلدی سے نکل کران کے ہاتھ سے شاپر تھام لیے وہ صحن میں لگے واش بیسن پر منہ ہاتھ دھونے لگے۔

''ابو کھانا لگا دوں۔'' وہ پھلوں کو شاپر سے نکال کر باسکٹ میں رکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں بیٹا لگا دو بھوک بھی بڑی زور سے لگی ہے اور نور دین نظر نہیں آ رہا۔''

نور دین ان چار بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا نام سے لگتا تھا کہ کوئی بڑی عمر کا آدمی ہو گا نام رکھتے ہوئے امی کی ایک اپنی ہی سوچ تھی بہنوں نے کتنے ہی پیارے پیارے نام سوچے تھے مگر انہوں نے صاف کہہ دیا میرے بیٹے کا نام نور دین ہی ہو گا اللہ چاہے گا تو میرا بچہ دین کی روشنی پھیلانے کا کام کرے گا انشاء اللہ اپنے نور دین کو عالم بناؤں گی، امی کی خواہش دیکھتے ہوئے وہ سب بھی راضی ہو گئے۔

''اس کے مدرسے سے فون آیا تھا کسی دوسرے شہر سے مفتی صاحب تقریر کے لیے آ رہے ہیں اس لیے جلدی کھانا کھا کر اپنے دوست کے ساتھ چلا گیا۔''

''چلو اچھا ہے نیکی کی بات سننے سے بھی طبیعت نیکی کی طرف مائل رہتی ہے۔'' ابو مطمئن ہو گئے۔

اس نے جلدی جلدی کھانا لگایا اور تینوں خاموشی سے کھانا کھانے لگے، کھانے سے فارغ ہوئے تو ابو نے چائے کی فرمائش کر دی وہ برتن سمیٹ کر چائے بنانے چل دی اور امی ان سے دن بھر کی مصروفیت پوچھنے لگیں۔

ابو نے جیب سے چند ہزار کے نوٹ نکال کرامی کو تھمائے جو انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر تھام لیے۔

''کام تو ٹھیک چل رہا ہے ناں غفار۔''

''رب کا بڑا کرم ہے اپنی بیٹیوں کے نصیب سے اس نے رزق کے دروازے کھول رکھے ہیں ہم پر۔'' وہ عشنا کے ہاتھ سے چائے لیتے ہوئے بولے۔

''بیٹا جاؤ اپنی امی کے لیے پھل کاٹ کر لے آؤ وہ جانتے تھے کہ امی چائے نہیں پیتیں۔'' وہ جلدی سے پھل کاٹنے کے لیے اٹھی تو امی نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

''ابھی میرا جی نہیں چاہ رہا۔''

''ارے نیک بخت کھا لے بعد میں بھی تو گلا کر کھاؤ گی۔'' اور یہ بات سنتے ہی امی کو پتنگے لگ گئے۔

''ہاں گلا کر ہی کھاؤں گی ساری عمر تمہاری ماں نے مجھے گلے سڑے پھل ہی دیئے کھانے کو تو اب یہ تازہ پھل میرے حلق سے کیسے اتریں گے۔'' امی کا دکھڑا شروع ہو گیا اور ابو ہنستے ہوئے بولے۔

''اب تو بخش دو ہماری مرحومہ ماں کو، جب تم ساس بنو گی تو دیکھوں گا کتنی اپنائیت اور چاہت کا سلوک کرو گی اپنی بہو کے ساتھ۔''

''ہاں زندہ رہی تو دکھاؤں گی بیٹیوں سے بڑھ کر چاہوں گی صرف زبانی کلامی نہیں کہہ رہی عملاً کر کے دکھاؤں گی۔'' امی سینے پر ہاتھ مار کے بولیں۔

''تمہاری ماں کی طرح کولہو کا بیل بنا کر نہ رکھوں گی آزادی سے جینے کا حق دوں گی۔'' ابو کے ماتھے پر ہلکی سی شکنیں ابھر آئیں۔

اس سے پہلے کہ بحث طول پکڑتی اس نے ابو کو عشاء کی اذان کی طرف متوجہ کیا اور وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے وضو کرنے چل دیئے اس کی ہنسی نکل گئی، ان دونوں کے درمیان ہلکی پھلکی نوک جھونک چلتی ہی رہتی تھی مگر دونوں ایک دوسرے کا خیال بھی بہت رکھتے تھے۔

☆☆☆

''ہائے بھئی آج کی شاپنگ نے تو بہت تھکا دیا۔'' حرا باجی نے شاپر کارپٹ پر پھینکے اور خود صوفے پر دراز ہو گئیں۔

''عشنا جلدی سے بہن کے لئے پانی لے آ۔'' امی لاؤنج سے ہی پکاریں اور وہ جھٹ سے پانی کا گلاس لے آئی۔

''تھکی ہوئی تو میں بھی ہوں حرا باجی مگر آپ تو ایسے ظاہر کر رہی ہیں جیسے اکیلی ہی شاپنگ کر کے آئی ہیں۔'' حرا سے چھوٹی نمرا نے شکوہ کیا۔

''ارے میری بہن تم تو جوان چھڑی چھانٹ ہو، ابھی سے تمہیں کیوں تھکن ستانے لگی میں چار بچوں کی ماں مجھ میں اب تمہاری جیسی سکت کہاں۔'' وہ پانی پی کر گلاس عشنا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں نمرا کی شادی کو تین سال ہو گئے تھے اور ابھی کوئی بچہ بھی نہ تھا۔

''صحیح تو کہہ رہی ہے سارا دن گھر کے کاموں میں نوکروں کی طرح جتی رہتی ہے جوان نندیں ہل کے پانی تک نہیں پیتیں میری پھول سی بچی کملا کے رہ گئی ہے۔'' امی کی محبت امڈ کر آئی اور فوراً ان کا سر دبانے لگیں حرا باجی نے فوراً ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے۔

''گناہگار نہ کیا کریں آپ چھوڑیں یہ دیکھیں کتنے خوبصورت سوٹ خریدے ہیں عشنا کی سسرال والوں کے۔'' وہ ایک ایک کر کے سوٹ نکال کر دکھانے لگیں وہ بھی اشتیاق سے دیکھنے لگی سوٹ واقعی بہت خوبصورت تھے۔

''یہ دیکھیں ساس کا جوڑا کتنا پیارا ہے کیسی نفیس ایمبرائیڈری ہو رہی ہے۔'' نمرا نے ایک سوٹ نکال کر امی کے ہاتھ میں تھمایا وہ جوڑا ہاتھ میں لے کر خاموش سی ہو گئیں۔

''کیا بات ہے امی سوٹ پسند نہیں آئے۔''

''ارے نہیں بیٹا سوٹ سارے ہی بہت پیارے ہیں بس اللہ کرے اس کی سسرال والوں کو پسند آ جائیں۔'' انہوں نے عشنا کی طرف دیکھا۔

''ارے واہ کیوں پسند نہیں آئیں گے کوئی بھی سوٹ تین ساڑھے تین ہزار سے کم کا نہیں ہے، رنگ، ڈیزائن، کڑھائی ہر چیز منفرد ہے۔'' نمرا تنک کر بولی۔

''چلو آج تم دونوں بہنوں نے یہ کام بھی مکمل کر دیا اللہ تمہیں اپنے گھروں میں آباد اور خوش رکھے اللہ میری عشنا کو بھی ڈھیر ساری خوشیاں دے۔'' امی آبدیدہ ہو گئیں۔

''آپ خدشات کو ذہن سے جھٹک دیں بس اللہ سے اس کے اچھے نصیب کی دعا کیا کریں ماؤں کی دعائیں اللہ ضرور سنتا ہے۔'' حرا باجی نے ان کو تسلی دی۔

''عشنا چلو اٹھو جلدی سے کھانا لگائیں قسم سے پیٹ میں چوہوں کی بڑی زبردست ریس شروع ہو چکی ہے۔'' نمرا نے عشنا کو ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور دونوں بہنیں کھانا لگانے چل دیں۔

☆☆☆

شادی کی ڈیٹ فکس ہوتے ہی تیاریاں بھی عروج پر پہنچ گئیں تینوں بہنیں خوب دل سے اپنی سب سے چھوٹی لاڈلی بہن کی شادی کی تیاری کر رہی تھیں وہ تھی ہی ایسی ہر ایک کا خیال رکھنے والی

ہمدرد، پرخلوص، بھانجا بھانجیوں میں تو اس کی جان تھی کوئی بھی بہن میکے آجاتی خوب خدمت کرتی ان کے بچے سنبھالتی اور وہ اسے دعائیں دیتے نہ تھکتی، بہنوئیوں کی بھی خوب دل سے عزت کرتی اور وہ تینوں بھی اس سے بہت خوش تھے امی بار بار اسے اپنے ساتھ لپٹاتیں، نصیحت کرتیں صبر وشکر کے ساتھ سسرال میں رہنے کی تلقین کرتی اور وہ چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہتی ماں باپ سے جدائی کا خیال اس کی آنکھوں کو پانیوں سے بھر دیتا اور چھوٹا بھائی نور دین وہ تو باقاعدہ اس کے گلے لگ کے رونا شروع کر دیتا۔

''عشنا آپی میرا آپ کے بغیر دل کیسے لگے گا میرے کپڑے کون پریس کرے گا اور میرے دوستوں کو اتنے مزے مزے کے کھانے کون بنا کر کھلائے گا۔'' ایسی باتیں سن کر وہ اداس ہو جاتی۔

''تمہاری پڑھائی مکمل ہونے میں صرف دو سال باقی رہ گئے ہیں ماشاء اللہ پھر تو تم عالم بن جاؤ گے اور امی فوراً ہی تمہارے سر پر بھی سہرا سجا دیں گی بس پھر تنہائی ختم اور ہر سال بچوں کی انٹری شروع کیونکہ مولانا صاحب فیملی پلاننگ کے حق میں تو ہونے سے رہے۔'' عروج نے اس کے شرارت سے بال بکھیرے تو وہ جھینپ گیا اور سب ہنس پڑے اسی طرح ہنستے گاتے آنسو بہاتے وہ دن بھی آگیا جب باپ کے گھر کی دہلیز پار کر کے اپنے مجازی خدا کے گھر کو رونق بخشنی تھی باپ کے کندھے بیٹی کی جدائی پر جھک گئے چہرے پہ صدیوں کی تھکن اتر آئی جیسے آج چوتھی بیٹی بھی وداع کر کے اپنا سب کچھ ہار دیا ہو نفع و نقصان کی پروا کیے بغیر کل جمع پونجی لٹادی ہو بھائی کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے بہنوں کے ہاتھ اور ماں کے کانپتے لب مسلسل اس کی خوشیوں کے لئے دعا کر رہے تھے اور وہ روتے سسکتے ماں باپ کو چھوڑ کر بہتے آنسوؤں کے ساتھ اپنے اصل گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔

وہ بیاہ کر فیصل آباد جا رہی تھی جو اس کے شہر سے چار گھنٹے کی مسافت پر تھا۔

''ارے بھئی فائزہ اسے کسی طرح چپ کرواؤ مجھے تو خفقان ہونے لگا ہے اللہ معاف کرے ماں باپ ایسے بلک رہے تھے جیسے پہلی بار کسی بیٹی کو رخصت کیا ہو انہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ اپنے چاروں فرضوں سے سبکدوش ہو گئے بھائی ایک طرف اشکوں کی برسات لئے کھڑا ہے تو بہنوں کی آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگی ہوئی ہے تو یہ لگتا تھا کہ آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا ہو۔'' قدرے ناگواری سے بولتی ساس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو اس کی ہچکیوں کو بریک لگ گئے اور باقی کا سفر وہ خاموشی سے گزارنے پہ مجبور ہوگئی مگر اب آنسو اس کے دامن پر نہیں اس کے دل پر گر رہے تھے۔

☆☆☆

شادی کے ایک ماہ بعد ہی اسے اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا کہ ماؤں کے تجربات کچھ غلط نہیں ہوتے واقعی سسرال میں ہر لمحہ کانپتے ہوئے ہی گزرتا ہے کہ خدا جانے کب کس بات پر قہر نازل ہو جائے اس کی سسرال والوں نے منگنی کے عرصہ کے دوران جو شرافت ومحبت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا ایکدم ہی اتار کے دریا برد کر دیا لگتا ہی نہ تھا کہ یہ وہی ساس نندیں ہیں جو واری صدقے ہوتی تھیں جن کے منہ سے باتیں کرتے پھول جھڑتے تھے اور وہ ان کی مومنہ صورتیں دیکھ کر دل سے ہر خدشے کو جھٹک دیتی تھی اور تصور میں ایک مشفق ماں، پیار لٹاتی نندیں دیکھتی اور خوش بختی پہ نازاں ہوتی مگر یہاں تو الٹی گنگا بہہ رہی تھی وہ کہتے ہیں

ناں'' ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور'' ان کے اس دوغلے پن اور منافقانہ رویے پر اس کا دل کڑھ کے رہ جاتا، صبح سے شام تک کاموں میں ایسی غرق ہوتی کہ اپنا ہوش ہی نہ ہوتا شوہر سے بھی شکوہ بے کار تھا کیونکہ اس نے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا، ''مجھے یہ ساس بہو کے جھگڑے سے ذرا دور ہی رکھنا''

امی اور بہنوں کے فون آتے تو جلدی سے بات کر کے بند کر دیتی اور وہ یہی شکوہ کرتیں کہ ''کبھی دو گھڑی فرصت سے بات بھی کر لیا کرو'' کیا بتاتی ان کو'' کہ فرصت ہو تو بات کروں'' ایک کے بعد دوسرا کام تیار ہوتا ویسے بھی جب وہ فون سن رہی ہوتی نندیں دروازے سے کان لگائے کھڑی ہوتیں ایسے حالات میں وہ ان سے کیا باتیں کرتی ''تو ٹھیک تو ہے ناں گڑیا سب تیرے ساتھ صحیح رہ رہے ہیں ناں'' ایک دن حرا باجی نے پوچھ ہی لیا اور وہ جھٹ سے بولی۔

''میں بہت خوش ہوں باجی سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔'' اس نے آنسوؤں کی نمی کو اپنے اندر اتارا۔

''اللہ تمہیں خوش رکھے۔'' وہ مطمئن سی ہو گئیں۔

☆☆☆

آج کل وہ امی کے گھر رہنے آئی ہوئی تھی اور ابو بھائی سب اس کا بے حد خیال رکھ رہے تھے میکے آ کر احساس ہو کہ آزادی کیا چیز ہوتی ہے مرضی کی سانسیں کیسے لی جاتی ہیں بہنیں ایک شہر میں ہونے کی وجہ سے روز ملنے آ جاتیں اور گھر میں خوب رونق ہو جاتی۔

''سچ بتانا عشنا سب کا رویہ تیرے ساتھ ٹھیک تو ہے۔'' امی کھوجتی نظروں سے پوچھتیں تو وہ اثبات میں سر ہلا دیتی۔

''تو اتنی کمزور کیوں ہو گئی ہے عدنان بیٹا تو تمہارا خیال رکھتا ہے ناں۔'' انہوں نے پھر سے سوال داغا۔

''سب بہت اچھے ہیں عدنان بھی میرا خیال رکھتے ہیں بس آپ کی دوری مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔'' اس نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے اور امی نے فسردہ سی ہو کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

صبح سے اس کی طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی اور سر بھی چکرا رہا تھا امی نے جب اس کی یہ کیفیت دیکھی تو فوراً حرا باجی کو فون کر کے بلا لیا اور ان کے ساتھ ڈاکٹر کے روانہ کیا وہیں ڈاکٹر کی زبانی یہ خوشخبری سننے کو ملی کہ وہ ماں کے رتبے پہ فائز ہونے والی ہے شادی کے بعد جس خبر نے پہلی بار اس کے لبوں پہ مسکراہٹ کے پھول بکھیرے تھے وہ یہی خبر تھے ماں بننا عورت کی اولین خواہش بھی ہوتی ہے اور خوش نصیبی بھی، چند دن امی کے گھر رہنے کے بعد وہ عدنان کے ہمراہ اپنے گھر آ گئی، ماں نے بے تحاشا چیزیں اور دعائیں دے کر رخصت کیا تھا، شوہر کو جب یہ خبر سنائی تو اچھا کہہ کر خاموش ہو گئے نہ خوشی کا تاثر اور نہ ہی کوئی خوش آئندہ بات ساس نندیں حتیٰ کہ سسر نے بھی اس خبر پہ کوئی خاص تاثر نہ دیا اور وہ ان کے اس رویے پر حیران رہ گئی کہ دادا دادی بننے کی خوشی ان کے چہروں سے کیوں ظاہر نہیں ہوتی۔

اس خبر کے بعد بھی ان کے رویوں میں کوئی فرق نہ آیا تھا ساس بیماری کا بہانہ بنا کر لیٹ جاتیں نندوں کو ٹی وی ڈراموں سے ہی فرصت نہ تھی ویسے بھی ان کو کوئی کام کہہ دینا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مساوی تھا اس کی طبیعت میں ہر وقت کسلمندی رہتی، نیند کا غلبہ رہتا مگر کیسا آرام اور کہاں کی نیند، ہاں اتنا فرق ضرور پڑا تھا

کہ عدنان کچھ خیال کر لیتے تھے کبھی کبھار چوری چھپے کوئی کھانے کی چیز بھی لے آتے سر عام تو بیوی کے لئے کچھ لانے کی اجازت نہ تھی دستر خوان ایک بار لگتا کسی کو بھوک ہے یا نہیں کھانا ہے تو کھائے ورنہ بھاڑ میں جائے کچن کو تالا لگا دیا جاتا جو کہ شام کو ہی کھلتا وہ اس گھٹیا پن پہ حیران و پریشان ہوتی کہ کیا سسرال میں کھانے پینے کی بھی آزادی چھن جاتی ہے، پیٹ بھر کر روٹی بھی نصیب میں نہیں ہوتی اور اس کی طبیعت ایسی ہو رہی تھی کہ جب کھانا سامنے ہوتا تو دیکھنے کو بھی دل نہ کرتا اور بعد میں بھوک ستاتی تو کچھ کھانے کو نہ ملتا شرمندگی سے خاموش رہتی پیٹ میں بل پڑ جاتے۔

آج تو ڈھیٹ بن کر ساس سے کچن کی چابی مانگ ہی لی جو ناگواری سے ہاتھ میں اس طرح پکڑائی کہ وہ شرم سے زمین میں گڑ گئی، کچن کھول کر اس نے جلدی جلدی وہیں پر بڑے بڑے نوالے کھانے شروع کر دیئے شکر ہے ہاٹ پاٹ میں روٹی موجود تھی وہ بری طرح کھانے میں مصروف تھی کہ فائزہ ایکدم کچن میں داخل ہوئی۔

''توبہ ہے پتا نہیں لوگ کیسے چار چار ٹائم کھا لیتے ہیں اور کھایا پیا نظر تک نہیں آتا۔'' اس نے عشنا کی پتلی جسامت پر طنز کیا اور نوالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا حلق میں آنسوؤں کا پھندا بن گیا اور وہ چپ چاپ کچن سے باہر نکل آئی کمرے میں آکر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''تو عشنا صاحبہ یہ ہے تمہاری سسرال میں اوقات کہ نوالے بھی گنے جاتے ہیں۔'' امی کی باتیں کتنی سچ ثابت ہوئی تھیں، وہ جب بھی سسرال کا ذکر شکوؤں میں کرتیں تو وہ اکثر مبالغہ آرائی کا نام دے دیتی مگر اب اندازہ ہو رہا تھا کہ سسرال والے کسی حد تک بھی گر سکتے ہیں۔

☆☆☆

سسرال میں اس کی پہلی شب برات تھی اور ساس نے پہلے ہی سنانا شروع کر دیا۔

''فلاں کے بہو اتنے من شب برات لے کر آئی تھی پتا نہیں بہو کے میکے والے کیا لے کر آئیں گے کہیں ہماری ناک ہی نہ کٹ جائے اگر شاپروں میں شب برات کا سامان لے کر آگئے۔''

''اماں کچھ اچھی امید نہ رکھو بھابھی کے گھر والوں سے شادی پہ دیکھا تھا کیسا کھانا دیا تھا کسی کو بھی پسند نہیں آیا تھا کیسی ہنسی اڑی تھی ہماری۔'' نند نے لقمہ دیا۔

وہ چپ چاپ کچن میں کام کرتی رہی اور ان کی باتیں سن کر جھلستی رہی ایسی ہی سماعتوں کو چھید دینے والی باتیں کانوں سے ٹکراتیں رہتیں اور وہ ضبط کی تصویر بنی کاموں میں الجھی رہتی ابو نے شادی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی بہت شاندار انتظام کیا گیا تھا کئی ڈشز بنوائی گئی تھیں اور کھانا بھی بہت لذیذ تھا ہر ایک نے تعریف کی تھی، دیکھنے والوں نے یہی کہا لگتا نہیں ہے غفار کی چوتھی بیٹی کی شادی ہے یوں لگ رہا ہے پہلی بیٹی بیاہ رہا ہے، جہیز میں کون سی ایسی چیز تھی جو اسے نہ دی گئی ہو اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں تھیں مگر اس میں بھی کیڑے نکالے جاتے چیزوں کو حقارت سے دیکھا جاتا۔

''اماں صوفہ دیکھنا ذرا کیا دھان پان سا ہے اسے تو اٹھا کے سائیڈ پہ رکھوا دو ذرا سا کوئی صحت مند بیٹھا اور یہ تڑاخ سے ٹوٹا کہیں بے عزتی ہی نہ ہو جائے۔'' چھوٹی نند صوفے پر بیٹھ کر جانچتی ہوئی بولی اور وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

☆☆☆

وقت تیزی سے گزر رہا تھا ماں کی نصیحتیں جو

کر رہ میں باندھی تھیں چاہتے ہوئے بھی نہ کھول پائی وہ ماں کو شرمندہ نہیں کروانا چاہتی تھی، ان کی تربیت پر حرف آئے وہ یہ کسی طور گوارا نہیں کر سکتی تھی، ہر ظلم، زیادتی، چپ چاپ برداشت کرتی چلی گئی، ساتواں مہینہ شروع ہوتے ہی ایک نیا شوشا ساس نے چھوڑ دیا۔

''بہو میکے والوں کو خبر کر دو کہ ہم ستوانسہ لگا رہے ہیں۔''

''مگر امی یہ تو ہندووانہ رسم ہے اب کون یہ رسمیں کرتا ہے اور اچھا بھی نہیں لگتا۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

''ارے واہ کیوں اچھا نہیں لگتا میرے بچے کی پہلی خوشی ہے میں تو ضرور کروں گی اور ہاں میں بتا دوں گی کہ اس رسم میں کیا کچھ لے کر آتے ہیں میں کہے دیتی ہوں اماں سے کہہ دینا کسی چیز کی کوئی کمی نہ ہو سارے رشتہ دار اکٹھے ہونگے میری سبکی نہ کروا دینا سوا من مٹھائی سے کم بات نہیں چلے گی، ساس سسر کے جوڑے، شوہر کا سوٹ جوتوں بنیان جراب سمیت۔'' اور پتا نہیں وہ کیا کیا فہرست بنا رہی تھیں وہ چکرا کر رہ گئی۔

''میرے اللہ میرا باپ کیا اسی طرح لٹتا رہے گا، بوڑھے و ناتواں کندھے بیٹیوں کے سسرال والوں کی فرمائشیں پوری کرتے اب تو جھک سے گئے تھے۔''

شوہر سے جب اس کا ذکر کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر کنارہ کشی اختیار کر لی۔

''بھئی مجھے تو تم ان معاملات میں نہ گھسیٹو یہ تم عورتوں کا معاملہ ہے اماں جو بہتر سمجھتی ہیں وہی کریں گی۔'' اور وہ ان کی بات سن کر سر تھام کر رہ گئی۔

ستوانے کی رسم پر اسے اپنی امی کے ساتھ بھیج دیا گیا اور وہ دل میں شکر ادا کرنے لگی کہ جسمانی و ذہنی اذیت اٹھاتے اٹھاتے اب وہ تھک چکی تھی اگر کچھ دن اور یہاں رہتی تو دماغ کی رگیں ہی پھٹ جاتیں، امی صبح سے شام تک اس کے کھانے پینے اور آرام کا خیال رکھتیں، ابو نے اس کی شادی کے بعد ایک مستقل ملازمہ رکھی لی تھی تاکہ امی کو کام کو کسی قسم کی دشواری نہ ہو اپنا گھر اسے جنت کا ایک ٹکڑا لگتا۔

جہاں پر ممتا لٹاتی ماں، محبت سے لبریز باپ کا کشادہ سینہ اور بہن بھائی کی چاہتیں یہاں آ کر وہ اپنے آپ کو ایک زندہ وجود محسوس کرنے لگی میرا بچہ میری خوشیوں کا محور یقیناً اس کے آنے سے میرے سارے غم و کلفتیں راحتوں میں بدل جائیں گی امی نے اس کے بچے کے لئے ڈھیروں ڈھیر چیزیں خریدنی شروع کر دیں اور وہ خواہ مخواہ شرمندگی محسوس کرتی رہتی کہ آخر یہ کب تک دینے کا سلسلہ چلتا رہے گا، عدنان کا اکثر فون آ جاتا اس کی خیریت دریافت کرتے اور وہ اسی میں خوش ہو جاتی، کل رات سے اسے بخار ہو رہا تھا طبیعت بھی عجیب سی خراب ہو رہی تھی اس کی حالت کے پیش نظر حرا باجی اسے ڈاکٹر کے لے گئیں جہاں انہوں نے چیک اپ کے بعد فوراً ایڈمٹ کر لیا کیونکہ اس کی کنڈیشنڈ کچھ ایسی پیچیدہ ہو رہی تھی کہ انہوں نے فوری آپریشن کی تیاری شروع کر دی، اس کے سسرال والوں کو مطلع کر دیا گیا، ابو صدقہ و خیرات کرنے میں مصروف ہو گئے، امی کے وظیفے شروع ہو گئے اور بہنیں عشنا کو تسلی دینے لگیں اور وہ وسوسے و واہمے لئے آپریشن تھیٹر میں داخل ہو گئی۔

☆☆☆

اسے اپنے آس پاس ڈھیروں لوگوں کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا کچھ عجیب سا شور شرابا تھا عدنان اور ان کی امی کی باتوں کی آوازیں اس

کے کانوں سے ٹکرائیں تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور امی کو اپنے پاس کھڑا ہوا پایا، سامنے ہی بینچ پر ساس گود میں بچہ لئے بیٹھی تھیں اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر عدنان بھی اس کے پاس چلے آئے۔

''میں..... میں کہاں ہوں امی؟''

''بیٹا تم ہاسپٹل میں ہو میرے رب نے تمہیں چاند سی بیٹی عطا کی ہے۔'' امی نے اس کا ماتھا چوم لیا اور عدنان بھی اس کا ہاتھ پکڑ کر مسکرا دیئے مگر اس کے ہونٹ بیٹی کا لفظ سن کر خشک ہو گئے پورے جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہو گئی۔

''بیٹی...... بیٹی میرے بیٹی ہوئی ہے مگر مجھے تو بیٹی نہیں چاہیے تھی میں بیٹی کی ماں کیوں بنی۔'' شکوہ اس کے لبوں پہ مچلا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو بیٹی تو خدا کی طرف سے تحفہ ہے رحمت آئی ہے تمہارے گھر میں۔'' امی قدرے برہم ہوئیں۔

''ہاں میں جانتی ہوں کہ میری جھولی میرے اللہ نے رحمت سے بھر دی ہے مگر عدنان ہم بیٹی کو پال پوس کر اچھی تربیت و تمام خواہشات پوری کر کے جب اسے اپنے گھر سے رخصت کریں گے تو ہم کیسے اس کی جدائی کا صدمہ برداشت کریں گے، اللہ نہ کرے اگر میری بیٹی بھی میرے جیسا نصیب لے کر پیدا ہوئی تو اس کے دکھوں کی اذیت تو ہمارا دل چیر دے گی، اسے شکم سیری بھی نصیب نہ ہوئی تو نوالے تو ہمارے حلق میں ہی اٹک جائیں گے، تم اپنی بیٹی کو دنیا کی ہر نعمت دے کر بھیجو گے اور اس کے سسرال والے پھر بھی اسے چین سے نہ جینے دیں تو تم کیسے سکون کی نیند سو سکو گے۔'' وہ ہذیانی انداز میں عدنان کا گریبان پکڑ کر چیختے ہوئے بولتی جا رہی تھی، عدنان نے ندامت سے گردن جھکا لی تھی اور ساس اس سے نظریں چرا کر بچی کو پیار کرنے لگیں، امی اس کے دکھوں سے باخبر ہو کر سسکیاں لے رہی تھیں اور عشنا کی آنکھوں سے تواتر سے بہتے اشک تکیے میں جذب ہوتے جا رہے تھے آج اسے احساس ہوا کہ بیٹیوں کی مائیں بیٹی کی پیدائش پر کیوں بجھ سی جاتی ہیں اور دل میں کہیں یہ خواہش ضرور سر پٹک رہی ہوتی ہے ''کہ کاش میں بیٹے کی ماں بنتی'' اے کہ کاش۔

☆☆☆

"حیدر پلیز رکیں، میری بات سنیں۔"
زویا نے دور جاتے حیدر کو آواز دے کر پکارا اور تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اترتی اس کے قریب آن رکی۔
"میں کب سے آپ کو آواز دے رہی ہوں مگر آپ جانے کن خیالوں میں گم چلتے ہی جا رہے ہیں۔" پھولی ہوئی سانسوں میں زویا نے بات مکمل کی۔
"کوئی کام تھا کیا؟" حیدر نے زویا کے خوبصورت چہرے سے نظر ہٹا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"نہیں میں آپ کے پاس کسی کام سے نہیں آئی بلکہ یہ کارڈ دینے آئی ہوں۔" زویا نے جواب دیتے ہوئے ایک کارڈ حیدر کی جانب بڑھایا کارڈ تھام کر حیدر نے سوالیہ نگاہوں سے زویا کو دیکھا۔
"کھول کر دیکھ لیں۔" زویا نے اس کی نگاہوں کو پڑھ کر جواب دیا کارڈ کھول کر پڑھتے ہی حیدر کو لگا جیسے زمین گھومنے لگی ہو آس پاس کی ہر چیز چکراتی لگ رہی تھی، اس وقت حیدر کو پتہ چلا کھو دینے کا ملال کیسا ہوتا ہے۔
"تمہاری منگنی ہو رہی ہے کب؟ کیسے؟ کیوں؟ میرا مطلب ہے یہ سب اتنی جلدی ابھی تو ہمارے فائنل ایگزیم بھی نہیں ہوئے۔" حیدر کو بات کرنا اس وقت دنیا کا مشکل کام لگ رہا تھا۔
"بس اچانک سب طے ہو گیا اپنی ویز منگنی کا ٹائم اور جگہ کارڈ پر درج ہے اب پہنچ جانا بلکہ کچھ دیر پہلے آنا۔" زویا اس کے تاثرات سے لطف اٹھاتے ہوئے بولی۔
"کیوں اگر میں نہ آیا تو کیا آپ کی منگنی نہیں ہو گی؟" حیدر نے غضب ناک تاثرات سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا جو اس کی پسندیدگی جان کر بھی انجان بن رہی تھی۔
"نہیں منگنی تو ہو ہی جائے گی آپ کے بغیر بھی لیکن آپ کو آنا ہے ہی اور جلدی اس لئے کہ میں چاہتی ہوں کہ جب میں دلہن بنوں تو سب سے پہلے آپ مجھے دیکھیں۔" زویا نے سکون سے جواب دیا۔
"کیوں؟ اصولاً تو آپ کے والدین اور دوست ہی آپ کو دیکھیں گے یا پھر آپ کے نام نہاد منگیتر۔" حیدر نے کلستے ہوئے جواب دیا۔
"منگیتر نہیں ہونے والا منگیتر۔" زویا نے تصحیح کی۔
"آپ کو یاد ہے آپ نے ایک بار پوچھا تھا کہ میں دوسری لڑکیوں کی طرح تیار کیوں نہیں ہوتی ہمیشہ سادہ کیوں تیار ہوتی ہوں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ جلدی آیئے گا پھر آپ بتانا کہ میں کیسی لگ رہی ہوں آفٹر آل آپ دوستوں کی رائے میرے لئے ضروری ہے۔" زویا نے اچھی خاصی وضاحت کر دی دوسری طرف حیدر کڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ "جب منگنی کی بات چل رہی تھی تب تو رائے نہیں مانگی اب دلہن بننے کے بعد رائے چاہیے۔)
"کیا سوچ رہے ہیں حیدر؟" زویا نے کھوئے کھوئے حیدر سے پوچھا۔
"وہ مجھے اس دن ضروری کام ہے اس لئے

میں آپ کی منگنی میں شریک نہیں ہوسکتا آئی ایم سوری۔"

"نہیں حیدر بہانے مت کریں آپ کو آنا ہے اور میں جانتی ہوں کہ آپ آئیں گے تو اوکے اب ہم منگنی والے دن ملیں گے اور پھر کہہ رہی ہوں آپ کو آنا ہی ہے۔" زویا جاتے ہوئے دوبارہ مڑی اور استحقاق بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔
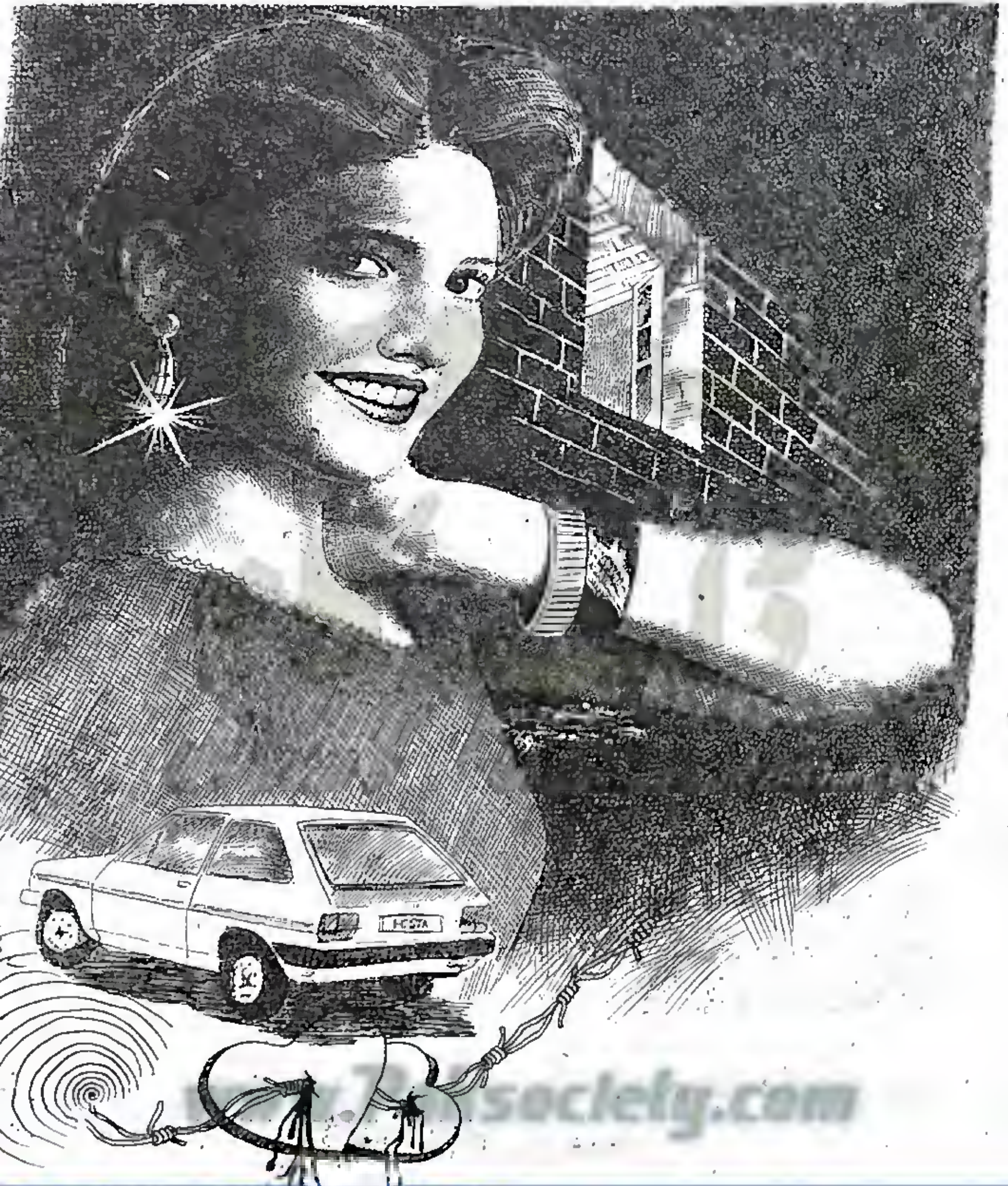
''آخر آپ میری بات کیسے ٹالیں گے۔''

''آپ نے ٹھیک کہا زویا میں واقعی آپ کی بات نہیں ٹال سکتا کاش کہ میں آپ کی بات رد کر سکتا آپ کو کسی اور کا ہوتا دیکھنا کتنا اذیت ناک ہوگا میرے لئے۔'' حیدر شکستہ قدموں سے سوچتا ہوا گیٹ کی جانب بڑھا۔

☆☆☆

زویا اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے اس کا تعلق اپر کلاس سے ہے لیکن والدین کی طرح مخلص، ہمدرد اور بے ریا تھی اس کے برعکس حیدر کا تعلق مڈل کلاس سے ہے اور اس کا ایک چھوٹا بھائی اور بہن ہے زویا کی طرح حیدر کے والدین بھی بے حد اچھے تھے مہنگائی کے اس دور میں فضول خرچی سے منہ موڑ کر اپنے بچوں کی پرورش میں مگن ہیں زویا اور حیدر ایم بی اے کے فائنل ائیر میں تھے اور دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو بتانے کی نوبت نہیں آئی زویا مشرقی لڑکی ہوتے ہوئے خود سے پہل کرنا نہیں چاہتی اور حیدر خود کو زویا کے شایان شان نہیں پاتا تھا دونوں کے اسٹینڈرڈ میں زمین آسمان کا فرق اسے روکے ہوئے تھا اور دوسری وجہ سے کہ بڑا بیٹا ہونے کے ناطے والدین کی امیدوں اور خوابوں کو پورا کرنا اس کا پہلا فرض ہے یہی سوچ اسے زویا سے بات کرنے سے منع کرتی ہے دونوں کی پسندیدگی کا ان کے دوستوں کو تو تھا مگر اظہار کرنے والے خاموش تھے سو اسی لئے یہ اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھ سکا۔

☆☆☆

''یار آج زویا اور حیدر کو دیکھا کیسی شکلیں لٹک گئی تھیں دونوں کی۔'' حیدر اور زویا کے تمام دوست دائرہ کی شکل میں بیٹھے گفتگو میں مصروف ہیں اور یہ ان کے دوست علی کا خیال ہے۔

''ہاں بات تو ٹھیک ہے لیکن غلطی حیدر کی ہے اس نے زویا کو اپنی پسندیدگی کا نہیں بتایا اج جب میں اسے زویا کے پروپوزل کا بتایا تو اس کا رنگ ہی اڑ گیا تھا اور زویا نے جا کر منگنی کا انویٹیشن بھی دے دیا اسے ڈبل شاک لگا ہے۔'' علینہ نے بھی گفتگو میں حصہ ڈالا۔

''ڈبل شاک کیسے؟'' علی نے نوٹس کاپی کرتے ہوئے پوچھا، جو آج دو دن بعد آیا تھا۔

''ڈبل شاک یوں کہ حیدر بیماری کی وجہ سے نہیں سکا آج جب یونیورسٹی آیا تو آج میں نے زویا کے پروپوزل کا بتا دیا کہ شاید آج ہی کچھ کہہ دے مگر اس سے پہلے ہی زویا نے سب کو انویٹیشن کارڈ دے دیا حیدر کا دل ہی ٹوٹ گیا تھا اور وہ گھر چلا گیا۔''

''بھئی یہ زویا کے ساتھ چٹ رشتہ پٹ منگنی والی بات ہوگئی۔'' علی نے کہاوت کو الٹا کر کے بولا۔

''ابے! چٹ منگنی پٹ بیاہ یہ ہے درست کہاوت۔'' ارسلان نے تصحیح کرنا ضروری سمجھا۔

''لیکن اپنی زویا کی منگنی ہو رہی ہے بیاہ نہیں ہو رہا گھونچو۔'' علی نے اپنا نکتہ نظر بیان کیا۔

''فضول باتیں چھوڑو کیا ہمیں اپنے دوستوں کے لئے کچھ کرنا نہیں چاہیے جس سے وہ پہلے کی طرح ہنسیں بولیں اور خوش رہیں۔'' ہمیشہ سے زویا اور حیدر کو ایک ساتھ دیکھنے کی متمنی زویا کی قریبی دوست مریم نے استفسار کیا۔

''ہاں یار میں بھی مریم کے ساتھ ہوں ہمیں کچھ کرنا چاہیے لیکن زویا کی منگنی ہو رہی ہے اور حیدر بھی کچھ نہیں کہے گا چاہے اب زویا کی شادی ہی ہو جائے۔'' علی بھی بولا۔

''منگنی ہی ہو رہی ہے ٹوٹ بھی سکتی ہے ان

چاہے رشتہ سے بہتر ہے کہ منگنی ٹوٹ جائے بلکہ ہم کچھ ایسا کرتے ہیں کہ حیدر بھی بولے اور زویا کی فیملی کو شرمندگی بھی نہ اٹھانی پڑے اور......"

"لیکن ہم ایسا کریں کیا جس سے بغیر کسی نقصان کے گھر والے بھی راضی ہو جائے اور وہ خود بھی۔" صدا کی جلد باز علینہ نے ارسلان کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"میرے پاس ایک پلان ہے۔" ارسلان نے بگ باس کا چارج سنبھالا اور چاروں سر جوڑ کر کھسر پھسر کرنے لگے۔

☆☆☆

"بھائی آپ کی دوست کی منگنی ہے آپ نے کوئی تیاری نہیں کی اور نہ گفٹ لیا ہے ان کے لئے۔" عائشہ نے پوچھا۔

"گڑیا میرے سر میں درد ہے پلیز مجھے سونے دو۔" حیدر نے التجا کی۔

"پر بھائی!"

"گڑیا ایک بار کہا نا جاؤ اپنا کام کرو اور مجھے ڈسٹرب مت کرو۔" حیدر نے لاڈلی بہن کو ڈانٹ کر بھگا دیا اور پھر سے سوچنے لگا۔

"جن سوالوں سے گھبرا کر گھر آیا ہوں وہ یہاں بھی موجود ہیں خوامخواہ گڑیا پر غصہ نکال دیا اور یہ میرے دوست پتا نہیں کہاں غائب ہیں چلو علینہ اور مریم تو زویا کے ساتھ ہوں گی علی اور ارسلان کہاں ہیں؟ کیسے دوست ہیں دوست کے درد کو جانتے ہوئے بھی میرے ساتھ نہیں۔" سوچوں میں کھوئے کب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوئی اسے پتہ نہ چلا۔

☆☆☆

"بیٹا کہاں جا رہے ہو؟ زویا کی منگنی میں نہیں جانا؟" بائیک کی طرف بڑھتے حیدر کو زرینہ بیگم نے پوچھا جو بظاہر کپڑوں کی ترتیب میں مصروف تھیں مگر گہری نظریں اس پر بھی جمی تھیں اور اگر حیدر اپنے غم میں ڈوبا نہ ہوتا تو پوچھتا ضرور کہ آپ کو زویا کی منگنی کا کیسے پتا؟ میں نے تو آپ کو بتایا نہیں اور کارڈ بھی پھاڑ دیا تھا۔

"مما میں چلا جاؤں گا ابھی کافی ٹائم ہے۔"

"بیٹا ٹائم پر پہنچ جانا زویا تمہارا انتظار کرے گی اور ہاں منگنی کے بعد تمہارے ایک انکل کی بیٹی کی شادی بھی اٹینڈ کرنی ہے سو جلدی آنا۔" گیٹ سے نکلتے حیدر کو زرینہ بیگم نے یاد دہانی کروانا ضروری سمجھا۔

سارا دن بے مقصد گھومنے پھرنے کے بعد وہ ایک پارک میں بیٹھا تھا جب اسے علی، ارسلان، مریم، علینہ کے بعد اس دشمن جان کا بھی ایس ایم ایس ملا کہ "جلدی آؤ" کتنی کوشش کی تھی کہ اس کی یاد سے پیچھا چھڑا لے یا پھر اس کی وہ امید توڑ ڈالے کہ "آپ ضرور آؤ گے" مگر وہ ایسا نہیں کر پا رہا تھا جانے نہ جانے کی کشمکش میں پھنسے ہوئے کتنی بار اس نے سوچا کہ کاش اس کی منگنی نہ ہو یا ہو تو ٹوٹ جائے مگر پھر خود کو ملامت کرتا کہ کوئی اپنوں کی خوشیاں ختم ہونے کی دعا بھی کرتا ہے اور اسے اشفاق احمد کی کہی بات یاد آئی کہ محبت تو کسی کے لئے اپنی جان قربان کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ جان تو اللہ کی امانت ہے ہمارے پاس محبت تو کسی کی رضا اور خوشی کے لئے اپنی رضا اور خوشی قربان کرنا ہے" اور دل کی آواز پہ لبیک کہتا وہ اپنا غم بھول کر زویا کی خوشیوں میں شریک ہونے چل دیا۔

☆☆☆

سارا ہال روشنیوں اور برقی قمقموں سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا ہر طرف قہقہہ رنگ پھول اور خوشبو تھی مگر حیدر کا دل ویران تھا کسی بھی احساس سے خالی جب اچانک علی نے اس کا

کاندھا ہلایا۔
''پتا ہے کتنی دیر سے آیا ہے زویا کتنی بار تیرا پوچھ چکی ہے اس کے سب دوست آ گئے سوائے تیرے اور یہ مجنوں کیوں بنا ہوا ہے جب اتنا ہی پیار کرتا تھا اس سے تو کہا کیوں نہیں چل چھوڑ آنٹی بھی تمہیں بلا رہی تھیں تیرے کسی عزیز کی شادی ہے اسی ہوٹل میں، ان کے ساتھ شاید کوئی مسئلہ ہو گیا ہے۔'' حیدر نے تشویش سے پوچھا کہ زرینہ بیگم کہاں ہیں۔

''اوپر والے پورشن میں ہے۔'' علی نے جواب دے کر اسے سیڑھیاں دکھائیں۔

''حیدر آ گئے تم جلدی کرو۔'' زرینہ بیگم نے سکھ کا سانس لیا۔

''یہ پکڑو اور جاؤ کپڑے بدل کر آؤ۔'' مما نے حیدر کو تھری پیس پکڑا کر کمرے کی طرف دھکیلا۔

''مگر مما۔''

''جاؤ حیدر جلدی کرو سوال بعد میں کرنا۔'' مما نے حیدر کی بات سنے بغیر اسے حکم دیا اور ناچار اسے جانا پڑا۔

''مما یہ سب کیا ہے؟ یہ کس کی شادی ہے۔'' حیدر اس زبردستی سے بھنا گیا تھا۔

''بیٹا میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گی مگر ابھی نہیں ابھی جو کہا جائے صرف وہ کرو ابھی تمہارا نکاح ہے تمہارے ابو کے کزن کی بیٹی ہے اور دولہا والوں نے عین وقت پر انکار کر دیا ہے بس اب ہم اسے بہو بنا رہے ہیں باقی سوالوں کے جواب بعد میں پلیز میری بات مانو۔'' زرینہ بیگم نے چیدہ چیدہ نکات اس کے سامنے رکھے۔

''مما میں ایسے شادی کیسے کر سکتا ہوں آئی مین ابھی میں پڑھ رہا ہوں اور......'' حیدر کی بات ادھوری رہ گئی۔

''حیدر کیا تمہیں اپنے والدین کی پسند پر بھروسہ نہیں یا ہم تمہارے دشمن ہیں تم کسی کی زندگی برباد ہونے سے بچا سکتے ہو مگر تم ایسا کرنا نہیں چاہتے کیا یہ تربیت کی ہے ہم نے تمہاری جواب دو۔'' زرینہ بیگم نے کڑی نظروں سے اسے گھور کر پوچھا اور حیدر ان کی تربیت پر حرف نہ آئے اسی لئے راضی ہو گیا مگر بجھے دل کے ساتھ۔

''ٹھیک ہے مما اگر آپ دونوں ایسا چاہتے ہیں تو میں راضی ہوں۔'' اس کی رضا مندی کا سگنل ملتے ہی اسے صوفے پر لا بٹھایا مولوی صاحب نے اپنا کام شروع کیا حیدر اچانک گلے پڑی مشکل کے بارے میں سوچ رہا تھا جب پاپا کی آواز آئی۔

''جواب دو حیدر مولوی صاحب تمہاری رضا مندی مانگ رہے ہیں۔'' پاپا نے اس کا ہاتھ دبایا اور اس نے بے خیالی میں پاپا کو دیکھتے ہوئے قبول ہے کہہ دیا، وہ بس وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا وہاں جہاں کوئی نہ آئے۔

مبارک باد کے بعد دعا ہوئی اور اس نے زویا کی خوشیوں کی دعا مانگی اور دعا کی وہ زویا کو بھول جائے مگر سچ ہے کہ دو طرح کے لوگ ہمیشہ آپ کو یاد رہتے ہیں ایک وہ جنہیں آپ یاد رکھتے ہیں اور ایک وہ جنہیں آپ بھول جانا چاہتے ہوں اور زویا کو بھولنے کا حوصلہ ابھی اس میں نہیں تھا نکاح کے بعد مما پاپا تمام مہمانوں کو کھانے کے لئے لے گئے جس کا انتظام دوسری طرف تھا اور تب ہی علی اور ارسلان اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔

''کیسا لگ رہا ہے؟ دولہے میاں نکاح کے بعد۔'' علی نے گلاب جامن کا ڈبہ اٹھاتے ہوئے

سوال کیا۔

''یار والدین کی ضد کے آگے اور کیا کرتا پھر اب زویا کسی کی امانت ہے اوہ شٹ۔'' بات کرتے زویا کے نام پر اسے اچانک یاد آیا کہ زویا کی منگنی بھی اسی میرج ہال میں تھی جس کے لئے وہ آیا تھا مگر ہو کچھ گیا تھا۔

''یار تم لوگ زویا سے ملے مریم اور علینہ اس کے ساتھ ہیں کیا دیکھو میں نے اس کی منگنی میں شرکت بھی نہیں کی۔'' تبھی علی بولا تھا۔

''فکر مت کرو وہ کیا کہتے ہیں انگلی پکڑاؤ تو کلائی پکڑ لیتے ہیں سو زویا کے دولہا نے پوری زویا کو ہی پکڑ لیا مطلب منگنی کے ساتھ نکاح بھی کروالیا۔''

''کیا؟'' حیدر کی چیختی آواز آئی۔

''بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔'' حیدر نے زویا کی آواز سن کر اس سمت دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا ریڈ کلر کے لہنگے میں ملبوس وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی۔

''میں خود بہ نفس نفیس آپ کو مبارکباد دینے آئی ہوں آپ نے اکیلے ہی نکاح کرلیا۔'' زویا نے شکوہ کیا۔

''اکیلے کب کیا ہے لڑکی کے ساتھ کیا ہے۔'' علی نے لقمہ دیا حیدر اسے گھور کر زویا کی طرف متوجہ ہوا۔

''آپ نے منگنی کا کارڈ دیا تھا نکاح بھی کروالیا بڑی ایڈوانس ہو گئیں آپ۔'' حیدر نے جوابی شکوہ کیا۔

''میں نے منگنی کا کارڈ تو دیا تھا آپ تو مجھ سے زیادہ ایڈوانس ہوئے نا بتائے بغیر نکاح کر لیا۔'' زویا نے حیدر کو لاجواب کیا تبھی زرینہ بیگم کی آواز آئی۔

''ارے میری بہو کو ابھی تک کھڑا کر رکھا ہے چلو بٹھاؤ اسے میں تم لوگوں کا کھانا بھجواتی ہوں۔'' اور حیدر کو سکتہ طاری ہو گیا۔

''میری بہو۔'' کے الفاظ سن کر۔

''کیا آنٹی ابھی تو ہم نے حیدر کو مزید تنگ کرنا تھا آپ نے بھانڈا ہی پھوڑ دیا۔'' ارسلان نے شکایت کی تب زرینہ بیگم مسکراتی ہوئی بولیں۔

''بس میرے بیٹے کو تنگ مت کرو کچھ دیر میں فوٹو شوٹ ہوگا پھر شکایت کرے گا کہ میرے نکاح پہ میری تصویریں ہی اچھی نہیں آئیں میں آتی ہوں۔'' مما کے جانے کے بعد حیدر نے بیچارگی کی انتہا کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ سب کیا ہے یار؟''

''محبت اندھی ہوتی ہے تو سنا تھا بہری بھی ہوتی ہے آج یہ بھی دیکھ لیا یار کیا نکاح کے وقت تو نے زویا کا نام نہیں سنا تھا زویا کے ساتھ ہی تیرا نکاح ہوا ہے اب ہماری بہن جیسی دوست تیری منکوحہ اور ہماری بھابھی ہے۔'' علی نے تفصیل سے کہا۔

''لیکن زویا کی تو منگنی ہو رہی تھی نا؟'' حیدر کی آواز لرزتی ہوئی مگر چہرہ پرسکون تھا۔

''ہو تو رہی تھی مگر ہم دوستوں کا خیال آ گیا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے کی محبت میں ناکوں ناک ڈوبے ہیں۔''

''ناکو ناک نہیں گوڈے گوڈے پاگل۔'' علینہ نے علی کی کہاوت کی درستگی ضروری سمجھی۔

''نہیں جی ہمارے دوست دراصل زبان اور کانوں کو زحمت نہیں دیتے بس آنکھوں کے راستے ہی ایک دوسرے کو دل کی بات بتاتے ہیں اسی لئے کان کان تک کا محاورہ بولا۔'' علی نے وضاحت کی۔

''کیا فضول بکواس کر رہے ہو؟'' حیدر

تفصیل سننے کے لئے بیتاب تھا۔
''ویسے آپ کو آم کھانے سے غرض ہونی چاہیے گٹھلیاں گننے سے نہیں مگر چلیں بتا دیتی ہوں ہوا یوں کہ زویا کی منگنی کی خبر سن کر آپ بھی دکھی تھے اور زویا بھی خوش نہیں تھی دونوں کی چپ دیکھ کر ہم لوگوں نے پلان بنایا علینہ اور میں زویا کے گھر گئے اور علی اور ارسلان آپ کے گھر دونوں ماؤں کو راضی کرنے کے بعد اباؤں کو راضی کرنے کا کام انہیں سونپا چونکہ دونوں ماؤں کو ان کے بچے کافی دن سے بجھے بجھے لگ رہے تھے مزید کسر حیدر بھائی کی ڈائری نے پوری کی پھر ہم نے مل کر تیاری کی زویا کو کل بتا دیا گیا تھا مگر آپ کو ابھی پتہ چلا کچھ سزا تو آپ کو ملنی چاہیے چپ سادھنے کی ہے نا؟'' مریم نے ساری روداد سنا کر اس سے رائے مانگی تبھی حیدر کی شوخ آواز آئی۔
''مگر وہ دوسری پارٹی کا کیا بنا؟''
''لو جی یہ وہیں اٹکا ہوا ہے ان سے بھی ہم نے ہی بات کی تھی کہ ہمارا حیدر زویا کو پسند کرتا ہے وہ تو شکر ہے کہ لڑکا راضی نہیں تھا زبردستی کروایا گیا تھا اسے بھی ہماری درخواست نے شیر بنا دیا اس کے ماں باپ نے غصہ تو دکھایا مگر پھر بیٹے کی دھمکی اثر کر گئی کہ وہ پھر ساری عمر شادی نہیں کرے گا۔'' ارسلان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تبھی علینہ بولی۔
''اب حیدر بھائی ہمیں ڈبل ٹریٹ دیں گے اور ٹریٹ الگ سے ہوگی۔'' اس کی بات سن کر علی نے دہائی دی۔
''ڈبل کیوں چڑیل کیا ہم نے کچھ نہیں کیا۔''
''ڈبل اس لئے کہ ہم زویا کی بھی بہنیں اور حیدر بھائی کی بھی اور ٹریٹ دوست ہونے کے ناطے ویسے آپ بھی ہمیں جوائن کر سکتے ہو آئی ڈونٹ مائنڈ۔'' علینہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔
''یہ لڑکیاں بڑی لالچی ہوتی ہیں۔'' ارسلان بولا تھا۔
''چلو یار دو دن سے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا آج تو کافی گنجائش ہے معدے میں۔'' علی کو بھوک نے ستایا اور سب باہر چلے گئے تبھی حیدر بولا۔
''آپ بھی ان کے ساتھ ملی تھیں خیر آپ کو بہت بہت مبارک ہو نکاح کی۔''
''آپ کو بھی مبارک ہو ویسے مبارکباد کے اصل مستحق تو ہمارے دوست ہیں۔''
''ورنہ آپ نے راستہ بدلنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' زویا نے شکوہ کیا۔
''میں کیا کرتا تم نے اچانک کارڈ دے دیا اور میں ڈرتا بھی تھا کہ پتا نہیں تمہارے والدین مانیں گے یا نہیں ورنہ اپنی محبت سے سکون دستبردار ہوتا ہے۔'' تبھی مردانہ آواز پر دونوں اس جانب متوجہ ہوئے۔
''یہ تو صحیح کہا آپ نے بیٹا واقعی کوئی جان بوجھ کر اپنی محبت سے علیحدہ نہیں ہوتا اسی لئے میں نے اپنی محبت یعنی تمہاری ساس کو بھی زندگی میں شامل کر لیا ویسے آپ کو کیوں نہیں لگا کہ ہم مان جائیں گے۔''
''میٹ مائی پیرنٹس حیدر۔'' زویا نے تعارف کرایا اور حیدر ان سے ملنے لگا۔
''دراصل مجھے لگتا تھا کہ ہمارے اسٹینڈرڈ میں بہت فرق ہے اور اگر میں کوشش کرتا تو شاید وہ تمام خوشیاں اور سہولتیں زویا کو نہ دے پاتا جو اسے والدین کے گھر میں میسر ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی زویا کے کردار پر انگلی اٹھائے۔'' حیدر صاف گوئی سے بولا۔
''بیٹا خوشیوں کا تعلق تو محبت، خلوص اور

اعتماد میں ہے باقی دنیاوی آسائشیں اور دولت مادی چیزیں اگر انسان کا دل محبت بھرا ہو تو دنیا کی ساری دولت کم پڑ جاتی ہے اس دل کے آگے اور آپ ہماری بیٹی سے اتنی محبت کرتے ہو تو اس سے بڑی دولت اور کیا ہوگی ہمارے لئے۔'' زویا کی مما نے حیدر کو اپنا مان سونپا تبھی اس کے پاپا بھی بولے تھے۔

''رہی بات زویا کے کردار کی تو بیٹا ہم نے اس کی پرورش کی ہے اگر آپ پہل کرتے تو یقیناً زویا ہمیں اپنی پسند سے آگاہ کرتی کیونکہ زندگی زویا نے گزارنی ہے ہم نے نہیں ہم ان والدین میں سے نہیں جو بچوں خاص طور پر بیٹیوں کی پسند کو عزت و غیرت بنا لیتے ہیں اور پسند کرنے کا اختیار تو ہمارے مذہب نے بھی دیا ہے ہم نے یہ حق استعمال کیا اور اگر ہمارے بچے درست طریقے سے اپنا حق استعمال کریں تو یہ کوئی غلط بات نہیں ایک بات اور کہ وہ والدین خوش قسمت ہوتے ہیں جن کی بیٹیوں کو کوئی اتنی محبت سے اپنا بنانے آتا ہے تو ہم اتنے اچھے خاندان کا رشتہ کیوں ٹھکراتے بھلا۔''

''اور کوئی ایک دم سے امیر نہیں ہوتا نہ ہی ہم نے اتنی جلدی ترقی کی آپ بھی محنت کرو آپ کو پھل ضرور ملے گا ہاں آپ کی پڑھائی مکمل ہو جائے اور آپ کو جاب مل جائے پھر ہم زویا کی رخصتی کریں گے۔'' حیدر اس نے والدین کی گفتگو سے متاثر نظر آ رہا تھا۔

''ہاں اگلی بار کسی بھی بات کو دل میں نہ رکھنا بول دینا ورنہ تو نے تھری ایڈیٹ فلم تو دیکھی ہے نا اس کا وہی ڈائیلاگ سوچتا رہے گا کہ ''گاڑی گیٹ پہ تھی کاش تھوڑی سی ہمت کر لیتا تو لائف کچھ اور ہوتی یار'' ہاتھ میں بریانی کی پلیٹ پکڑے علی نے عامر خان کی نقل کرتے ہوئے ڈائیلاگ بولے پیچھے ہی کولڈ ڈرنک پکڑے ارسلان تھا جبکہ مریم اور علینہ خالی ہاتھ حیدر کی فیملی کے ساتھ تھیں ان کے اسٹائل نے سب کو ہنسنے پر مجبور کر دیا اور حیدر سوچ رہا تھا۔

''واقعی دولت تو آنی جانی چیز ہے ان فانی چیزوں پر کیا غم لافانی تو محبتیں ہیں والدین دوستوں ہمسفر اور خاص طور پر من چاہے ہمسفر کی واقعی اگر نیت سچی اور ارادے نیک ہوں تو پچھتانے سے بہتر ہے انسان ایک بار کوشش کرے اگر قسمت نے ساتھ دیا تو جو آپ چاہتے ہو وہ آپ کو مل جائے گا ورنہ ہر کسی کے پاس حیدر اور زویا کے دوستوں جیسے دوست نہیں ہوتے اور اگر ان کے دوست یہ سب نہ کرتے تو بقول علی میں واقعی یہ سوچتا رہ جاتا گاڑی گیٹ پہ تھی کاش تھوڑی سی ہمت کر لیتا تو لائف کچھ اور ہوتی یار۔''

زویا کے ٹھوکے نے اسے سوچوں سے نکالا اور سب کو دیکھا جہاں سب مسکرا کر تصویریں بنوانے میں مصروف تھے۔

☆☆☆

القرآن

☆ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اللہ سب سے واقف ہے۔ (نحل۔ ۱۹،۱۸)

☆ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لئے اس میں نشانی ہے۔ (عنکبوت۔۴۴)

☆ اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو، اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (لقمان۔۲۷)

سارا حیدر، ساہیوال

استغفار

حضرت ابو سعید رضوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

''جب شیطان مردود ہو گیا تو اس نے کہا کہ اے رب تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو ہمیشہ بہکاتا رہوں گا، جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں رہیں گی۔''

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا! کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی اور اپنے اعلیٰ مقام کی جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے، میں ان کو بخشتا رہوں گا۔ (احمد)

ساجدہ احمد، ملتان

روزی دینے والا

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز پڑھتے تو خوف خدا اور تعظیم شریعت کے سبب آپ کے سینے کی ہڈیوں سے اس قدر چرچراہٹ کی آواز نکلی کہ لوگ اس آواز کو بخوبی سن لیتے، ایک دن حضرت ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو امام نے حضرت سے پوچھا۔

''اے شیخ! آپ کوئی کام نہیں کرتے نہ کسی سے سوال کرتے ہیں آپ کھاتے کہاں سے ہیں؟''

حضرت نے فرمایا۔

''ٹھہرو میں نماز کا اعادہ کر لوں کیونکہ جو شخص روزی دینے والے کو نہیں جانتا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔''

صفہ خورشید، لاہور

انمول باتیں

☆ راستوں کی ویرانی اور جلتی دھوپ سے ڈرنے والے منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔

☆ جہاں سے گزرو پھول برساتے جاؤ تاکہ تمہیں اپنی واپسی پر بڑا سا باغ دکھائی دے۔

☆ اپنی پہلی بازی جیتنے کے نشے میں بازی ہارنا پڑتی ہے

☆ زندگی ایک کٹھن سفر ہے جس کی منزل موت

ہے۔

☆ اگر تم نے ہر حال میں خوش رہنے کا فن سیکھ لیا ہے تو یقین کرو زندگی کا سب سے بڑا فن سیکھ لیا ہے۔

عابدہ حیدر، بہاول نگر

قابل تقلید فرمودات

''آتش فشاں پہاڑوں سے ایش ٹرے استعمال کرنے کی توقع نہیں ہونی چاہیے۔ (ایمل کرونکی)

''نئی نسل میں ایک ایسی کوئی خرابی نہیں ہے جو زندگی میں ایک بار انکم ٹیکس ادا کرنے کے قابل ہوتے ہی رفع نہ ہو جائے۔ (ڈین ہنٹ)

''کامیاب اور مطمئن زندگی کے لئے ایمان ایک ضروری جزو ہے یہ ایمان خدا پر ہو یا کسی مذہب پر ہو یا کسی بلند نصب العین پر، اس کے بغیر کامیاب اور مطمئن زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ (حمید نظامی)

''مجھے عمر کے اوائل میں دوستی کا عظیم ترین راز معلوم ہو گیا تھا، کسی کو مطلب کے حصول کے لئے دوست مت بناؤ، خود غرضی کو بھی بیچ میں نہ آنے دو، دوستوں کی مدد کرو لیکن انہیں تکمیل کا آلہ کار نہ بناؤ۔ (کیرل بائینڈر)

''اکثر میرے صبر سے دوسروں کی شازشیں بے کار ثابت ہوئیں، اگر کینہ ساز کامیاب بھی ہو گئے تو میری شکست میرا قلب اور ضمیر مجروح نہیں کر سکی، البتہ صبر تعطل کا نام نہیں ہے، کوشش چھوڑ بنا صبر سمجھا جائے تو یہ صبر زہر قاتل ہے، کوشش زندگی اور تعطل متو ہے۔ (ڈاکٹر اشتیاق حسین)

آصفہ نعیم، فورٹ عباس

ناقدر شناس

ایک مرتبہ ایک بوڑھا شخص خلیفہ ہشام بن بدالمالک کے سامنے ایک جرم میں پیش کیا گیا کہ وہ گانے بجانے اور شراب و کباب سے دلچسپی رکھتا ہے۔

ہشام نے اسے دیکھ کر کہا۔

''طنبورہ اس کے سر پر توڑ دو۔''

اس حکم کی تعمیل ہوئی، وہ بوڑھا رونے لگا۔

ہشام نے کہا۔

''صبر سے کام لو۔''

بوڑھے نے جواب دیا۔

''چوٹ کی وجہ سے نہیں روتا بلکہ اس ناقدر شناسی پر روتا ہوں کہ اب بربط کو طنبورہ کہا جاتا ہے۔''

فرینہ اسلم، میاں چنوں

عشق تھا کہ وحشت

عشق تھا کہ وحشتیں
جنون تھا کہ جستجو
جہان بے حیات میں چار سو
سفر نصیب خواہشیں
سفر نصیب خواہشوں کے بے اماں مسافتیں
وہ بے قرار راستے
جو منزلوں کے خواب تھے
ہم پہ یہ دیر سے کھلا
کہ یہ تو بس سراب تھے
حاصل سفر وہی
سفر کی جو اساس تھا
لکھا تھا جو نصیب میں
سو مل گیا وہی ہمیں

مہین آفریدی، ایبٹ آباد

آشنائی کا بھرم

اشک آنکھوں میں پڑے ہیں اور آنکھیں لاجواب
ہر حقیقت کھو چکا ہوں اور ہوں میں محو خواب
اس سے کہنا اب نہ آئے میری بستی کی طرف
میں اکیلا ہوں وہاں اور زرد پتے بے حساب

کچھ تو رکھتے ہیں بھرم اے سعد اپنے پیار کا
پھیر لیتے ہیں نظر کو جب درد ہو بے حساب
راحیلہ فیصل، سرگودھا

چوری کرنا

ڈاکو پکڑے بھی جائیں تو پولیس کے ساتھ ان کی تصویریں یوں چھپتی ہیں، جیسے وہ پرائز دل کر رہے ہوں، چور اس دور میں پبلسٹی کا اہل نہیں، وہ چپ چاپ اتنی بلند دیواریں پھلانگ جاتا ہے کہ کوئی اور ہوتا تو اخباروں میں ان کی رنگین تصویریں چھپتیں، مگر اسے نام سے غرض نہیں کام سے غرض ہے، چور اپنے جوتے اتار کر باادب ہو کر مختلف گھروں میں یوں داخل ہوتا ہے جیسے کسی مقدس مقام کی زیارت کو آیا ہو، اگر کسی کی آہٹ سے خلق خدا کی نیند میں خلل پڑتا ہے تو وہ شرم کے مارے بھاگ نکلتا ہے، کیونکہ ہر راز جانتا ہے اگر وہ سامنے آگیا، تو چور کے رتبے سے گر کر ڈاکو اور لیٹرا بن جائے گا، پہلے لڑکے لڑکیوں کے دل چرایا کرتے تھے اب پرس چراتے ہیں۔

آمنہ خان، راولپنڈی

سچ ہے یہ بھی کہ

''زندگی پیار کا گیت ہے مگر اس میں سوز و گداز شادی کے بعد آتا ہے۔''

''پاکستانی جہیز کو لعنت سمجھتے ہیں اگر شادی میں کم ملے تو۔''

''عورتیں واقعی محنتی ہوتی ہیں اور اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پندرہ بعد عورتیں قدرتی طور پر حسین ہوتی ہیں باقی پچھتر فیصد اپنی محنت سے۔''

''شادی اور بیوی مرد کی زندگی کم کرنے کا نہایت آسان اور آزمودہ نسخہ ہے۔''

''برقعے کا رواج ہرگز ختم نہ ہوتا اگر اس میں سے ایک میک اپ شدہ چہرہ نظر آ سکتا۔''

''شوہر کو اس کے گناہوں کی سزا پھوہڑ بیوی کی صورت میں ملتی ہے۔''

صابرہ سلطانہ، کراچی

روپہلی کرنیں

☆ سناٹا جب روح کی گہرائیوں میں اتر جائے تو رونقیں متاثر نہیں کرتیں۔

☆ محبت حاصل کرنا ہر کسی کے لئے ممکن نہیں لیکن محبت پھیلانا ہر ایک کے لئے ممکن ہے۔

☆ زندگی ہمیں وہ کچھ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے، جس کا ہم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔

☆ ہم کسی کو تب تک مجبور نہیں کر سکتے جب تک اس کی کسی کمزوری سے واقف نہ ہوں۔

☆ زندگی میں دو باتیں انتہائی تکلیف دہ ہوتی ہیں ایک جس کی خواہش کی ہو اس کا نہ ملنا اور دوسرا جس کی خواہش نہ کی ہو اس کا مل جانا۔

☆ ٹھیس لگے تو ہی شاہکار بنتے اور منظر عام پر آتے ہیں۔

☆ ہنسی کے ساتھ رونا بھی ضروری ہے کہ یہی زندگی کا چلن ہے۔

☆ دوسروں پر رائے دینے سے پہلے یہ جان لو کہ ان کی رائے تمہارے بارے میں کیا ہے۔

☆ جب ہم بولتے ہیں تو لوگ نہیں سنتے جب لوگ بولیں تو ہم نہیں سنتے معاشرے میں انتشار کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

☆ لڑائی کے لئے جواز ضروری نہیں۔

حنا شاہین، حیدر آباد

☆☆☆

صائمہ محمود

صفہ خورشید: کی ڈائری سے ایک نظم
''جنم دن پر''
سوچتی ہوں آج
اس خاص دن کی مناسبت سے
اسے کیا تحفہ دوں
پرفیوم بھیجوں
پھولوں کا مہکتا ہوا گلدستہ
یا پھر
پروین کی کتاب ''خوشبو'' بھیجوں
پھر ڈر لگتا ہے
کہ خوشبو تو خوشبو ہوتی ہے
ہر سو پھیل جاتی ہے
کہیں میرے جذبوں کی خوشبو بھی
اسے ہر بات نہ بتا دے

عابدہ حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم
''زندہ رہنے کی خواہش''
میں کیا لکھوں......؟
تمہارے پیار نے کیا کر دیا ہے؟
ہر طرف کچھ خوشبوؤں کے گیت رقصاں ہیں
نگاہوں پہ بہت کچھ جھلملاتی سی تصویریں امنڈتی ہیں
نظارے ہر طرف سے جگمگاتے مسکراتے سے نظر آتے ہیں جاناں
مجھے کیا ہو گیا ہے......؟
میرے آئینے میں یہ روپ کس نے ڈال رکھا ہے
میری آنکھیں ستاروں کی طرح سے ٹمٹمانا جان بیٹھی ہیں
میرے لب پھول کی نازک سی پتی کی طرح سے ڈولتے ہیں، مسکراتے ہیں
میرے بالوں میں صندل کی مہک اتری ہے
میں یہ محسوس کرتی ہوں تمہاری انگلیاں ہر پل
میرے بالوں کے الجھے ریشم کو سلجھاتی ہیں
میں یہ کیا دیکھتی ہوں......؟
ہر اک جانب تمہارے لفظ بکھرے ہیں
کچھ ایسے لفظ کہ جو میرے کانوں میں
محبت گھولتے ہیں
مجھے دیوانہ کرتے ہیں
میری شریانوں میں جمتے لہو کو جوش دیتے ہیں
میں کیا لکھوں......؟
لکھنا مجھے کچھ بھی نہیں آتا
مجھے بس علم ہے اتنا
کہ میں تیری ان آنکھوں کے شیشوں میں
ہمیشہ خود کو دیکھنا چاہتی ہوں
ہمیشہ مسکرانا، جگمگانا
زندہ رہنا چاہتی ہوں!

آصفہ نعیم: کی ڈائری سے ایک غزل
دل میں نہ ہو جرأت تو محبت نہیں ملتی
خیرات میں اتنی بڑی دولت نہیں ملتی
کچھ لوگ یونہی شہر میں ہم سے بھی خفا ہیں
ہر ایک سے اپنی بھی طبیعت نہیں ملتی
دیکھا ہے جسے میں نے کوئی اور ہے شاید
وہ کون تھا جس سے تیری صورت نہیں ملتی

علی ناصر: کی ڈائری سے ایک خوبصورت غزل
قہوہ خانے میں دھواں بن کے سمائے ہوئے لوگ

جانے کس دھن میں سلگتے ہیں بجھائے ہوئے لوگ
نام تو نام اب شکل بھی یاد نہیں
ہائے وہ اعصاب پہ چھائے ہوئے لوگ
حاکم وقت کو معلوم ہوا ہے شاید
جمع ہوتے ہیں یہاں چند ستائے ہوئے لوگ
اپنا مقسوم ہے گلیوں کی ہوا ہو جانا
یار ہم ہیں کسی محفل سے اٹھائے ہوئے لوگ

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے ایک نظم

کہا تھا ناں
اس طرح سوتے ہوئے مت چھوڑ کے جانا
مجھے بے شک جگا دینا، بتا دینا
محبت کے سفر میں ساتھ میرے چل نہیں سکتیں
جدائی کے سفر میں ساتھ میرے چل نہیں سکتیں
تمہیں رستہ بدلنا ہے، میری حد سے نکلنا ہے
تمہیں کس بات کا ڈر تھا
تمہیں جانے نہیں دیتا، کہیں پہ قید کر لیا
ارے پگلی......
محبت کی طبیعت میں زبردستی نہیں ہوتی
جسے رستہ بدلنا ہو اسے رستہ بدلنے سے
جسے حد سے نکلنا ہو اسے حد سے نکلنے سے
نہ کوئی روک پایا ہے نہ کوئی روک پائے گا
تمہیں کس بات کا ڈر تھا
مجھے بے شک جگا دیتیں، میں تم کو دیکھ ہی لیتا
تمہیں کوئی دعا دیتا، کم از کم یوں تو نہ ہوتا
میری ساتھی حقیقت سے
تمہارے بعد کھونے کے لئے کچھ بھی نہیں جاتی
مگر کھونے سے ڈرتا ہوں
میں اب سونے سے ڈرتا ہوں

مہین آفریدی: کی ڈائری سے ایک غزل

ہر تماشائی فقط ساحل سے منظر دیکھتا
کون دریا کو الٹتا، کون گوہر کو دیکھتا
وہ تو دنیا کو مری دیوانگی خوش کر گئی
تیرے ہاتھوں میں وگرنہ پہلا پتھر دیکھتا
آنکھ میں آنسو جڑے تھے پر صدا تجھ کو نہ دی
اس توقع پر کہ شاید تو پلٹ کر دیکھتا
میری قسمت کی لکیریں میرے ہاتھوں میں نہ تھیں
تیرے ماتھے پر کوئی میرا مقدر دیکھتا
زندگی پھیلی ہوئی تھی شام ہجراں کی طرح
کس کو اتنا حوصلہ تھا، کون جی کو دیکھتا
ڈوبنے والا تھا اور ساحل پہ چہروں کا ہجوم
پل کی مہلت تھی میں کس کو آنکھ بھر کر دیکھتا
تو بھی دل کو اک لہو کی بوند سمجھا ہے فراز
آنکھ اگر ہوتی تو قطرے میں سمندر دیکھتا

راحیلہ فیصل: کی ڈائری سے ایک غزل

کس سے بچھڑی، کون ملا تھا بھول گئی
کون برا تھا، کون تھا اچھا، بھول گئی
کتنی باتیں جھوٹی تھیں اور کتنی سچی
جتنے بھی لفظوں کو پرکھا بھول گئی
چاروں طرف تھے دھندلے دھندلے چہرے
خواب کی صورت میں بھی دیکھا بھول گئی
سنتی رہی سب کے دکھ خاموشی سے
کس کا دکھ تھا میرے جیسا بھول گئی
بھول گئی ہوں کس سے میرا ناتا تھا
اور یہ ناتا کیسے ٹوٹا بھول گئی۔

آمنہ خان: کی ڈائری سے ایک نظم

"ایک خط"
چمن زاروں سے کہنا
دل نے ایسے زخم کھائے ہیں
وہ صدمے آزمائے ہیں
کہ تن ہوا میں وحشت افتادگی ہے
اور نہ اندھی آنکھ خوابوں کو ترستی ہے
چمن زاروں سے کہنا
تم نے وہ باتیں بھلا دی تھیں
تو اب کیوں دل کو خانوں میں مقید کر رہے ہو

جانتے ہو
ہم تم ذوق قید ہستی کے پرانے خوشہ چیں ہیں
جانتے ہو
ہم نے صدیوں کی گراں خوابی کو خود اپنا مقدر کر لیا تھا
جانتے ہو وحشت افتادگی لذت ہے
اور لذت تو زخموں کے عقب سے آنے والی
اس حرارت کو کہا کرتے ہیں
جو صدیوں کو کندن کر دیا کرتی ہے

صابرہ سلطانہ: کی ڈائری سے ایک غزل

اس شب کتنا ٹوٹ کے روئے چاند ہوا اور میں
تینوں ہی ایک ساتھ اجڑتے تھے چاند ہوا اور میں
سارے خواب عذاب ہوئے اور سب خیال زوال
کس برتے پر سپنے بنتے چاند ہوا اور میں
کیا منظر تھے آنکھوں میں جو گاڑھ گئے ناخن
کون ستم رت تھی جب بچھڑے چاند ہوا اور میں
چاند ہوا اور سجناں مجھ میں کوئی فرق نہیں
ایک سی رت کے چاہنے والے چاند ہوا اور میں
لب بستہ تھے، حبس رتیں اور اماوس رات
کیونکر من کی بپتا کہتے چاند اور اور میں
حسن رضا وہ رات مرادوں والی جب بھی آئی
دیکھنا کیسے گلے ملیں گے چاند ہوا اور میں

حنا شاہین: کی ڈائری سے ایک غزل

مجھے پھر بے سکوں اس نے کیا ہے
مرے دل پر فسوں اس نے کیا ہے
ملی شہرت جسے میرے ہی دم سے
مجھے خوار و زبوں اس نے کیا ہے
عیاں ہیں محبتیں اس کی جبیں سے
مجھے بھی سرنگوں اس نے کیا ہے
کسک سی دل میں رہتی تھی ہمیشہ
مگر اس کو فزوں اس نے کیا ہے
بہت چھانی ہے خاک نجد میں نے
مگر پیدا جنوں اس نے کیا ہے
جسے چاہا تھا اپنی جاں سے بڑھ کر
میری حسرت کا خوں اس نے کیا ہے
وہ خود بھی بدنصیبوں میں ہے شامل
مجھے بھی بدشگوں اس نے کیا ہے

سدرہ خانم: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

''وہ کیا جانے''

میرے بالوں میں
چاندی کے تار دیکھ کر
تم لحہ بھر کو چونکے
میری آنکھوں میں جھانک کر
بولے
تنہا ہو، اب تک
وہ کیا جانے
میں نے اپنا تمام جیون
اس کے نام تیاگ دیا ہے

آسیہ فرید: کی ڈائری سے ایک غزل

ہر شخص کبریا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
دعویٰ میرا بجا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
ہم آ کے تیرے شہر سے واپس نہ جائیں گے
یہ فیصلہ کیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
کہتے ہیں تجھ کو لوگ مسیحا مگر یہاں
اک شخص مر گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
سجدہ کروں کہ نقش قدم چومتی رہوں
گھر کعبہ بن گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
رہتی ہے کھوئی کھوئی سی ہر وقت اب
یہ حال ہو گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

☆☆☆

بلقیس بھٹی

قطعہ

اب کے برس پھر اس نے
لفظ اک بے دھیان لکھا ہے
اب کے پھر بیقرار کر دیا
پھر ہمیں بھائی جان لکھا ہے

سدرہ خانم، ملتان

چار چاند

چار گنجے افراد جو بڑے صحت مند تھے، بن بلائے مہمان بن کر ایک دعوت میں پہنچے اور میزبان سے کہنے لگے۔

''کیا شاندار محفل ہے؟''

میزبان نے ان کے گنجے سروں کو غور سے دیکھ کر کہا۔

''ہاں جی اور آپ نے تو آ کر ہماری محفل میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔''

واعظ

نئے پادری نے چرچ میں پہلی مرتبہ واعظ دینے کے بعد ایک عورت سے پوچھا۔

''آپ کا میرے واعظ کے متعلق کیا خیال ہے؟''

''یہ واعظ بہت ہی اچھا تھا جناب!'' عورت نے کہا۔

''آپ کا واعظ نہایت معلوماتی تھا، اس سے قبل ہمیں گناہوں کی اتنی اقسام کا علم نہیں تھا۔''

آسیہ فرید، خانیوال

''ٹی ٹائم ڈش''

چائے کے مگ سے اٹھتا دھواں
تیری یاد دلا دیتا ہے
کاش ابھی تم ساتھ جو ہوتے
باتیں کرتے، نظم سناتے
کول سے کچھ شعر بھی کہتے
میرے گیلے بالوں میں تم
اپنے ہاتھ سے کنگھی کرتے
ٹھنڈی ٹھنڈی شام میں جاناں
میرا ہاتھ پکڑتے
چائے کے مگ کے دھویں میں سے
میرا چہرہ دیکھتے رہتے

مریم انصاری، سکھر

معجزہ

LOURDES کی زیارت گاہ سے پلٹنے والے ایک عیسائی زائر کو کینیڈی ایئر پورٹ پر کسٹم کے لئے رکنا پڑا، جب اس کی باری آئی تو اس نے کہا۔

''میرے پاس کوئی چیز غیر قانونی نہیں ہے؟''

''اس شیشی میں کیا ہے؟'' کسٹم آفیسر نے پوچھا۔

''اس میں۔'' زائر نے کہا۔

''چاہ بورڈس کا مقدس پانی ہے۔''

کسٹم آفیسر نے بوتل کھول کر اسے سونگھا اور منہ بناتے ہوئے بولا۔

''کون کہتا ہے کہ یہ مقدس پانی ہے۔'' اس نے کہا۔

''یہ تو وہسکی ہے۔''
''وہسکی؟''
زائر نے اچھلتے ہوئے کہا۔
''کیا بات ہے سینٹ برنارڈ کی ایک اور معجزہ!''

عزہ فیصل، قصور

متقی

ایک صاحب نہایت پابندی سے مسجد میں پانچ وقت کی حاضری دیا کرتے تھے، لوگ ان کے تقویٰ سے بہت متاثر تھے، ایک شخص نے جب انہیں نہایت انہماک سے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا، تو اپنے ساتھی سے بولا۔
''یہ جو شخص نماز ادا کر رہا ہے، نہایت متقی اور پرہیزگار ہے۔''
اس پر وہ صاحب نماز توڑ کر بولے۔
''اور جناب! میں حاجی بھی ہوں۔''
نورا نور، فیصل آباد

نیند کی گولی

ایک کلرک ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا۔
''مجھے بہت زیادہ نیند آتی ہے، اس لئے وقت پر دفتر نہیں پہنچ سکتا، کوئی ایسی دوا دیجئے کہ بروقت دفتر پہنچا کروں ورنہ اس نیند کی بدولت مجھے نوکری سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔''
ڈاکٹر نے اسے چند گولیاں دیں اور کہا۔
''سوتے وقت ایک گولی کھالیا کرنا۔''
وہ کلرک رات کو گولی کھا کر سویا اور صبح اٹھا تو بہت حیران ہوا کیونکہ وہ وقت سے پہلے اٹھ گیا تھا، چنانچہ وہ مقررہ وقت سے دو چار منٹ پہلے ہی دفتر جا پہنچا اور آفسر سے کہا۔
''دیکھیے سر! آج میں وقت پر آفس آ گیا ہوں۔''
افسر نے جواب دیا۔

''یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتاؤ کہ کل کہاں رہے؟''

فاریہ سلیم، شرقپور

تردید

ریس کے شوقین ایک صاحب نے اپنی بیوی کے روز روز کے لڑائی جھگڑے سے تنگ آ کر وعدہ کر لیا تھا کہ آئندہ وہ ریس نہیں کھیلیں گے انہیں دنوں ایک پرانا دوست ان سے ملنے آ پہنچا اور باتوں ہی باتوں میں بولا۔
''سناؤ، نیلم پر بڑی رقمیں خرچ کر رہے تھے کچھ فائدہ ہوا کہ نہیں۔''
بیوی شعلہ بار نظروں سے شوہر کو گھورتی، پاؤں پٹختی کمرے سے باہر چلی گئی، ان صاحب نے دوست پر آنکھیں نکالیں۔
''کیا غضب کر دیا تم نے یار، میں نے بیوی کو بتا رکھا ہے کہ میں آج کل بالکل ریس نہیں کھیل رہا۔''
اس دوران بیوی دوبارہ کمرے میں آئی تو دوست اس سے مخاطب ہوا۔
''میں تو مذاق کر رہا تھا بھابی! نیلم کسی گھوڑی کا نام نہیں یہ تو لڑکی کا نام ہے۔''
عمیرہ ریحان، ٹوبہ ٹیک سنگھ

خوف

ایک صاحب رات کو تاخیر سے گھر پہنچے تو بیگم نے کہا۔
''آج آپ نے بہت دیر کر دی؟''
''کیا کروں؟'' شوہر نے کہا۔
''کام بہت بڑھ گیا ہے۔''
''اچھا یہ بتائیے، دفتر میں لڑکیوں کی موجودگی میں آپ مجھے بھول تو نہیں جاتے؟''
بیگم نے پوچھا۔

''بالکل نہیں!'' صاحب نے روانی سے جواب دیا۔

''تم تو ہر وقت میرے ذہن پر سوار رہتی ہو کہ کہیں دفتر نہ آجاؤ۔''

عالیہ بٹ، لاہور

خوش قسمت

ایک پھول فروش نے ایک نوجوان کو روکتے ہوئے کہا۔

''جناب! اپنی محبوبہ کے لئے پھولوں کا ہار لیتے جائیں۔''

نوجوان نے جواب دیا۔

''میری کوئی محبوبہ نہیں ہے۔''

''تو پھر اپنی بیوی کے لئے ہی لیتے جاؤ۔''

''افسوس، میں شادی شدہ نہیں ہوں۔''

یہ سن کر پھول بیچنے والے نے کہا۔

''تو پھر اے دنیا کے خوش قسمت انسان یہ ہار میری طرف سے تحفے کے طور پر مفت میں لے جاؤ۔''

فریحہ گیلانی، اوکاڑہ

مجبوری

ایک نوبیاہتا لڑکی اپنی سہیلی سے شکوہ کر رہی تھی۔

''واقعی شادی کے بعد عورت کی کوئی قدر نہیں رہتی، اب یہی دیکھ لو کہ میری شادی کو صرف دو ماہ گزرے ہیں اور دو ماہ سے سلیم نے مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کی۔''

''پھر تو تمہیں سلیم سے طلاق لینے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔'' سہیلی نے تشویش سے کہا۔

''لیکن میں سلیم سے طلاق کیسے لے سکتی ہوں؟ میری شادی سلیم سے تھوڑا ہی ہوئی ہے۔''

لڑکی نے مجبوری بیان کی۔

صوبیہ توحید، گلشن راوی لاہور

سکھ

ایک سکھ رات کے وقت موٹر سائیکل پر جا رہا تھا سامنے ٹھنڈی ہوا چل پڑی تو اس نے رک کر اپنا کوٹ الٹا پہن لیا اور بٹن پیچھے کی طرف کر لئے اور موٹر سائیکل پر سوار ہو گیا اور سردی سے بچنے کی اس ترکیب پر وہ اتنا خوش ہوا کہ ڈھلوان پر موٹر سائیکل پھسل گئی اور وہ دھڑام سے گر گیا۔

کچھ دیر بعد بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے دیکھا سردار صاحب مرے پڑے ہیں اور ایک سکھ ان کے پاس کھڑا ہے، لوگوں نے پوچھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ بولا۔

''جب میں پہنچا سردار جی کراہ رہے تھے میں نے جھک کر دیکھا تو پتا چلا گردن مڑ گئی ہے، میں نے زور لگا کر گردن سیدھی کی تب سے نہیں بولے۔''

سارا حیدر، ساہیوال

شہسواری

ایک شیخی خور گاؤں میں بیٹھا اپنی شہسواری کی ڈینگیں مار رہا تھا، پٹواری کو تاؤ آ گیا، اس نے زمیندار کا اڑیل گھوڑا منگوا بھیجا اور کہا۔

''لے بیٹا اب شہسواری دکھا۔'' شیخی خور ڈرتے ڈرتے گھوڑے پر سوار ہوا، گھوڑا دو چار بار اچھلا تو وہ پیچھے دھڑام سے نیچے آ رہا، پٹواری نے طنز سے پوچھا۔

''کیوں میاں شہسواری تمہاری کیا ہوئی؟''

''شہسواری اپنی کیا ہوتی۔'' شیخی خور کپڑے جھاڑتا ہوا بولا۔

''گھوڑا ہی ختم ہو گیا۔''

ساجدہ احمد، ملتان

☆☆☆

سارا حیدر ---- ساہیوال

س: درد جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو؟
ج: دوا وہ جاتا ہے۔
س: آج کل کے لڑکے کس بات سے ڈرتے ہیں؟
ج: شادی سے۔
س: پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ؟
ج: کہ میں اب کنگال ہو گیا ہوں۔
س: رات کو آسمان پر ستارے کیوں نکل آتے ہیں؟
ج: تاکہ تم جو دن بھر زمین پر چاند ڈھونڈتے رہے ہو، اب ستارے بھی دیکھ لو۔
س: جی کسی مہرباں نے آکے میری زندگی؟
ج: جہنم بنادی کیوں ٹھیک ہے نا۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: تمہیں اتنا بھی پتہ نہیں۔

ساجد واحمد ---- ملتان

س: ع غ جی کیسے مزاج ہیں؟
ج: ٹھیک ہیں ویسے کوئی تو ڈھنگ آیا تمہیں۔
س: گرمیاں آگئیں ہیں؟ کیا آپ نے محسوس کیا؟
ج: میں نے بہت پہلے ہی محسوس کر لیا تھا، تم نے شاید اب کیا ہے۔
س: مجھے گرمیاں بہت بری لگتی ہیں اور گرمی بہت لگتی ہے کیا کروں؟
ج: جلنا چھوڑ دیں۔
س: ویسے آپ باتیں بڑی سیانی کرتے ہیں؟
ج: شکریہ تعریف کرنے کا۔
س: کسی غلط فہمی میں نہ رہیں؟
ج: کس بات کی۔
س: توبہ ہے آپ بھی نہ بس؟
ج: چلو آپ نے توبہ تو کی اپنی غلطیوں پر۔

صفہ خورشید ---- لاہور

س: آپ سے تو بولنا ہی نہیں چاہیے؟
ج: یہی تو ہم چاہتے ہیں خدا حافظ
س: دیکھیں میں پھر آ گیا، میں اتنا عرصہ غیر حاضر رہا آپ نے مجھے مس کیا؟
ج: غیر حاضری کی وجہ کیا تھی۔
س: اب میں سوالات کا آغاز کرنے لگا ہوں، رونی شکل مت بنا لیجئے گا؟
ج: یہ میری شکل نہیں ہے غور سے دیکھو آئینہ ہے تمہارے سامنے۔
س: تم دور کسی مجبور کی پر یاد تمہاری آتی ہے تم سانس وہاں پر لیتے ہو بدبو یہاں تک آتی ہے؟
ج: حیرت ہے کوڑے کے ڈھیر میں رہتے ہوئے بھی تمہیں بدبو آجاتی ہے۔
س: عین غین جی یہ جو آپ کے سر پر وسیع و عریض چکتا صاف شفاف میدان ہے کیا ہم اس میں کرکٹ کھیلنے آسکتے ہیں؟
ج: نہیں اس میں اب جوؤں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔
س: ابھی تو میں نے مزید سوال کرنے تھے مگر یہ کیا آپ نے تو رونا شروع کر دیا، اچھا پلیز

چپ کریں میں جا رہا ہوں؟
ج: سوال تو ہم نے کرنے تھے تم سے روئی کا بھاؤ معلوم کرنا تھا مگر تم تو پہلے ہی بھاگ گئے۔

عابدہ حیدر ---- بہاول نگر
س: کھڑک سنگھ کے کھڑکنے سے کھڑکتی ہیں کھڑکیاں اب کھڑکیاں کے کھڑکنے سے......؟
ج: کھڑکتا ہے کھڑک سنگھ۔
س: شعر مکمل کریں؟
آداب سفر وہ سکھاتے ہیں جنہوں نے
ج: کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھا
س: کہتے ہیں کہ انسانوں اور بھیڑیوں میں کوئی فرق نہیں رہا جدھر ایک بھیڑیا جاتا ہے قطار بنائے باقی بھی ادھر ہی کو چل دیتے ہیں یہی حساب آج کل کے لوگوں کا ہے جدھر ایک چلتا ہے باقی بھی اسی طرف کیا خیال ہے؟
ج: میرے خیال میں اس مثال میں بھیڑیے کی بجائے بھیڑ ہونا چاہیے تھا۔
س: آپ اتنے خوش کیوں ہو رہے ہیں؟
ج: آپ کی مثالیں پڑھ کر۔

آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس
س: شادی کے دن دولہا کے دل میں کیا ہوتا ہے؟
ج: ایسے دن زندگی میں بار بار آئیں۔
س: آج کل فٹ بال کے میچ ہو رہے ہیں کیا خیال ہے؟
ج: کس کے بارے میں۔
س: میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم؟
ج: اب بھی موقع ہے پھر سے سوچ لو۔

فرینہ اسلم ---- میاں چنوں
س: نظریں کیوں جھکالی ہیں؟
ج: تمہارے پاس شکوؤں کے سوا اور کیا ہے۔
س: یہ لوگ ہم کو محبت کیوں نہیں کرنے دیتے؟
ج: اس شہر کے لوگ بڑے دانا ہیں۔
س: ساتھ ساتھ چلنے کی سوچ بھی اس کی تھی؟
ج: تمہارا اپنا کیا خیال ہے۔
س: سنا ہے کنوارہ شخص کام پر جاتے وقت ہر روز نیا راستہ اختیار کرتا ہے؟
ج: اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے۔

مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد
س: ایک ایسے شخص جس سے مجھے بے پناہ محبت ہو اور ہر وقت خیالوں میں رہے اور وہ بھول جائے تو؟
ج: بڑا ہی نامعقول شخص ہے وہ۔
س: خوب صورت اور خوب سیرت کا کیا فرق ہے؟
ج: بڑے بے مروت ہیں یہ حسن والے۔
س: یہ مرد لوگ شادی کے بعد بیوی سے ڈرتے کیوں ہیں؟
ج: کیونکہ شادی کے پہلے کی تمام باتیں جھوٹ ثابت ہو رہی ہوتی ہیں۔

راحیلہ فیصل ---- سرگودھا
س: آج کل مرد زیادہ جھوٹ بولتے ہیں یا عورت؟
ج: وقت وقت کی بات ہے جس کا داؤ چل جائے۔
س: آج کے دور میں اپنے پرائے اور پرائے اپنے کیوں بن جاتے ہیں؟
ج: اپنوں کے بارے میں کیا کہوں، البتہ پرائے اپنے مطلب کے لئے اپنے بن جاتے ہیں۔

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

مریم انصاری ---- سکھر

جہاں سوال کے بدلے سوال ہوتا ہے
وہیں محبتوں کا زوال ہوتا ہے
کسی کو اپنا بنانا ہنر میں لیکن
کسی کا بن کے دکھانے کمال ہوتا ہے

....

کتنے ناداں تھے طوفان کو کنارہ سمجھا
کتنے بے جان سہاروں کو سہارہ سمجھا
کتنے کم ظرف تھے وہ لوگ جو ساحل پہ تھے
ہم کو ڈوبتے دیکھا اور نظارہ سمجھا

....

کسی نے جب بھی وفاؤں کی بات کی ہو گی
تیری نگاہ مجھے ڈھونڈتی رہی ہو گی
تیرے خلوص سے شکوہ فضول ہے دوست میرے
میرے خلوص میں شاید کمی رہی ہو گی

عزہ فیصل ---- قصور

ہر حال میں ہر درد میں تابندہ رہوں گا
میں زندہ جاوید ہوں پائندہ رہوں گا
تاریخ میرے نام کی تعظیم کرے گی
تاریخ کے اوراق میں آئندہ رہوں گا

....

جب سے تیرے نام کر دی زندگی اچھی لگی
تیرا غم اچھا لگا تیری خوشی اچھی لگی
تیرا پیکر تیری خوشبو تیرا لہجہ تیری بات
دل کو تیری گفتگو کی سادگی اچھی لگی

....

موسم موسم بس اک سپنا یاد رہا
صدیاں جس میں سمٹ گئیں وہ لمحہ یاد رہا
قوس قزح کے ساتوں رنگ تھے اس کے لہجے میں
ساری محفل بھول گئی اک چہرا یاد رہا

نورانور ---- فیصل آباد

ساری دنیا میں میرے جی کو لگا ایک ہی شخص
ایک ہی شخص تھا ایسا باخدا ایک ہی شخص
درجہ کفر سہی مدح جمال جاناں ......
دل کی پوچھو تو خدا سے بھی بنا ایک ہی شخص

....

محبتوں میں ہر اک لمحہ وصال ہوگا یہ طے ہوا تھا
بچھڑ کے بھی اک دوسرے کا خیال ہوگا یہ طے ہوا تھا
وہی ہوا ناں کہ بدلتے موسموں میں تم نے ہم کو بھلا دیا ہے
کوئی بھی رت ہو نہ چاہتوں کا زوال ہوگا یہ طے ہوا تھا

....

کبھی کی ہو گی سورج نے چاند سے محبت
تبھی تو چاند میں داغ ہے
ممکن ہے کہ چاند سے ہوئی ہو گی بے وفائی
تبھی تو سورج میں آگ ہے

فاریہ سلیم ---- شرقپور

جو بھی دیتا ہے زخم دیتا ہے
کس قدر با اصول ہیں یہ لوگ

....

طوفاں کی دشمنی سے نہ بچتے تو خیر تھی
ساحل سے دوستی کے بھرم نے ڈبو دیا

....

وہ جو سہتا رہا رت جگوں کی سزا چاند کی چاہ میں
مر گیا جب تو نوحہ کناں تھے شجر چاند خاموش تھا

کل کہیں پھر خدا کی زمیں پہ کوئی سانحہ ہو گیا
میں نے کل رات جو اٹھائی نظر چاند خاموش تھا
عمیرہ ریحان ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

تو بے وفا ہے لے اک بری خبر سن لے
کہ انتظار میرا دوسرا بھی کوتا ہے

....

اسے کہنا کہ پلٹ آئے کہ اب تو
جدائی درد بنتی جا رہی ہے

....

اک جھیل ہے آنکھوں میں جو آباد بہت ہے
صدیوں یونہی رونے کو تیری یاد بہت ہے
کہہ دو کہ سمندر سے پلٹ آئیں ہوائیں
بارش کو میرے اشکوں کی بنیاد بہت ہے
عالیہ بٹ ---- لاہور

کتنے مجبور ہیں ہم اپنی انا کے ہاتھوں
ریزہ ریزہ بھی ہوئے اور بکھرتے بھی نہیں

....

کرے جو بستیاں برباد وہ سیلاب ہوتا ہے
جو ساحل سے اچھل جائے اسے دریا نہیں کہتے

....

مخلوق تو فنکار ہے اس درجہ کہ پل میں
سنگ در کعبہ سے بھی اصنام تراشے
تو کون ہے اور کیا ہے تیرا داغ قبا بھی
دنیا نے تو مریم پہ بھی الزام تراشے
فریحہ گیلانی ---- اوکاڑہ

سونے نہ دیں گی چاندنی راتیں اسے بھی کبھی
اتنی تو کسک اس کے دل میں چھوڑ جاؤں گا

....

ملنا تیرا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
صوبیہ توحید ---- گلشن راوی لاہور

میں اس کی دسترس میں ہوں مگر وہ
مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

....

بند ذہنوں میں سسکتا ہے خیالوں کا ہجوم
چیخ بن جاتی ہے کھلتے ہوئے درد کی صورت

....

زندگی نے میری مفہوم جہاں سے پایا
مجھ کو اچھا نہیں لگتا اسے مقتل لکھنا
پیار کے سچے مراسم کا پتا دیتا ہے
خط کے القاب میں اس کا مجھے پاگل لکھنا
سارا حیدر ---- ساہیوال

ڈھانچے کے ایک ڈھیر کی گنتی سے فائدہ؟
کیوں ہو رہی ہیں شہر میں مردم شماریاں

....

قربتیں ہی بڑے امتحان لیتی ہیں
کسی سے واسطہ رکھنا تو دور کی رکھنا

....

کھو آؤ گے اک روز کسی موڑ پہ خود کو
اس دل کی مسافت تمہیں کچھ بھی نہیں دے گی
ساجدہ احمد ---- ملتان

کیوں مرا ساتھ چھوڑے جاتے ہو
راستہ رہنما نہیں ہوتا

....

پتھر پہ لکیروں کی طرح دل میں تیرا نام
اور لوگ کہیں مجھ سے اب اس کو بھلا دو

....

صحن گل میں خاک اڑاتی آ گئی باد سموم
باغ نے پھولوں کا کہنا بھی ابھی پہنا نہ تھا
شاخ کی آنکھیں خزاں کے رتجگے سے چور تھیں
برگ کے سینے میں دل تھا جو ابھی دھڑکا نہ تھا
صفہ خورشید ---- لاہور

اک غفلت تمام نے بینا بنا دیا
اک ساعت تمام پھر بینائی لے گئی

جذبے حصول رزق کے رستوں میں چھل گئے
خوابوں کو میرے عہد کی سچائی لے گئی

....

رستوں کو دھواں شہروں کو سنسان نہ کرتے
کرنا ہی تھا تو یہ کام انسان نہ کرتے
کچھ دیر ہمیں رہنے دیا ہوتا گھروں میں
کچھ دیر ہمیں بے سرو ساماں نہ کرتے
عابدہ حیدر ---- بہاول نگر
ہجر کے سبھی پہلو رنجشوں کے سارے دکھ
کتنے اچھے لگتے ہیں چاہتوں کے سارے دکھ
مسئلہ انا کا تھا فاصلے دلوں کے تھے
قربتوں سے کیا مٹتے دوریوں کے سارے دکھ

....

ہمارے قبول و عمل میں تضاد کتنا ہے
مگر یہ دل ہے کہ خوش اعتماد کتنا ہے

....

ہمیں معلوم ہے ہر جیت بالآخر ہماری ہے
سو ہم وقتی شکستوں پہ دل تھوڑا نہیں کرتے
آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس
پھولوں کے گھر بہار نے بھر بھی دیا تو کیا
دامن میرا اداس رہا خار کے بغیر
اس شوخ سے بچھڑ کے ظفر اپنی زندگی
جیسے مکاں ہو کوئی دیوار کے بغیر

....

جوتے سے لگ کر مٹی محل تک پہنچ گئی
ہم فطرتاً پہاڑ تھے رستے میں رہ گئے

....

طوفان کر رہا تھا میرے عزم کا طواف
دنیا سمجھ رہی تھی کہ کشتی بھنور میں ہے
فرنیہ اسلم ---- میاں چنوں
تم ساتھ تھے ہم بھی تھے منزل سے آشنا
اب تم نہیں تو لگتے ہیں رستے عیب سے

....

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا تیرا مکان ہے کچھ تو خیال کر

....

زندگی درد کا عنوان کہاں تھی پہلے
مبتلا رنج میں یہ جان کہاں تھی پہلے
دل جو ٹوٹا تو کھلا سب کی محبت کا بھرم
اپنے بے گانے کی پہچان کہاں تھے پہلے
مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد
درد دل کو اساس ہو شاید
غم جوانی کو راس ہو شاید
کہہ رہی ہے فضا کی خاموشی
ان دنوں تم اداس ہو شاید

....

ساری بات تعلق کی ہے جذبوں کی سچائی تک
میل دلوں میں آجائے تو گھر ویرانے ہو جاتے ہیں
ہر اک چیز بدل جاتی ہے عشق کا موسم آتا ہی
راتیں پاگل کر دیتی ہیں دن دیوانے ہو جاتے ہیں

....

پڑھنا ہے تو انسان کو پڑھنے کا ہنر سیکھ
ہر چہرے پہ لکھا ہے کتابوں سے زیادہ
راحیلہ فیصل ---- سرگودھا
جیسا جتنا بھی رشتہ تھا اس کو رسوا مت کرنا
ہم بھی ایسا نہیں کہیں گے تم بھی ایسا مت کرنا

....

دامن کے سارے چاک گریباں کے سارے چاک
ہو بھی گئے بہم تو بہم اور کتنی دیر

....

شام آ رہی ہے ڈوبتا سورج بتائے گا
تم اور کتنی دیر ہو ہم اور کتنی دیر

☆☆☆

افراح طارق

کلیجی کا سالن

اشیاء

بکرے کی کلیجی	ایک کلو بوٹی بنوالیں

(کلیجی کو دھوئے بغیر ایک ڈلی لہسن چھلکے سمیت کچل کر اچھی طرح مل کر پندرہ منٹ کے لئے رکھ دیں پھر ٹھنڈے پانی سے دھولیں اس سے بساند دور ہو جاتی ہے)

لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک لہسن (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
میتھی دانہ	چند دانے
ہری مرچ	چار عدد
تیل	ایک کپ
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سویا	دو گٹھی (باریک کٹا ہوا)
پیاز	دو عدد (کچی پیس لیں)
ہرا دھنیا	ایک گٹھی (باریک کٹا ہوا)

ترکیب

ایک دیگچی میں تیل گرم کریں پھر میتھی دانہ ڈال کر ایک منٹ بعد پسی ہوئی پیاز ڈال دیں، جب پیاز گلابی ہو جائے تو ادرک، لہسن، ہلدی اور مرچ ڈال کر ہلکا سا بھون لیں، پھر کلیجی، سویا، ہری مرچ اور گرم مصالحہ ڈال کر بھونیں، پانچ دس منٹ کے لئے دم پر رکھ دیں، سب سے آخر میں نمک ڈالیں اور اوپر سے ہرا دھنیا ڈال دیں، نمک پہلے ہرگز نہ ڈالیں ورنہ کلیجی سخت ہو جاتی ہے، یہ سالن آپ سادے چاول کے ساتھ بھی کھا سکتے ہیں۔

افغانی سیخ کباب

اشیاء

قیمہ	ایک کلو
نمک	دو چائے کے چمچے
کچی پیاز (چوکور کٹی ہوئی)	دو عدد
کالی مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
ادرک لہسن پیسٹ	دو چائے کے چمچے
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
ٹماٹر	چار عدد
شملہ مرچ	چار عدد

ترکیب

قیمہ کو نمک، کالی مرچ، سرخ مرچ، ادرک لہسن پیسٹ کے ساتھ پیس لیں، کچی پیاز اور دھنیا کاٹ کر ڈالیں، فریج میں ایک گھنٹے کے لئے رکھ دیں، اس کے بعد سیخ پر شملہ مرچ، ٹماٹر اور قیمے کی چھوٹی چھوٹی گیندیں بنا کر لگالیں اور انہیں سینک کر گرم گرم سرو کریں۔

کچے قیمے کے کباب

اشیاء

قیمہ	آدھا کلو
سرکہ	دو کھانے کے چمچے

گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
نمک	دو چائے کا چمچے
سرخ مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ
ڈبل روٹی	تین سلائس
تیل یا گھی	حسب ضرورت

ترکیب

ڈبل روٹی کے ٹکڑے کرلیں اور پانی میں بھگو دیں، بھیگ کر وہ فوراً ہی نرم ہو جائیں گے، اب انہیں ہاتھوں میں دبا کر سارا پانی نکال دیں، قیمہ دھو کر اس میں گرم مصالحہ، نمک، سرخ مرچ، سرکہ اور بھیگی ہوئی ڈبل روٹی ملا کر ایک گھنٹے تک رکھا رہنے دیں، ایک گھنٹے بعد قیمے کی چھوٹی چھوٹی ٹکیاں کباب کی شکل میں بنالیں، تیل یا گھی میں ہلکی آنچ پر تل لیں، گہری سرخ رنگت اختیار کرنے پر ٹکیاں نکال لیں، املی کی چٹنی کے ساتھ کچے قیمے کے یہ کباب ذائقے دار لگیں گے۔

دل پسند گوشت

اشیاء

گوشت (بغیر ہڈی)	آدھا کلو
پیاز (باریک)	۲۵۰ گرام
لہسن	۸ جوئے
ادرک (باریک پیس لیں)	ایک انچ
ثابت لال مرچ (کاٹ لیں)	چند عدد
ہری مرچ	تین عدد
چھوٹی الائچی	دو عدد
دہی	۲۵۰ گرام
نمک	حسب ذائقہ
گھی	۱۵۰ گرام
لونگ	۴ عدد

ترکیب

پہلے پیاز اور ادرک کو گھی میں بھون لیں پھر گوشت، لہسن، نمک اور لال مرچ ڈال کر اچھی طرح بھونیں، جب سرخ ہو جائے تو لونگ، الائچی اور دہی ڈال کر دو پیالی ڈال دیں اور بند کردیں، جب گوشت گل جائے اور گھی چھوٹنے لگے تو اتار لیں۔

ادرک والی گوشت کی چانپ

اشیاء

گوشت کی چانپ	بارہ عدد
پپیتا (پسا ہوا)	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
ادرک (پسا ہوا)	تین کھانے کے چمچے
لہسن (پسا ہوا)	چار چائے کے چمچے
کالی مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کریم	تین کھانے کے چمچے
زیرہ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
گرم مصالحہ	دو چائے کے چمچے
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
تیل یا مکھن	لگانے کے لئے

ترکیب

چانپ کو صاف کرلیں اور چھری کے دستے سے قدرے چپٹا کرلیں، اس کے بعد پسا ہوا پپیتا، نمک، ادرک، لہسن کا پیسٹ اور کالی مرچ کو ایک ساتھ ملا کر مکسچر بنالیں اور اس مکسچر کو چانپ کے اوپر لگا کر تین سے چار گھنٹے کے لئے رکھ دیں، کریم کو پھینٹ لیں اور اس میں زیرہ پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر، گرم مصالحہ اور لیموں کا رس ڈال کر ملا لیں پھر چانپ کو اس میں ڈال کر اچھی

طرح سے ملالیں اور مزید ایک گھنٹے کے لئے اس کور کھ دیں، اوون کو ۳۵۰ ڈگری فارن ہائیٹ ۱۷۵ سینٹی گریڈ پر گرم کرلیں، چانپوں کو سیخوں میں لگا لیں اور پھر اس کو اوون، تندور، گرل پر دس سے بارہ منٹ تک روسٹ کریں، اس کے بعد سیخوں کو چند منٹ کے لئے لٹکا کر رکھ دیں تا کہ زائد پانی نکل جائے، اس کے بعد چانپوں پر مکھن لگائیے اور اسے تین سے چار منٹ تک پکائیے، یہاں تک کہ چانپ ہلکی براؤن ہو جائے، اس پر ہرا دھنیا کاٹ کر سجائیں اور گرم گرم پیش کریں۔

چکن مشروم سوپ

اشیاء

چکن کا گوشت	ایک سو پچاس گرام
(پکا اور باریک کٹا ہوا)	
چکن یخنی	ڈیڑھ لیٹر
خشک براؤن مشروم	پچاس گرام
خشک کالی مشروم	پچاس گرام
اجینوموتو	چوتھائی چائے کا چمچہ
لائٹ سویا	ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سفید مرچ	ایک چٹکی
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
آئل	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

مشروم کو آئل گرم کر کے دو منٹ تک فرائی کریں، پھر نکال لیں، اب یخنی ڈال دیں اور کارن فلور کے علاوہ تمام اشیاء ڈال کر پانچ منٹ تک ابلنے دیں، اب اس میں پہلے مشروم پھر کارن فلور ملائیں اور اسے دو منٹ مزید پکنے دیں پھر فوراً گرم گرم پیش کریں۔

چکن نوڈلز سوپ

اشیاء

مرغی کا گوشت	دو سو پچاس گرام
نوڈلز	چار سو پچاس گرام
بند گوبھی	ایک سو پچاس گرام
مرغ یخنی	ڈیڑھ لیٹر
نمک، چینی	دونوں آدھا آدھا چائے کا چمچہ
لائٹ سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
آئل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

بڑے برتن میں پانی لے کر نوڈلز ڈالیں، انہیں ہلائیں، تاکہ بنڈل کھل جائے، چولہے پر چڑھا دیں اور چار پانچ منٹ پکائیں، اب انہیں اچھی طرح نچوڑ لیں، پھر کسی چھلنی میں تھوڑا سا تیل ملا لیں، گہرے فرائی پین میں آئل گرم کر کے مرغی کا گوشت دو منٹ تک فرائی کریں۔
مرغی نکال کر اسی تیل میں بند گوبھی فرائی کر لیں، اب یخنی اور باقی اشیاء ڈال کر ایک منٹ پکنے دیں تا کہ بند گوبھی نرم ہو جائے، اب گوشت شامل کر دیں اور ایک دو منٹ پکائیں، ابلی نوڈلز کو آٹھ گرم پیالوں میں برابر برابر ڈال دیں اور اوپر یہ گرم گرم سوپ ڈالیں، چلی سوس کے ساتھ فوراً پیش کریں۔

چکن ٹماٹو ودھ پاستا

اشیاء

مرغی کا قیمہ	ایک کپ
میکرونی	ایک کپ
ٹماٹر	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ

کالی مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
چائنیز نمک	آدھا چائے کا چمچہ
مکھن	دو کھانے کے چمچے
ٹماٹو کیچپ	دو کھانے کے چمچے
ادرک کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	تھوڑا سا
ہری مرچ	تین عدد (بڑی)
تیل	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

ایک نان اسٹک پین میں تیل گرم کریں، مرغی کا قیمہ، ادرک پیسٹ اور تھوڑا سا نمک ڈالیں اور اچھی طرح بھون لیں ٹماٹروں کو ابال کر ان کا چھلکا اتار لیں اور میش کر لیں، ایک الگ پیشن میں ان میش کیے ہوئے ٹماٹروں کو ایک منٹ تک پکائیں، اس میں مکھن، کالی مرچ پاؤڈر، چائنیز نمک اور پیاز ڈال کر دو منٹ تک پکائیں۔

ٹماٹو کیچپ اور کارن فلور بھی ڈال دیں، جب یہ مکسچر گاڑھا ہونے لگے تو اس میں مرغی کا قیمہ بھی ڈال دیں، پانچ منٹ کے لئے ہلکی آنچ پر پکائیں، میکرونی کو پیکٹ پر درج ہدایت کے مطابق ابال لیں۔

ایک سرونگ ڈش میں میکرونی کی تہ بچھا دیں اور اوپر سے ٹماٹو مکسچر، ہرا دھنیا اور ہری مرچ کو لمبائی کے رخ پر کاٹ کر ڈال دیں اور پیش کریں۔

چکن جلفریزی

اشیاء

چکن	ایک کلو
پیاز درمیانہ	دو عدد
لہسن	دو جوے
سرخ مرچ	پچیس گرام پسی ہوئی
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پسا ہوا	آدھا چائے کا چمچہ
ٹماٹر	چار عدد
ادرک	تھوڑا سا
تیل	سو گرام
سوکھا دھنیا پسا ہوا	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

مرغی کو ہڈی سے الگ کر کے چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنالیں، ٹماٹر اور پیاز چوپ کر لیں اور لہسن باریک کاٹ لیں، سوس پین میں تیل گرم کر کے پیاز تل کر نکالیں، اسی تیل میں مرغی کی بوٹیاں تلیں اور پھر ادرک، لہسن، نمک، مرچ، دھنیا، ہلدی ملا دیں، چمچہ چلاتے جائیں اور بھون لیں، اب ٹماٹر ملا کر مزید بھونیں، دو تین منٹ پکائیں، آخر میں تلی ہوئی پیاز ملا دیں اور گرم مصالحہ چھڑک دیں، ایک سرونگ ڈش میں ڈال کر پیش کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات لئے حاضر ہیں، آپ کی صحت، سلامتی اور خوشیوں کے لئے دعائیں اللہ تعالیٰ آپ کو، ہم کو اور ہمارے پیارے وطن کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔

ابتداء سے اب تک تہذیب انسانی نے جو ترقی کی ہے وہ علم ہی کی مرہون منت ہے، کسی بھی قوم کی ترقی کے لئے معیاری تعلیمی نظام ناگزیر ہے تاریخ گواہ ہے کہ جو قومیں علم سے دور ہوئیں زوال ان کا مقدر بن گیا، اس تیز رفتار دنیا میں جبکہ ہر گزرتا لمحہ ترقی وتبدیلی کا پیغام لا رہا ہے، اپنا وجود کو قائم رکھنے اور دنیا سے منوانے کے لئے ضروری ہے کہ علمی اور عقلی جدوجہد میں پیچھے نہ رہیں ورنہ ہر میدان میں پیچھے رہ جائیں گے، آج ہم جس مشکل وقت سے گزر رہے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم جدید علوم سے دور ہیں، ہمارے تعلیمی ادارے زبوں حالی کا شکار ہیں، جس ملک میں غربت، افلاس اور جہالت کا راج ہو وہاں ترقی کا تصور بھی محال ہے تمام تر قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود آج بھی ہم دنیا کے سامنے ہاتھ پھیلائے سراپا سوال ہیں تو یقیناً یہ ہماری غلطیاں اور کوتاہیاں ہیں کوئی بھی قوم ہو یا فرد اپنے حالات بدلنے کے لئے خود محنت اور کوشش کرنا پڑتی ہے تب ہی قدرت بھی ساتھ دیتی ہے۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا، اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں اور آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔

خطوط کی محفل میں جانے سے پہلے ہمیشہ کی طرح آپ سے یہی کہیں گے، کہ تین عبادات ہمارا مقدر بدل سکتی ہیں، کلمہ طیبہ، استغفار اور درود پاک کا ورد، خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو آمین۔

یہ پہلا خط ہمیں پسرور سیالکوٹ سے انجم الیاس کا موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

رمضان کے وسط میں ''عید نمبر'' نے حیران کر دیا، ٹائٹل بس ٹھیک ہی تھا، سردار صاحب دانش مندانہ باتوں سے مستفید ہوتے ہوئے حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے دل و روح کو منور کیا، انشاء جی کی محفل پہنچے اور ہنستے مسکراتے ہمیشہ کی طرح آگے بڑھے ''عید گنگنانے لگی'' واہ کیا خوبصورت ٹائٹل دیا ہے فوزیہ آپی نے مصنفین سے کیے گئے سروے کو، بہت خوب، قرۃ العین رائے آپ نے ہمیشہ کی طرح بڑے دلچسپ انداز میں سروے کے سوالوں کے جواب دیئے، جبکہ نایاب جیلانی کے جواب سے ایک سنجیدہ معتبر اور بے حد ذہین مصنفہ کا تاثر ابھرا، عمارہ امداد، درخشاں ضیاء، سونیا چوہدری، روبینہ سعید اور مبشرہ انصاری کے جوابات بھی پسند آئے۔

مبشرہ آپ کے چکن کچوری تو میں نے افطاری میں ہی ٹرائی کی اور سب کی واہ واہ سمیٹی، شکریہ آپ کی اتنی مزے کی ترکیب کا، سہاس گل

کے جوابات میں اب کے ہمیں بڑی مدبر سباس گل نظر آئی جبکہ پہلے تو وہ بڑے چلبلے انداز میں جواب دیا کرتی تھیں۔

آگے بڑھے اور ''پہلی عید'' سے ملے میرا مطلب ہے قرۃ العین کے افسانے سے ہے، ہمیشہ کی طرح ہلکا پھلکا محبتوں کی چاشنی لئے ہے یہ افسانہ بھی بے حد پسند آیا، ارے یہ نایاب جیلانی تحریر کو کس طرف لے کر جا رہی ہیں، بربتوں آبشاروں کے بیچ گھومتی کہانی، مورے کا بے رحم انداز عروفہ کا اپنی بہن کے لئے نفرت کا اظہار، کافی گنجلک سی کہانی ہے، جس قدر ظالم ماں نایاب دکھائی ہے، ایسا کبھی نہیں دیکھا۔

''چاند نگر کی شہزادی'' کی دوسرا اور آخری حصہ تھا، سندس جبیں نے اچھے انداز میں اس کا اینڈ کیا، انہوں نے ایک ایسی بیماری کو موضوع بنایا، جس کی طرف عام طور پر کسی کا دھیان ہی نہیں جاتا، مصنفہ مبارک کباد کی مستحق ہے، سباس گل کا مکمل ناول ہمیشہ جیسا تھا، محبت پلس محبت، جبکہ روبینہ سعید کا چاند، چاندنی اور چاند رات ہلکے پھلکے انداز میں لکھی گئی ایک خوبصورت تحریر تھی، معصومہ منصور کا ناولٹ ''ستارے تیرے نام کے'' اچھی کوشش تھی، جبکہ افسانے اس مرتبہ چاروں ہی اچھے تھے، قرۃ العین رائے، حیاء بخاری، نائلہ طارق اور سویرا فلک کو مبارک باد۔

سدرۃ المنتہیٰ نے بھی ''اک جہاں اور ہے'' میں کافی رازوں سے پردہ اٹھایا، گڈ مستقل سلسلے عید نمبر کے حساب سے بہترین تھے، حاصل مطالعہ میں سب کا ذوق بہترین تھا، رنگ حنا نے مسکراہٹیں بکھیری، میری ڈائری اور بیاض میں انتخاب بہترین تھا، عید کے دستر خوان کی اچھی بات یہ لگی یہ صرف میٹھی ڈشیز سے ہی نہیں چٹ پٹے تراکیب سے بھی آراستہ تھا، کس قیامت کے یہ نامے میں سب دوستوں نے بڑے خوبصورت انداز میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔

انجم الیاس اس محفل میں خوش آمدید عید نمبر کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی پسندیدگی مصنفین کو ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہیں، ان کی طرف سے شکریہ قبول کریں ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

افروزیہ ملک: خانیوال سے لکھتی ہیں۔

جولائی کا حنا چھ تاریخ کو ملا، بہت عرصے کے بعد دل نے چاہا کہ اس محفل میں حاضری لگوائی جائے، سو فوراً کاغذ قلم اٹھ لیا، امید ہے فوزیہ آپی مایوس نہیں کریں گی۔

اس ماہ شرکت کرنے کی بڑی وجہ ''عید سروے'' ہے بہت خوب مزے کے سوالات کیے، آپی نے اتنے ہی جوابات اچھے لگے، کاش کبھی فوزیہ آپی قارئین کو بھی سروے میں شرکت کی دعوت دیں اور ہم سب بھی اس میں شامل ہوں لیکن (آہ ہا واہ رہی حسرت) سروے سے لطف اندوز ہونے کے بعد آگے بڑھے اور سب سے پہلے مکمل ناول پڑھے، سباس گل کا ''قسم سے'' ہمیشہ کی طرح روایتی سا تھا، ہی ہیروئین کی بیچارگی اور ہیرو کی زندہ دلی پلس دریا دلی، لاسٹ عید پر بھی سباس کا اس تحریر سے ملتی جلتی تحریر تھی، پلیز سباس آپ ماشاء اللہ اچھا لکھنے والی ہیں، اپنی تحریر میں کوئی ورائٹی لائیں، ''چاند، چاندنی اور چاند رات'' روبینہ سعید کی تحریر مزے کی لگی، ہلکے پھلکے انداز میں لکھنے کا انداز بہت خوب تھا، اب بات ہو جائے ناولٹ کی، سندس جبیں ایک بار پھر بازی لے گئیں، ''چاند نگر کی شہزادی'' کا اختتام بہت خوبصورت انداز میں کیا ہر الجھن کو سلجھا کر ویلڈن سندس، معصومہ منصور کا ناولٹ ''ستارے تیرے نام کے'' معصومہ کی

اچھی کوشش تھی، کہانی میں بعض جگہ کافی جھول تھا، لیکن پھر بھی پسند آیا، اس ماہ کا بہترین افسانہ قرۃ العین رائے کا لگا، جبکہ حیاء بخاری، نائلہ طارق اور سویرا فلک کی تحریریں بھی پسند آئیں۔

مکمل ناول کی باری سب سے آخر میں آئی، حسب عادت ''اک جہاں اور ہے'' میں پہنچے، نئے واقعات اور بہت سے انکشافات منتظر تھے، بہت خوب سدرۃ المنتہیٰ آپ نے آہستہ آہستہ پراسراریت سے پردہ اٹھانا شروع کر دیا، جس سے کافی حد تک ناول مزید دلچسپ ہو گیا، نایاب جیلانی کی تحریر ابھی تک سمجھ میں نہیں آ رہی کہیں کہیں پڑھتے وقت یوں لگتا ہے کہ جیسے کوئی سفر نامہ ہو، پلیز نایاب اس طرف توجہ دیں، کہانی کو کوئی دلچسپ موڑ دیں۔

مستقل سلسلے بھی اچھے تھے، آپی کیا آپ نے مصنفین سے ملاقات کا سلسلہ ختم کر دیا ہے، پلیز جواب ضرور دیجئے گا۔

افروزیہ ملک خوش آمدید اس محفل میں، عید نمبر کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف و تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہے، مصنفین سے ملاقات کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، انشاء اللہ اگلے ماہ سے آپ مصنفین سے مل سکیں گی، انشاء اللہ جلد ہی ہم ایک نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں جس میں مصنفین کے ساتھ ساتھ قارئین بھی شامل ہوں گے۔

اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا

حرار یحان: سیالکوٹ سے لکھتی ہیں۔

عید نمبر کی کیا ہی تعریف کریں، ٹائٹل سے لے کر آخری صفحات تک سب کچھ اے ون تھا، سردار محمود صاحب کی بصیرت افروز باتیں سننے کے بعد حمد و نعت اور پیارے نبیﷺ کی پیاری باتوں سے مستفید ہوئے، انشاء نامہ میں انشاء جی اس مرتبہ قدرت اللہ شہاب کی باتیں کرتے پائے گئے، انشاء جی کی ہر تحریر ہی دلچسپ ہوتی ہے، آگے بڑھے اور اتنی ڈھیر ساری مصنفین کو ایک جگہ دیکھ کر عید کے ساتھ ساتھ ہم بھی گنگنانے لگے، تمام مصنفین کے جواب مزے کے لگے، ناول کی فہرست دیکھی، سباس گل اور روبینہ سعید یہاں براجمان نظر آئیں، دونوں مصنفین نے اچھا لکھا تحریر میں دلچسپی کا عنصر نمایاں رہا، ناولٹ میں سندس جبیں کی تحریر ''چاند نگر کی شہزادی'' پسند تو آئی مگر اتنی نہیں جتنی ان کی پہلی تحریریں، دوسرا حصہ تو لگتا تھا مصنفہ نے انتہائی عجلت میں لکھا ہے، معصومہ منصور نے عید کے حوالے سے ناولٹ لکھا جو کہ بہتر تھا۔

سلسلے وار ناول میں نایاب جیلانی کے لکھنے کا اسٹائل اس ناول میں کچھ نیا ہے، کہانی کا تانا بانا بڑی خوبصورتی سے بنا گیا ہے، ہر پیراگراف میں تجسس ہے ہر کردار اپنی اپنی جگہ بہترین ہے اس کے برعکس سدرہ جی کا ناول ''اک جہاں اور ہے'' اب واضح ہونے لگا ہے، کہانی سمجھ میں آنے لگی ہے، سدرہ جی کا لکھنے کا بڑا دھیما دھیما انداز ہے ان کی تحریر پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے ہر کردار سے پیار ہے، کیونکہ وہ ہر کردار کو بڑی محبت اور چاہت سے لکھ رہی ہیں، سدرہ جی آپ کے لئے بہت سی نیک تمنائیں ہماری۔

افسانوں میں قرۃ العین، حیاء بخاری کی تحریریں مزہ دے گئیں، **سویرا فلک اور نائلہ طارق** نے بھی کافی محنت کی۔

حرار یحان، کیسی ہیں آپ، جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی رائے کے ہم آئندہ بھی منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆